فلسفۂ قرآن و تصوف

بنظرِ علومِ جدیدہ

از تصنیف - جناب نواب سر محمد یامین خان صاحب سی - آئی - ای -
بی - اے - بیرسٹر - ایٹ - لا - سابق ڈپٹی پریسیڈنٹ
مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی - غیر منقسمہ ہندوستان -
سابق ممبر کورٹ و اکزیکیٹو کونسل مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ - سابق ممبر کورٹ دہلی یونیورسٹی - سکریٹری
مسلم لیگ پارٹی سنٹرل لیجسلیچر -

مصنف گلگوٹ - سول اینڈ یونیورسس ان سائنس اینڈ اسلام و
اسلامی تعلیم وغیرہ

ن ہی کا دستِ نگر
اپنی محنت کی کمائی میں

ناشران: ——— ملک دین محمد اینڈ سنز، اشاعت منزل لاہور۔

طابع: ——— ملک محمد عارف۔

مطبوعہ: ——— دین محمدی پریس لاہور۔

تعداد طبع: ——— ۱۰۰۰

حمد

تمام احسان اس قادر مطلق کا ہے جس نے ایک ناچیز شے انسان کو روح عطا کر کے اس کو عقل عطا فرمائی اور اشرف المخلوقات بنایا۔ اس پاک بے نیاز کا شکریہ ادا کرنا انسان کی قوت سے باہر ہے۔ اگر تمام سمندر سیاہی اور تمام درختوں کے قلم بنائے جائیں تو بھی اس کی حمد و ثنا، پوری نہیں لکھی جا سکتی۔ جس قوت کو نہ آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ عقل سمجھ سکتی ہے لیکن جسکی قوت لاانتہا۔ علم لاانتہا اور خود ہر جگہ موجود ہے اس کو صرف اس کی کائنات سے جو اس نے بہترین اور مکمل اصولوں پر بنائی اور اس کے واسطے قوتوں کو بنایا ہے سمجھا جا سکتا ہے۔ جس اللہ نے ہر چیز اور ہر قوت کو جو دنیا اور آسمانوں میں ہے سب کو انسان کے تابعدار کر دیا اور فرشتوں سے اطاعت قبول کرادی اس اللہ کا یہ ناشکرا انسان کیا شکر ادا کر سکتا ہے۔ اس کے بنائے ہوئے اصولوں پر عمل کر کے انسان شکریہ کا موقع دیتا ہے نہ کہ منہ سے یہ کہہ کر کہ میں تیرا بندہ ہوں اور کام بندوں کے سے نہ کرے۔

اللہ تعالےٰ تیرا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ تو نے مجھ کو اس وقت تک تقریباً ستر سال کی عمر عطا فرمائی اور سب اعضاء جسمانی درست رکھے۔ بینائی بالکل تیرے فضل سے ٹھیک ہے۔ ہزارہا کتابوں کے پڑھنے کا موقع دیا۔ چالیس سال پبلک کی خدمات کا موقع دیا اور اب مذہبی خدمات کرنے کا موقع ملا ہے۔ نہ کبھی کسی کا دست نگر کیا اور دعا ہے کہ مرتے وقت تک کسی کا دست نگر نہ کرنا۔ اپنی محنت کی کمائی میں

سے پس انداز کر کے اتنی آمدنی بنائی ہے کہ کسی چیز کا محتاج نہیں کسی سے کسی امداد کا سوائے تیری امداد کے خواہاں نہیں۔ تجھ سے یہ دعا ہے کہ ایمان کے ساتھ اٹھانا اور اپنی اور اپنے رسولؐ کی محبت میں سرشار رکھنا اور جس قدر گناہ دانستہ یا نادانستہ ہوئے ہوں ان کو معاف کرنا تو تواب الرحیم ہے اور سب مسلمانوں کو گناہوں سے بچائے رکھنا۔ جو لوگ کم علم ہیں ان کو زیادہ علم اور تیرے سمجھنے کی ان میں عقل آئے اور تیرے احکامات کی پابندی کریں۔ آمین۔

تیرا ناچیز بندہ

محمد یامین خان

درود و سلام

رسول پاک محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر لاکھوں درود ہوں جن کو اللہ تعالےٰ نے اپنا نبی آخر الزماں چن کر ان پر قرآن پاک اتارا جس کی روشنی قیامت تک تاریک سینوں کو روشن کرتی رہے گی جو علم قرآن پاک میں اور اس کی ہر آیت میں ہے وہ ہزارہا کتابوں میں ملا کر نہیں۔ در حقیقت ایک ایک آیت کی تشریح کے واسطے متعدد کتابیں معمولی علم کا آدمی لکھ سکتا ہے اور صحیح سمجھنے والا تو ایک ہزار کتاب لکھ سکتا ہے لہٰذا وہ کتاب اللہ نے اپنے پیارے نبی کو دی جس میں اس قدر علم موجود ہے جو دنیا بھر کے آدمی مل کر ایک وقت میں نہ رکھتے ہوں۔ قرآن پاک نور ہے اور جس شخص کو اللہ تعالےٰ نے یہ پیغام دنیا کو دینے کے واسطے پیدا کیا اس کا سینہ کس قدر نور سے بھر دیا اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ کی روح مبارک کو اس درجہ کا عروج دیا کہ وہ خداوندی احکام کو ٹھیک طرح سمجھ کر اور ان کو یاد رکھ کر امانت کے ساتھ ٹھیک ٹھیک لوگوں کو پہنچا دے اس روح کو تمام راز جو کائنات کے اندر مخفی ہیں بتا دیئے گئے جس شخص پر قرآن نازل ہوا اس کے مقابلہ کا شخص نہ دنیا میں پیدا ہوا نہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ اس برگزیدہ ہستی پر اس کی آل پر اور اصحاب پر اپنی تمام رحمتیں بھیجے اور اس کی امت کے ہر شخص کو گناہ سے بچائے۔ آمین

رسول اللہ کا ادنےٰ خادم محمد یامین خان

تمہید

دنیا میں رسول اور انبیا شروع ہی سے آتے رہے اور ان کی تلقین دو اصولوں پر ہوتی رہی اول یہ کہ اپنی قوم کو یہ بتائیں کہ کل کائنات کا پیدا کرنے والا ایک ہے اور ہر چیز جو کائنات میں ہے وہ اسی پیدا کرنے والے کی ملکیت ہے دوم یہ کہ جب سب چیزیں اور مخلوق اس کی ہیں تو کسی شخص کو دوسرے کی حق تلفی نہیں کرنی چاہیئے حق کے معنے ہیں اپنی ملکیت کو آزادی کے ساتھ استعمال کی اجازت۔ اس استعمال میں مداخلت غیر سے نہیں ہونی چاہیے جب انسان سوسائٹی میں بحیثیت ممبر جماعت کے رہنے لگا تو ہر ایک کے حقوق بنا دیئے گئے جو اس جماعت کی تمدنی ترقی کے لحاظ سے ضروری ہے۔ جیسے جیسے سوسائٹی ترقی کرتی گئی انبیا ان حقوق میں ترمیم کرتے گئے۔ بغیر حقوق کے تحفظ کے نہ کوئی جماعت ترقی کر سکتی ہے نہ امن قائم رہ سکتا ہے۔ ان حقوق کو قائم رکھنا ہی امن کی زندگی دنیا میں ہے۔ آخری رسولؐ نے حقوق ہر فرد و بشر کے قائم کر دیئے اور ان اصولوں پر قائم رہ کر فروعات میں تغیر و تبدل زمانہ کی ضروریات کے مطابق کرنا جمہور مسلمانان کا کام ہے نہ کہ کسی خاص شخص کا۔

دنیا کی تاریخ میں مذہبی غیر رواداری ہم کو دو تین جگہ ملتی ہے

(۱)۔ ہندوستان میں برہمنی مذہب نے بودھ کے مذہب سے بہت نارواداری کا برتاؤ کیا اور اس مذہب کو جبراً ہندوستان سے نکالا۔ اس سے قبل تو وید میں زردشت

کو برا کہا گیا ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس اختلاف نے جو آریہ قوم کی دو شاخوں میں تھا کیا نتیجہ نکالا۔ ظاہرا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک شاخ آریہ قوم کی جو زردشت کو نہیں مانتی تھی وہ ہندوستان آگئی۔

(۲)۔ دوسری بڑی زبردست غیر رواداری مصر میں توت انخ امون کے وراس کے مرنے کے بعد ہوئی۔

(۳) مذہبی غیر رواداری یہودی مذہبی علماء نے برتی کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بقول یہودیوں کے انہوں نے قتل کر دیا۔

(۴) سب سے بڑی غیر رواداری عیسائیوں نے دنیا میں برتی جس وقت سے شہنشاہ روم قسطنطنیہ میں عیسائی ہو گیا اور مغربی رومی سلطنت معہ شہر روم کی عیسائی ہو گئی اس وقت سے عیسائیوں کی غیر رواداری کے حالات ان لوگوں کے ساتھ جو دوسرے مذہب والے تھے اور پھر خود ان عیسائیوں کے ساتھ جو پادریوں کے اقتدار کے خلاف تھے دنیا کی تاریخ میں نہایت شرمناک ہیں۔ آدمیوں کو معہ بوڑھوں بچوں عورتوں کے تہ تیغ کیا جاتا تھا اس عیسائی کو جو پادری کے اقتدار کے مخالف ہو زندہ آگ میں جھونک دیا جاتا تھا۔ جب خود عیسائی عیسائی کے خلاف یہ عمل کرتے تھے اور اپنی درندگی کا ثبوت دیتے تھے تو صلیبی لڑائیوں میں۔ اندلس میں اور ایشیا اور شمالی افریقہ میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اس پر زیادہ غور کی ضرورت نہیں رہتی ؎

نیش عقرب نہ از پئے کین است
مقتضائے طبیعتش این است

یہ اس مذہب والوں نے کیا جس کا سکھانے والا کہتا ہے کہ اگر تمہارے منہ پر کوئی تھپڑ مارے تو دوسرا گلا اس کے سامنے کردو۔

رومن کیتھولکس اور پروٹسٹنٹ اور دوسرے فرقوں کے جھگڑے اور غیر رواداری سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے۔

اس جہالت کی وجہ سے یورپ ترقی علوم میں نہ کر سکا حالانکہ اندلس کے مسلمانوں نے ان کو کافی علوم سکھا دیتے تھے۔ آخر کار پادریوں کے خلاف یورپ میں بغاوت شروع ہوئی اور ان کا اقتدار ختم ہونا شروع ہوا اور علوم نے ترقی شروع کر دی۔ اب پادری کی شکل ہی تبدیل ہو گئی اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ میں خلق کی خدمت کیواسطے ہوں اور یہی میری زندگی کا مشن ہے۔ بجائے رومن کیتھولک کے پادریوں کے سے لباس کے اس نے گٹھنا پہننا شروع کر دیا اور مثل دوسرے لوگوں کے رہتا ہے۔ لہذا اس کا اقتدار اس کی خدمت سے عیسائیوں کے دل میں ہو گیا ہے وہ اپنے مذہب کی اشاعت میں کامیابی حاصل کر رہا ہے۔

(۵) اسلام میں جہاں سبق دیا گیا تھا کہ لااکراہ فی الدین۔ وہاں ان لوگوں نے جو نومسلم تھے اور ان میں اسلامی رواداری جو رسول اللہ نے سکھائی تھی نہیں آئی تھی اپنی ناروادار ی دکھانی شروع کر دی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے زمانہ ہی میں خارجی فرقہ قائم ہو گیا اور خلیفہ سے مذہبی اختلاف کر کے لڑا اور نماز میں شہید کر دیا۔ اس وقت سے بہت فرقے اسلام میں پیدا ہو گئے اور ایک دوسرے کے خیالات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ عالم کم تھے جاہل زیادہ۔ جاہلوں کو مذہبی جوش دلا کر نا عاقبت اندیش علماء لڑانے لگے۔ لڑنے مرنے میں وہ ہوتے تھے

جو مذہبی اصولوں سے قطعی ناآشنا ہوتے لیکن کسی نہ کسی عالم کے طرف دار ہوتے تھے. جس طرح آج کل میونسپلٹی کے الکشن میں لوگ ایک کے طرف دار اور دوسرے کے مخالف ہوتے ہیں اور یہ قطعی نہیں جانتے کہ شہر کے لئے کس کی خدمات زیادہ مفید ہونگی۔ اسی طرح بغداد میں مختلف علماء کے طرف دار ایک دوسرے کو برا کہتے تھے اور یہاں تک نوبت آئی تھی کہ ایک دوسرے کو کافر کہتے تھے اور دنگا فساد ہوتا تھا۔

ایک زمانہ میں محض اس بات پر کہ آیا قرآن مخلوق ہے یا نہیں ہزارہا آدمی مارے گئے۔ معتزلہ اور امام احمد حنبل کے اختلاف کو تاریخ میں دیکھا جاتے حضرت امام ابو حنیفہ اور امام احمد حنبل دونوں نے جیل بھگتا جب رواداری کی یہ کیفیت تھی تو تصوف یا فلسفہ کیسے ترقی کر سکتا تھا۔ نہایت شرمناک برتاؤ منصور حلاج کے ساتھ ہوا اور بے قصور آدمی کو ایک طبقہ نے جس سے اس کو اختلاف تھا قتل کرا دیا۔ دنیا آج تک منصور کی طرف دار اور ان علماء کی مخالف ہے جنہوں نے اس کو قتل کرا کر یہودیوں کی سی غیر رواداری قائم کی۔ منصور کے قتل ہونے سے اس کے خیالات کی اشاعت زیادہ ہوئی۔

محی الدین ابن العربی کو اپنے خیالات کی وجہ سے جابجا جانا پڑا اور اپنے اعلےٰ خیالات کو مہمل زبان میں لکھنا پڑا کہ کہیں غیر رواداری کا شکار نہ ہو جائے۔ لیکن اب اپنے مرنے کے عرصہ بعد وہ مجدد اول مانا جاتا ہے۔

اسی طرح بو علی سینا کو جابجا جانا پڑا اور بالآخر اس کی کتابوں کو ان علماء نے جو جاہلوں سے بدتر تھے خاکستر کر دیا اور دنیا کو اس شخص کے خیالات سے

محروم کر دیا جو مسلمانوں میں ایک بے نظیر دماغ والا تھا مسلمانوں میں ۷۳ یا خدا معلوم کس قدر فرقے اس غیر رواداری کی وجہ سے پیدا ہو گئے لیکن علوم کو ضائع کر دینا نہ صرف اخلاقی جرم ہے بلکہ رسول اللہؐ کی ہدایت کے خلاف ہے۔ علم خواہ کسی قسم کا ہو اس کو ضرور سیکھنا چاہیئے خواہ اس کو کوئی مانے یا نہ مانے۔ باوجود علماء کی تلقین کے کس قدر مسلمان ہیں کہ وہ نجومی سے اپنی زندگی کا حال معلوم کرتے ہیں۔ ہاتھ دیکھنے والا ہاتھوں کی لکیروں سے زندگی کا حال بتاتا ہے اگرچہ یہ سب غلط اور لغو ہوتے ہیں لیکن مسلمان ان سے دریافت حال کرتے ہیں۔ ان علوم میں غلطی ضرور ہوتی ہے چونکہ نہ تو نجومی پورے سیاروں سے واقف نہ ہاتھ دیکھنے والا ہر لکیر کے اثر سے واقف اس لئے جو نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ غلط۔ بجائے اس کے کہ لوگوں کو یہ بتائیں کہ یہ علم نامکمل ہے اس پر اعتبار نہ کرو ہم مذہبی حکم پیش کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ اس کو بلا دلیل نہیں مانتے۔ ابھی کچھ عرصہ ہوا کراچی کے دو علماء نے محرم میں شربت کی سبیل کے خلاف ایک فتویٰ دے دیا اس پر دوسرے فریق کے بہت سے علماء نے ان کے خلاف فتوے دے کر ایک کتاب ان فتووں کی چھاپ دی۔ دوسرے فریق نے ایک کتاب میں اپنے مخالف فرقہ کے بڑے لوگوں کو برا لکھ دیا۔ یہ نارواداری اگر جاری رہی تو کراچی میں بغداد کی طرح فساد شروع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

مذہبی علوم کو سمجھنے اور مذہبی کتابوں کی ترجمانی کا حق سب کو حاصل ہے نبوت ختم ہو گئی لیکن قرآن کا مطلب سمجھنے کا حق ہر شخص کے واسطے قیامت تک کھلا ہے۔

ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنے علم کے نظریہ میں قرآن پاک کی آیات کے معنی سمجھے۔ بہت لوگ پہلے بھی جدا جدا مطلب سمجھتے رہے ہیں اور آئندہ سمجھتے رہیں گے۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے کو معنے سمجھنے کی اپنے خیال کے مطابق کوشش نہ کرنے دے نہ کسی کو یہ حق ہے کہ وہ کہے کہ جو میں کہتا ہوں وہی صحیح ہے اور جو دوسرے کہیں وہ بالکل غلط ہے اور اپنے خیالات کو جبراً منوائیے۔ قد تبین الرشد من الغی ۔ پر اکتفا کرنا چاہیے۔ اپنے اپنے خیالات لوگ پیش کر دیں چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔

انسان ایک بہت چھوٹی سی محدود ہستی ہے۔ محدود جسم۔ محدود عقل محدود علم محدود تجربہ ہے اس کے واسطے اس لامحدود ہستی کی بابت کچھ لکھنا جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی جس کو آنکھ دیکھ نہیں سکتی عقل سمجھ نہیں سکتی جس کی قوت لاانتہا ہے جس کا علم لامحدود ہے اس سے بھی زیادہ مشکل ہے جسقدر ایک بھنگے یا مکھی کے واسطے ایک بیمار انسان کے مرض کی تشخیص کرنا اور نسخہ لکھنا۔ تاہم انسان جو کچھ لکھتا ہے وہ انسانوں کے پڑھنے کے واسطے لکھتا ہے نہ کہ فرشتوں کے اور ہر انسان مثل دوسروں کے ہے سوائے ان کے جن کو اللہ تعالےٰ نے اپنا پیغمبر بنایا اور اس وجہ سے ان کو عقل اور علم دنیا کے آدمیوں سے زیادہ دیا۔

یہ کتاب میں نے اپنی کمزوریوں کے باوجود لکھنے کی ہمت چند وجوہات سے کی۔

اول۔ یہ ہے کہ موجودہ علوم پڑھنے کے بعد نوعمر طبقہ قرآن کے ان معنوں کو ماننے سے انکار کرتا ہے جو بعض علماء اب تک لیتے رہے ہیں اور کوئی دوسرے معنے

قرآن کی اہم آیات کے ان کے سامنے موجود نہیں اس لئے وہ معمولی لفظ کہہ کر ان دقیانوسی باتوں کا وقت گیا۔ قرآن پاک بغیر سوچے سمجھے پڑھ لیتے ہیں جس سے اسلام کا مقصد فوت ہوتا ہے اور مسلمان اسلام سے ناآشنا ہوتے جاتے ہیں اور آئندہ یہ کیفیت اور بڑھے گی۔

دوم۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ بہت سی مسلمان عورتیں بھی ایسے مسئلوں پر کہ آیا معراج جسمانی ہوا تھا یا روحانی۔ حضرت عیسےٰ مر گئے یا زندہ آسمان پہ گئے۔ کافی دلچسپی لیتی ہیں اور یہ ماننے کو تیار نہیں کہ معراج جسمانی تھا نہ حضرت عیسےٰ کے آسمان پر جانے کی قائل ہیں چونکہ وہ آسمان کو ایک حد نظر سے زیادہ ماننے کے واسطے تیار نہیں

سوم۔ یہ کہ غیر مذہب کے آدمی مسلمانوں کے خیالات پر معترض ہوتے ہیں حالانکہ یہ خیالات خود اسلام کے خلاف ہیں۔ لیکن غیر لوگ تو اسلام کو وہی سمجھتے ہیں جو عام مسلمانوں کے خیالات ہوتے ہیں۔ اس سے اشاعت اسلام کو سخت نقصان ہو رہا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ ہی کسی بات کو نہ مانے تو مسلمان علماء غیر مذاہب کے لوگوں کو وہ کس طرح منا سکتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام ہونے سے ہم اپنے غلط خیالات کی وجہ سے روکتے ہیں اور یہ خیالات آیات قرآن کے غلط سمجھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

اگر ایک مضمون پر جس قدر آیات ہوں ان کو یک جا جمع کیا جائے اور تب معنے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بہت آسانی ہوتی ہے۔ مسلمان کا کام یہ ہے کہ بغیر ان اثرات کے جو اس کے دل پر پہلے سے قائم ہیں اس بات کی کوشش

کرے کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالےٰ قرآن میں فرماتا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کہ عالم الغیب ہے وہ رسول اللہ کو پیغام کیا دے رہا ہے جس سے وہ لوگوں کو ہدایت کریں۔ اللہ تعالےٰ بد عقلی کی بات تو کہتا نہیں بلکہ برخلاف اسکے ہر بات عقلیہ دلائل سے بتاتا ہے لہذا عقل کا استعمال قرآن پاک کے سمجھنے میں ضروری ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سورۃ آل عمران آیت ۱۹۰ و ۱۹۱ - اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ o الَّذِیْنَ .... وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

بے شک سمجھ دار آدمیوں کے واسطے اور جو غور و فکر کریں ان کے لئے آسمانوں اور دنیا کی بناوٹ میں اور رات اور دن کے اختلاف میں بہت نشانیاں ہیں۔

نشانیوں سے مطلب ہے کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سمجھنے کے واسطے بہت مواد موجود ہے۔ اس آیت سے درحقیقت اللہ تعالےٰ ہر اس شخص کو جس میں عقل ہے اور غور و فکر کا مادہ اس میں ہے یہ حکم دیتا ہے کہ تم دنیا کی ساخت کو اور دنیا سے اوپر جو کچھ ہے اس کی ساخت کو سمجھو اور یہ بھی سمجھو کہ رات اور دن کیونکر پیدا ہوتے ہیں انکے سمجھنے سے تم کو اللہ تعالےٰ کی قدرت کا اندازہ ہوگا اور اپنے رب کو صحیح طرح سمجھو گے۔ اس حکم کی تعمیل ہر ذی علم انسان پر لازمی ہے چونکہ ہمارے مذہبی پیشوا نہ خود واقف نہ دوسروں کو تلقین کریں کہ وہ اس حکم الٰہی پر عمل درآمد کریں اس لئے تو عمر طبقہ بھی ہاتھ سے نکلا جاتا ہے اور اشاعت اسلام بھی بند ہے۔

اس لئے ضروری ہوا کہ قرآن میں اللہ کیا ہے سمجھایا جائے

یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ علماء کا فرقہ اس کو پڑھے۔ چونکہ ان کو علوم

جدیدہ کی تعلیم حاصل کرنا تو مشکل ہے اور ان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ پہلے تو انگریزی زبان اس قدر سیکھیں کہ ان کتابوں کو سمجھ سکیں جن میں یہ علوم ہیں چونکہ اردو اور عربی زبان میں نہ تو کتابیں ہیں نہ وہ آسانی سے ترجمہ کر سکتے ہیں۔ اسلئے ان خاص خاص باتوں کا تذکرہ اس کتاب میں کر دیا جو موجودہ معلومات سائنس کے ذریعہ ہوتے ہیں علماء کے طبقہ کو ان معلومات سے یہ فایدہ ہوگا کہ وہ جب کسی یونیورسٹی کے طالب علم سے مذہبی گفتگو کریں تو اس کو عقلیہ دلائل سے سمجھا سکیں جس سے اس کی تسکین ہو۔

اکثر سن رسیدہ اصحاب سے جو درحقیقت سچے مسلمان ہیں کراچی میں دوران گفتگو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کو ایک ظالم اور نا انصاف شخصیت سمجھتے تھے اور ان کا دل اس بات کا متلاشی تھا کہ ان کے دل سے شبہات نکل جائیں لیکن موجودہ فضا میں جہاں فروعات پر زور دیا جاتا ہے ان کے دل میں تشویش اور زیادہ ہو گئی "جب خدا ہی کے حکم سے سب کام ہوتے ہیں تو انسان کو کیوں ذمہ دار ٹھہرایا جائے اور سزا دی جائے۔ جب شیطان کو اللہ نے قیامت تک کی مہلت دی کہ وہ انسان کو بہکائے تو ساتھ ہی انسان کو ایسا بنانا تھا کہ وہ نا بہکے اور اگر ایسا نہیں بنایا تو اللہ کی ذمہ داری اپنی ہے کہ انسان کو کمزور بنائے اور شیطان کو بہکانے کی مہلت دے اور جب انسان بہکے تو اس کو دوزخ میں ڈالے۔ یہ کیسا منصف اللہ ہے"۔ ان خیالات میں ان سن رسیدہ اصحاب کو مبتلا پا کر ان کو سمجھایا گیا کہ اللہ کیا ہے اور انسان کیا ہے اور شیطان کیا ہے اور ہر ایک کی ذمہ داری کیا ہے۔ ایک صاحب بولے کہ اگر اسلام یہ ہے تو سچ ہے مگر لوگ بانگ تو یہ نہیں سمجھتے نہ ان کو سمجھایا گیا

یہاں تو بات بات پر جہنم دکھائی جاتی ہے۔ لیکن ان کو تشفی ہو گئی اور شکوک رفع ہوئے۔
یہ ضرور ہے کہ جاہل طبقہ کے لئے مذہبی اعتقاد پر قائم رہنے کے واسطے یہی کافی ہے کہ اس کو عقلیہ دلائل کی الجھن میں نہ ڈالا جائے۔ اور اگر اس کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ ایک آدمی کی طرح سونے کے تخت پر بیٹھا ہے اور وہاں سے حکومت کر رہا ہے اور اسکی وجہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا ہے۔ تو اس کے واسطے یہ کافی ہے۔ اس میں اگر ردو بدل کی گئی تو اس کا ایمان کمزور ہو جائے گا۔ لیکن ایک سمجھ دار اور تعلیم یافتہ شخص کی صورت جدا ہے اس کے سامنے اگر وہ باتیں کہی جائیں جن کو وہ لغو اور بے معنی سمجھتا ہے اور اس کو ان کے منوانے کی کوشش کی جائے تو وہ مذہب کو کمزور اور عقل کے خلاف سمجھنے لگتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ مذہب دنیا کی ترقی میں سب سے زیادہ حائل ہے اس کا نتیجہ لادینی ہوتا ہے۔ اور روس کی مثال اس کے سامنے آجاتی ہے۔

اس لئے یہ ضروری ہوا کہ مذہب کو اس طرح پیش کیا جائے جس کو موجودہ تعلیم یافتہ شخص بھی سمجھ سکے اور علماء کا طبقہ بھی اس سے مستفید ہو کر اپنے مشن کے کام میں مدد لیں۔

علماء کا فرقہ درحقیقت وہ فرقہ تھا جو اب وکلاء کا فرقہ ہے۔ ان کا کام قانون پڑھنا اور لوگوں کی جو غیر تعلیم یافتہ ہوتے تھے امداد کرنا اور ان کو قانون بتانا تھا۔ اب ایک عرصہ سے یہ کام وکلاء نے لے لیا۔ اب علماء کے پاس بہت تھوڑا حصہ قانون بتانے کا رہ گیا ہے جس پر بھی بہت کتابیں لکھی گئی ہیں لہذا اب علماء کو مشنری اسلام بننے کی ضرورت ہے نہ کہ قانون دان بننے کی۔ مشنری کے واسطے یہ ضروری ہے کہ اس میں انکسار ہو اور ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہو اور اس

سے بات اس طرح کرے کہ وہ سمجھ جائے نہ کہ وہ متنفر ہو۔ فروعات کو بالکل چھوڑ دیں اور اصلیت پر غور کریں۔ ایک مجمع تو مسلم راجپوتوں کا تھا اور ان کے ساتھ ہندو راجپوت مسلمان ہونے کو تیار تھے لیکن یہ بھی طے تھا کہ اگر آریہ سماج اور مولویوں کی گفتگو کے بعد ہندو راجپوت اسلام کو پسند نہ کریں تو مسلمان راجپوت بھی ہندو جائیں گے۔ آریہ سماج والوں نے کہا کہ اگر ہندو راجپوت مسلمان ہو گئے تو ختنہ کرانی ہوں گی۔ مسلمان علماء نے بھی کہا کہ ختنہ ضرور ہوں گی تاکہ مسلمان برادری میں شامل ہو۔ اس پر سب ہندو خاطر برداشتہ ہو گئے لیکن خواجہ حسن نظامی مرحوم نے معاملہ سنبھالا اور کہا کہ مطلب یہ ہے کہ جو لڑکے آئندہ پیدا ہوں گے یا اب چار سال سے کم ہیں ان کی ختنہ ہوں گی اور جو لوگ بڑے ہیں ان کی نہیں۔ اس سے سب ہندو مسلمان ہوئے۔ یہ مثال اس وجہ سے بتائی گئی ہے کہ اس قسم کی فروعات پر زور دے کر بعض لوگ دوسروں کو اسلام سے منحرف کر دیتے ہیں اور ان فروعات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ یہ کسی تاریخ سے ثابت کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسلمان ہوتے تھے ان کی ختنہ کی جاتی تھیں نہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں کوئی ایسی مثال ملتی ہے۔ اگر کسی ساٹھ یا ستر سال کے بوڑھے کو مسلمان کرتے وقت یہ جراحی عمل کیا جائے تو کس قدر غلط ہے۔ اسی طرح کم تعلیم یافتہ طبقہ علماء کا جنہوں نے پوری طرح علم حاصل نہیں کیا وہ فروعات اور رسوم کو اسلام کا اہم مسئلہ سمجھتے ہیں اور یہ غلط ہے چونکہ اس سے بجائے اشاعت اسلام ہونے کے نقصان ہے۔

رسول اللہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا یٰعلی ۔لان یھدی اللہ بھداک

رجلاً خیر لک مما طلعت علیہ الشمس

اے علی اگر تمہاری ہدایت کی وجہ سے اللہ ایک آدمی کو بھی اپنے راستہ پر قبول کرے تو تمہارا یہ کام اس حصہ کائنات سے زیادہ قیمتی ہے جس پر سورج چمکتا ہے

لہذا ہر فرقہ کو اسلام کی طرف لانا ضروری ہے اور میں نے یہ کتاب اس نیت سے لکھی ہے کہ اس کو پڑھ کر تعلیم یافتہ طبقہ اسلام سمجھے گا اور اس سے منحرف نہ ہوگا۔

اس کا دعوےٰ میں نہیں کر سکتا کہ جن خیالات کا میں نے اظہار کیا ہے وہی صحیح ہیں اور سب غلط ۔ممکن ہے کہ یہ خیال غلط ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ جو علوم انسان کو حاصل ہوں گے ان کی روشنی میں یہ خیالات بھی دقیانوسی کہلائیں ۔ایک زمانہ تھا کہ سر سید احمد خاں کے خیالات کی مذمت اس طبقہ نے کی جو اس وقت دقیانوسی سمجھا جاتا تھا ۔لیکن آج کل یونیورسٹی کے طلباء سر سید احمد خاں کو بھی دقیانوسی سمجھتے ہیں ۔مجھ کو یہ یقین ہے کہ موجودہ تعلیم یافتہ طبقہ ۔مجھ سے اتفاق کریگا اگرچہ میرا علم سائنس کا بہت پرانا ہو گیا ہے اور جدید معلومات اس سے بہت آگے ہیں جن کا ذکر میں نے کیا ہے ۔لیکن میں نے یہ کتاب سائنس کی نہیں لکھی بلکہ اللہ تعالےٰ کو اور تصوف کو سائنٹیفک طریقہ سے ثابت کیا ہے جس میں دلائل صرف سائنس کے اصول پر ہیں تاکہ سمجھدار طبقہ اللہ کو سمجھ سکے اور اس پر ایمان رکھے اور متزلزل نہ ہو ۔اصلیت سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا ۔انسان صرف اپنے اپنے

خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ بہت لوگ اس میں یا تو مایوس ہو گئے یا جس وقت اس معاملہ پر غور کرنے بیٹھے کہ اللہ کیا ہے تو بہک گئے اور ان کے خیالات منتشر ہونے لگے اس لئے کوشش کو چھوڑ دیا اور کہنے لگے ؎

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار

حافظ شیرازی نے کہہ دیا

حدیث مطرب دمے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمہ را

باوجود اس کے بھی لوگ باگ اس معمہ پر لکھتے رہے ہیں اس لئے یہ مختصر کتاب ہے۔

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ آج یوم شنبہ بتاریخ ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۶ جون ۱۹۵۶ء بمقام یامین مینشنس، ناظم آباد۔ کراچی یہ جلد فلسفہ قرآن و تصوف بنظر علوم جدیدہ ختم ہوئی۔

خاکسار خادم قوم محمد یامین خاں

فلسفۂ قرآن و تصوّف

بنظرِ علومِ جدیدہ

فلسفہ سے کیا مطلب ہے

فلسفہ سے مطلب ہے کہ کسی چیز کی اصلیت کا علم حاصل کیا جائے۔ چونکہ زیادہ تر اس بارہ میں جو تحقیق ہوتی ہے وہ اللہ تعالےٰ کی ذات کے بابت ہے یا یوں کہا جائے کہ اس اصلیت کو معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس نے کل کائنات کو پیدا کیا۔ اس زمرہ میں بعض لوگ بجائے پیدا کرنے والے کو سمجھنے کے مبدا کو معلوم کرنے لگے یعنی جس سے ابتدا شروع ہوئی اور بعد ازاں نیچر کو یعنی ان قوتوں کو جو کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں کائنات کا بنانے والا سمجھنے لگے۔ تصوف نے پیدا کرنے والے کی ذات کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی اور جو کچھ فلسفہ پر یا تصوف پر لکھا گیا ہے وہ سب خیالی استدلال پر مبنی ہے۔ بعض فلسفے کمزور استدلال پر قائم ہیں اس لئے ان سے انسان کے دل کو تشفی نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں ایسی آیات بھی ہیں جو ذات باری کو بتاتی ہیں اور ایسی آیات تو بہت ہیں جو صفات

کو بتاتی ہیں۔ عوام الناس کے واسطے صفات کو سمجھ لینا ہی کافی ہے لیکن جویاں حق کو صرف ایک نامعلوم ہستی کی صفات معلوم کر لینے سے دلی تشفی نہیں ہوتی اس کا دل ہر وقت اس ہستی کو معلوم کرنے کا جویاں رہتا ہے۔ سائنس اس علم کو کہتے ہیں جو مشاہدات اور تجربات کی بنا پر ہوتا ہے

فلسفہ قرآن میں سائنس کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا

چونکہ قرآن پاک کی تعلیم نظام قدرت کے مطابق ہے اور اس میں بار بار نظام قدرت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اس سے اس کائنات کو بنانے والے کی ذات اور طاقت اور علم کو سمجھایا گیا ہے اور نظام قدرت کو سمجھنے اور اسکو معلوم کرنے کا کام سائنس کا ہے لہذا قرآن کا فلسفہ سمجھنے میں سائنس کو نظرانداز کر کے محض استدلال سے کام نہیں لیا جا سکتا۔

صرف اللہ تعالے اصل ہے

قرآن پاک کے لحاظ سے صرف اللہ تعالے کی ذات حق یعنی اصل ہے باقی سب عارضی ہے جس طرح پانی اصلیت ہوتا ہے اور بلبلہ ایک عارضی۔ اللہ تعالے خود اپنی بابت قرآن پاک میں فرماتا ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ یعنی شروع میں صرف وہی تھا اور کچھ نہ تھا اور آخر میں بھی صرف وہی رہ جائے گا اور کچھ نہ رہے گا اور ظاہر بھی وہی ہے اور باطن بھی وہی ہے اور اس کو ہر شے کا پورا علم ہے۔

ان جملوں سے کہ شروع میں صرف وہی تھا اور آخر میں بھی صرف وہی رہ جائے گا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کائنات کہاں سے آگئی اور کہاں چلی جائے گی۔ آیا یہ سب چیزیں اس سے باہر ہیں یا اسی میں سے پیدا ہوئی ہیں۔ اگر اس سے باہر ہیں تو وہ لامحدود کیسے ہو سکتا ہے اس صورت میں نہ لامحدود ہو سکتا ہے نہ لامکان۔ اور اگر لامحدود اور لامکان ہے اور یہ سب کچھ جو کائنات میں ہے اسی کا جزو ہے تو پھر آخر میں جب وہ تنہا رہ جائے گا اس وقت یہ سب کائنات کہاں چلی جائے گی۔ دوسرا یہ سوال ہوتا ہے کہ وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اس سے کیا مطلب ظاہر کس طرح سے ہے اور باطن کس طرح۔ تیسرا یہ کہ اس کو ہر شے کا پورا علم ہے۔ یہ کس طرح سے اس کو علم ہے

ایک کم علم اور کم عقل والے کو آسانی سے اس کے اعتقاد کے موافق جواب دیکر سمجھایا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ پانچ باتیں اللہ تعالےٰ نے اپنے واسطے خود فرمائی ہیں اس لئے ان پر غور کی ضرورت ہے اور ان کو محض روا روی میں نہ سمجھا جاسکتا ہے نہ سمجھایا جاسکتا ہے۔ قرآنی فلسفہ کی بنیاد ان ہی پانچ الفاظ پر ہے۔ ان الفاظ کی تشریح قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ سے اور اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے ہوتی ہے اللہ تعالےٰ کے واسطے قرآن پاک میں لفظ "ھو" استعمال ہوا ہے یعنی "وہ" چونکہ وہ نہ آدمی ہے نہ شے اس لئے اس کا تخیل لفظ "ھو" سے کرایا گیا ہے۔ جب آپ کہیں گے "وہ" یہ حکم دیتا ہے۔ "وہ" زندہ قیوم ہے۔ "وہ" اللہ ہے اور کوئی اللہ نہیں تو اس لفظ "وہ" سے اللہ کا تخیل

ہوتا ہے جس کے کوئی نہ صورت نہ جسم نہ شکل ہے اور چونکہ وہ آپ جیسا یکتا ہے اس لئے اس کی مثال کسی سے نہیں دی جاسکتی صرف ہر شخص اپنے اپنے خیالات کے مطابق اس کا تخیل اور تصور کر لیتا ہے۔

اللہ کو سمجھنے سے پیشتر انسان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اور کائنات کو سمجھے

لیکن پیشتر اس کے کہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ ہمارا اور تمام کائنات کا پیدا کرنے والا۔ قائم رکھنے والا۔ مارنے والا اور پھر زندہ کرنے والا کون ہے ہم کو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہم خود کیا ہیں۔ بغیر اپنے آپ کو سمجھے ہم اپنے پیدا کرنے والے کو کس طرح سمجھ سکتے ہیں جب تک ہم یہ نہ جانیں کہ ہم کہاں سے آتے اور کہاں جائیں گے یہ کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ پیدا کرنے والا اور مارنے والا ایک ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ پیشتر اس کے کہ ہم اپنے آپ کو سمجھ سکیں ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم کائنات کو سمجھیں جس میں ہم رہتے ہیں اور جس کا ہم ایک بہت چھوٹا سا جزو ہیں۔

جب ہم کائنات کی ساخت کو اور ان اصولوں کو سمجھ جائیں گے جن اصولوں پر یہ کائنات قائم ہے تب ہی ہم اپنی ساخت کو سمجھ سکیں گے۔ اور جب ان دونوں کے سمجھنے کی قابلیت آجائے گی تب ہی ہم اپنے خالق کے سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہیں بغیر ان دونوں کے سمجھے خالق کی جستجو بے کار ہے۔ حدیث شریف میں بھی یہ ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ جس نے اپنے آپ کو سمجھا اس نے اپنے رب کو سمجھا۔

کائنات کی دو قسمیں ظاہر اور باطن

کائنات میں دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ظاہر ہیں اور ہم ان کو دیکھ سکتے ہیں یا محسوس کر سکتے ہیں مثلاً۔ دنیا۔ سورج۔ چاند۔ ستارے۔ سیارے۔ نیبولا۔ شہاب ثاقب وغیرہ سب ہم کو آنکھ سے بلا امداد کے یا بذریعہ دوربین نظر آتے ہیں۔ دوسری مثال ہوا کی ہے جو محسوس ہوتی ہے اگرچہ نظر نہیں آتی۔ اس قسم کی چیزیں بھی ظاہر کے زمرہ میں ہیں۔ لیکن کچھ مخلوق (یعنی اللہ کی پیدا کردہ اشیاء) ایسی ہے جو نہ ہم کو نظر آتی ہے۔ نہ محسوس ہوتی ہے وہ پوشیدہ یا باطن کہلاتی ہے ان باطن اشیاء۔ یا قوتوں میں سے بعض ایسی قوتیں ہیں جن کے فعل کو ہم یا تو دیکھ سکتے ہیں یا محسوس کرتے ہیں جیسے بجلی کی قوت۔ مقناطیسی قوت وغیرہ اور بعض ایسی قوتیں ہیں جن کے افعال کو ہم ابھی تک نہیں دیکھ سکے نہ سمجھ سکے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مخلوق ایسی ہے جس کی ساخت آگ سے یعنی حدت سے کی گئی ہے۔ اس پر تفصیلی بحث آئندہ کی جائے گی۔

کائنات کو سمجھنے کے لئے جدا جدا قسم کی مخلوق کو جدا جدا سمجھنا ضروری ہے

ظاہرا کائنات

سب سے اوّل ہم اس حصہ کائنات کو لیتے ہیں جو ہم کو نظر آتا یا محسوس ہوتا ہے اور اسی زمرہ میں کچھ خیالات کا اظہار پوشیدہ حصہ پر بھی ہو جائے گا۔ اس کے سمجھنے میں ہم کو سائنس سے بیحد مدد ملی ہے۔

سائنس کی مختصر تاریخ

سب سے پہلے علم سائنس کو یونانیوں کے بعد مسلمانوں نے سیکھا اور اس کے ہر شعبہ میں ایجادات کیں۔ ہسپانیہ اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں نے کافی ترقی کی۔ علم کیمیا کے موجد تو مسلمان ہی تھے اور اس کو الکیمیا کہتے تھے جس سے الکیمی اور انگریزی کیمسٹری الفاظ نکلے۔ علم فلکیات میں بھی کافی ترقی کی تھی اس قسم کے آلہ جات بنائے تھے جن سے ان راستوں کی ٹھیک ٹھیک پیمائش کر لی تھی جن پر چلتے ہوئے سورج چاند اور سیارگاں معلوم ہوتے ہیں اور ہر برج کے اس ستارہ کو معلوم کر لیا تھا جس کے پاس ہو کر سیارہ گزرتا ہے۔ کرہ کی شکل کا ایک آلہ بنایا تھا جو ہر طرف گھوم سکتا تھا اور اس سے ہر سیارہ کی رفتار کا اندازہ کر سکتے تھے۔ عرب لوگ چونکہ قدیم زمانہ سے راتوں کو سفر کرتے تھے اس لئے ان کو ستاروں کے گچھوں کی خوب پہچان تھی جن میں بارہ برج بھی شامل تھے اور ان کی امداد سے وہ اپنا راستہ بھی معلوم کرتے تھے اور رات کا وقت بھی معلوم کر لیتے تھے قرآن پاک میں اس لئے ستاروں اور سیاروں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے مسلمانوں نے ہی قطب نما کو ایجاد کیا اور اس کی مدد سے عربستان سے چین تک کا سفر کشتیوں اور جہازوں میں کیا کرتے تھے۔ سمندری ہواؤں کے حالات سے اور ان کی رفتار اور سمت رفتار سے بھی بخوبی واقف تھے۔ علم ہندسہ جغرافیہ اقلیدس الجبرا وغیرہ میں بھی ترقی کی تھی۔ ان علوم کی تفصیل کی ضرورت نہیں جن کو مسلمانوں نے حاصل کر کے تمام دنیا کی قیادت کی تھی۔ عین اس وقت جب کہ مسلمان

سائنس میں ترقی کر رہے تھے منگولین قوم نے شہر بغداد کو تباہ کر دیا اور بغداد کے بڑے کتب خانہ کی کتابوں کو دریائے دجلہ میں پھینک دیا۔ مصر کے قدیم کتب خانہ کو عیسائیوں نے اس وقت تباہ کر دیا تھا جب مسلمانوں نے مصر فتح کیا تھا لیکن مسلمانوں نے دنیا بھر سے کتابیں جمع کریں اور علوم کو ترقی دے کر تمام دنیا میں علم کی روشنی پھیلائی۔ ہسپانیہ کے ایک خلیفہ نے تقریباً تین لاکھ کتابیں جمع کر کے ان پر خود حاشیہ لکھا تھا۔ تمام یورپ سے طالب علم قرطبہ کی یونیورسٹی میں علوم حاصل کرنے آتے تھے اس تمام ذخیرہ کو عیسائیوں نے اپنی فتح غرناطہ کے بعد تباہ کر دیا۔

اس کے بعد سے مسلمانوں میں زوال شروع ہو گیا اور تمام ترقی بند ہو گئی۔ عیسائی پادری چونکہ سائنس کے دشمن تھے اس لئے انہوں نے جہاں مسلمانوں پر ظلم کئے تھے وہاں ان عیسائیوں کو بھی نہ بخشا جو سائنس کی طرف راغب ہوئے یا کسی ایجاد کو کرنا چاہا۔ فلسفہ کے سخت مخالف تھے اور علم فلکیات کا معلوم کرنا تو عیسائیت سے انحراف کرنا سمجھا جاتا تھا۔ فیثا غورس نے یونان کی ترقی کے زمانہ میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ دنیا سورج کے گرد گھومتی ہے لیکن ٹولمی (بطالمیس) نے خود دوسری صدی عیسوی میں بتایا یہ ثابت کرنا چاہا کہ دنیا مرکز ہے اور سورج چاند ستارے سیارے سب اس کے گرد گھومتے ہیں۔ عیسائیوں کو ٹولمی کی رائے پسند تھی چونکہ اس سے دنیا کی وقعت بڑھتی تھی جس میں اللہ تعالے کا بیٹا عیسے مسیح اتر کر آیا اور پھر یہاں سے کہکشاں کے راستہ سے آسمان پر اللہ کے نزدیک داہنے ہاتھ پر تخت پر جا بیٹھا۔ اگر دنیا کو ایک حقیر چیز مان لیا جاتا تو اللہ کے بیٹے کی وقعت کم ہو جاتی۔ اسی لئے پادری اس کے لئے تیار نہیں تھے کہ کوئی شخص

ایسا علم سیکھے یا سکھائے جس میں یہ تعلیم ہو کہ دنیا سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے۔ حالانکہ دنیا کی وقعت ہمارے اس عالم میں جو نظر آتا ہے اس قدر بھی نہیں جتنی ریت کے ذرہ کی دنیا میں ہے اور کائنات میں تو جرم کی برابر بھی نہیں مسلمانوں میں بھی علوم کی کمی ہو گئی اور ان کا معیار تعلیم قرآن پاک کو بے سمجھے پڑھ لینا اور کچھ فارسی زبان کی کتابیں پڑھنا اور خوش خط لکھنا رہ گیا جنہوں نے زیادہ تعلیم حاصل کی انہوں نے تھوڑی سی عربی زبان سیکھی اور کچھ کتابیں حدیثوں کی پڑھیں اور کچھ فقہ پڑھی بعض لوگ منطق اور یونانی فلسفہ بھی پڑھ لیتے تھے صحاح ستہ اگر کسی نے سب پڑھ لیا تو وہ محدث اور بڑا عالم سمجھا جاتا تھا۔ تعلیم کے معیار کے گرنے سے مسلمانوں کی ترقی جاتی رہی اور پادریوں کی طرح مسلمان علماء نے بھی فلسفہ اور سائنس کی سخت مخالفت کرنی شروع کر دی۔ ہر نئے علم کو بدعت کے لفظ سے پکارنے لگے اور رسول اللہ ؐ کے ان احکامات کے خلاف تلقین کرنے لگے جو انہوں نے علم کے حصول کے واسطے اپنی اُمت کو دیتے تھے اور فرمایا تھا کہ علم حاصل کرنے چین بھی جانا ہو تو جاؤ۔ یعنی دنیا کے کسی کونہ پر جانا ہو وہاں جاؤ۔ اس کی بابت آئندہ تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا جائے گا۔ سب سے پہلا شخص عیسائی دنیا میں جس نے ہمت کی وہ کاپرنیکس تھا جو جرمنی کا رہنے والا تھا اس نے ۱۵۳۰ء میں ایک مختصر مضمون شائع کیا اور چونکہ وہ پادریوں کی زد سے بچا رہا ورنہ تو ایسے آدمی کو زندہ آگ میں جھونک دیا جاتا تھا اس نے دوبارہ ۱۵۴۳ء میں بڑا مضمون شائع کیا جس میں یہ ثابت کیا کہ دنیا سورج کے گرد گھومتی ہے نہ کہ سورج دنیا کے گرد۔ مسلمان صوفیا کا تو یہ خیال بہت

پہلے سے ہی تھا اور وہ دنیا کو گول جانتے تھے۔ کاپرنیکس کے بعد اور لوگوں نے اس اصول کو معلوم کر کے سیاروں کی چالیں معلوم کرنی چاہیئیں اور یورپ میں علم کو ترقی ہونے لگی۔ سن ۱۶۰۹ء میں گیلیلو نے ایک دوربین ایجاد کی جس کے ذریعہ وہ دور دراز کی اشیاء نظر آنے لگیں جو آنکھ سے معمولی طرح نظر نہیں آتی تھیں۔ بغیر اس تفصیل میں گئے کہ دوربین میں کیوں کر اضافہ ہوتا گیا۔ صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ کہکشاں جو کہ روشنی کا ایک دل سا معلوم ہوتا ہے اس کے ستارے جدا جدا معلوم ہونے لگے اور معلوم ہو گیا کہ یہ آسمان پر جانے کا راستہ نہیں ہے بلکہ کروڑہا ستارے جو کہ فاصلہ پر ہیں ان کی روشنی مجموعی نظر آتی ہے۔ اڑتالیس انچ قطر کی دوربین بنی پھر ایک سو انچ قطر کی بنی اور اب کیلی فورنیہ میں دو سو انچ قطر کی دوربین بنی ہے۔ ان دوربینوں سے معلوم ہوا کہ ایک عالم تو یہ ہے جو کہکشاں کے ستاروں کے دائرہ کے درمیان ہے اور کہکشاں اس عالم کا بیرونی دائرہ ہے اور یہ عالم اس قدر بڑا ہے کہ اس کے ایک سرے سے دوسرے تک روشنی تقریباً دو لاکھ سال میں پہنچتی ہے جب کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار (۱۸۶ ہزار) میل فی سکنڈ ہے۔ اس حساب کو اعداد میں نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ سارا عالم ایک طرف سے دوسری طرف کو گھوم رہا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایسے ایسے لاتعداد عالم موجود ہیں جو ہم کو آنکھ سے صرف ایک ٹمٹماتا ستارہ معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ اس قدر فاصلہ پر ہیں کہ ان میں سے بعض کی روشنی ہم تک بلیس کروڑ سال میں اسی رفتار سے جو اوپر بیان ہوئی پہنچتی ہے۔ یہ بھی مشاہدہ ہوا کہ سب ایک ہی طرح گھوم رہے ہیں۔ ہماری دنیا سورج کے گرد گھومتی ہے اور اس کی رفتار

اٹھارہ میل فی سکنڈ ہے۔ سورج معہ اپنے سیاروں کے ایسے بڑے ستارہ کے چاروں طرف گھوم رہا ہے جو اس کا مرکز ہے۔ یہ بھی اب سائنس سے معلوم ہوا کہ پہلے سب ایک بہت بڑا روشنی کا بادل سا تھا جس کو نیبولا کہتے ہیں اور اس کے گھومنے سے اس کے ٹکڑے ہوئے اور پھر ہر ٹکڑے میں سے ستارے بنے اور ستاروں میں سے سیارے بنے۔ اسی طرح ہمارے سورج میں سے نو سیارے جو بڑے ہیں اور بہت سے چھوٹے چھوٹے بنے۔ یہ علم ہم کو سائنس کے ذریعہ دو سو سال کے اندر اندر حاصل ہوا ہے۔

قرآن پاک میں سائنس کی نئی معلومات

لیکن اللہ تعالے نے یہ سبق ایک اُمی کی زبان سے پونے چودہ سو سال قبل سکھا دیا تھا۔ سورہ انبیاء۔ آیت ۳۰۔ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ کیا ان لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے یہ معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین یہ سب پہلے ایک گول ڈھیر تھا اور ہم نے ان کو جدا جدا کیا۔ اور تمام جان دار چیزیں ہم نے پانی سے پیدا کیں۔ کیا اس پر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ اس آیت سے یہ ثابت ہے کہ یہ خداوندی کلام ہے چونکہ اس میں سائنس کی وہ تحقیقات موجود ہیں جو ڈیڑھ سو سال اب سے قبل کوئی نہیں جانتا تھا یعنی جو کچھ آسمانوں میں یعنی دنیا سے اوپر جو کچھ چاروں طرف ہے وہ اور دنیا سب ایک ہی نیبولا تھا اور پھر

اس نیبولا یعنی غیر منجمد مادہ نے جو گیس سے بھی زیادہ رقیق بشکل روشنی تھا چکر لگانا شروع کیا اور اس چکر سے اس کے کروڑں ٹکڑے ہو گئے اور وہ بھی اسی طرح چکر لگاتے رہے۔ پھر ان کے ٹکڑے ہوئے اور ان ٹکڑوں میں سے ٹکڑے ہو کر ستارے بنے اور سب اس طرح گردش کرتے ہوئے ہمارے سورج میں سے سیارے بنے جو اسی طرح گردش کر رہے ہیں جس طرح سورج۔ سب سے قریب سورج کے سیارہ عطارد ہے۔ پھر زہرہ پھر دنیا پھر مریخ پھر بہت چھوٹے چھوٹے سیارے جن کو اسٹرائڈ کہتے ہیں پھر مشتری۔ پھر زحل۔ پھر یورنیس uranus پھر نیپ ٹیوں neptune۔ پھر پلوٹو pluto۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اب سے پدمہا سال قبل ایک بہت بڑا ستارہ فضا میں چکر لگاتا ہوا سورج سے پدمہا میل کے فاصلہ پر گذرا اور اسکی قوت کشش سے سورج کا مادہ بہت دور تک اسکی جانب کھنچ گیا۔ وہ ستارہ تو تیز رفتار سے دور نکل گیا لیکن سورج کا مادہ جو بشکل سگار دور تک کھنچا تھا وہ سورج کے ساتھ چکر لگاتا رہا چونکہ یہ سورج کی حدت سے بہت دور ہو گیا تھا اسلئے یہ منجمد ہونا شروع ہو گیا۔ بالآخر اُسنے منجمد ہو کر ان سیاروں کی شکل اختیار کر لی اور یہ سب اسی طرح چکر لگا رہے ہیں جسطرف سے سورج چکر لگاتا ہے۔ اس آیت میں بھی یہ موجود ہے کہ پہلے یہ سب ایک تھا اور ہم نے جدا جدا کیا۔ دوسری تحقیق یہ ہے کہ جان پہلے پانی سے پیدا ہوئی اور تمام جاندار اشیاء شروع میں پانی کے اندر پیدا ہوئیں اور وہاں سے زمین پر آئیں

آسمان سے قرآن پاک میں کیا مطلب ہے

اس جگہ یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ آسمان سے مطلب کلام پاک میں دنیا سے

اوپر جو کچھ ہے وہ ہے نہ کہ اس نیلی چھتری سے جو ہم کو نیلی نیلی نظر آتی ہے۔ قرآن پاک کی آیت ہے سورۃ الحجر۔ آیت ۲۲۔ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً۔ پھر آسمان سے مینہ برساتا ہے۔ آج کل ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ مینہ بادلوں سے برستا ہے جو کہ تقریباً ایک ہزار گز بلندی پر ہوتے ہیں اور اگر پہاڑ پر آدمی ہو تو وہاں بادل اس سے نیچے ہوتے ہیں اکثر پہاڑ پر بادل نیچے سے آکر چلنے والے آدمیوں کو گھیر لیتے ہیں اور جب تک وہ اوپر نہ ہو جائیں اس وقت تک پانی نہیں برستا۔ ایروپلین بادلوں سے اوپر اڑتا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ آسمان سے مراد دنیا سے اوپر بلندی سے ہے نہ کہ اس نیلی چھتری سے اس سورۃ کی آیت ۱۶ میں ہے وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ۔

ہم نے آسمان پر برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے آسمان کو خوشنما بنایا۔ برج صرف ستاروں کے گچھے کو کہتے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے بہت بلندی پر ہیں۔

پہلے زمانہ میں ۱۔ عطارد ۲۔ زہرہ ۳۔ مریخ ۴۔ مشتری ۵۔ زحل صرف پانچ سیاروں کو لوگ جانتے تھے۔ یورینس۔ uranus۔ نیپ ٹیون neptune۔ پلوٹو pluto۔ جو آنکھ سے بغیر دوربین نظر نہیں آتے ان کو نجومی نہیں جانتے تھے پلوٹو کو تو ۱۹۳۰ء کے بعد معلوم کیا گیا ہے۔ لیکن چاند کو بھی سیارہ خیال کیا جاتا تھا۔ حالانکہ چاند دنیا کا ٹکڑا ہے اور دنیا کے ساتھ سورج کے چاروں طرف گردش کرتا ہے لیکن خود بھی دنیا کے چاروں طرف گھومتا ہوا ساتھ رہتا ہے جب ہم دنیا پر کھڑے ہیں تو سورج بھی ہم کو چلتا نظر آتا ہے جس طرح ہم جب ریل

ہیں جاتے ہیں تو ہم کو درخت چلتے معلوم ہوتے ہیں حالانکہ درخت نہیں چلتے بلکہ خود ہم معہ ریل کے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح ہم کو سورج۔ چاند۔ عطارد۔ زہرہ۔ مریخ۔ مشتری۔ زحل سات آسمانی کرہ جات چلتے معلوم ہوتے ہیں اور ان ساتوں کے چلنے کا راستہ جدا ہے۔ اگرچہ یہ سب آسمانی بارہ برجوں میں ہوکر گزرتے معلوم ہوتے ہیں لیکن ہر ایک کی چال دوسرے سے تھوڑی علیحدہ ہے اس لئے سورۃ المومنون آیت ۱۷ میں ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ۔ اور ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے اور ہم اپنی پیدا کردہ چیزوں سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ سات راستے اوپر تو یہی سات راستے ہیں جن کا ذکر ہوا لیکن ساتھ میں اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ ہم اپنی مخلوق سے کبھی غافل نہیں ہوتے یعنی ہر وقت مستعد ہیں اور اپنی مخلوق میں سے ہر ایک کو نظر میں رکھتے ہیں اور اس سے وہی کام لیتے ہیں جو اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ اس لئے یہ سب سیارے اور سورج اور چاند ہمیشہ انہی راستوں پر چلتے معلوم ہوتے ہیں جو ان کے واسطے مقرر ہیں اگر یہ ہٹ جائیں تو ممکن ہے کہ آپس میں لڑ جائیں۔ سورۃ یٰسین۔ آیت ۴۰۔ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ سورج کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ چاند کو پکڑ سکے۔ نہ رات دن سے آگے نکل کر جا سکتی ہے۔ ہر ایک آسمان میں اپنے اپنے گول محور پر گھومتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک میں اس قدر فاصلہ رکھا ہے کہ ان کے گھومنے کے دائرے ایک دوسرے سے بہت دور

ہیں اور اس وجہ سے وہ ایک دوسرے سے باوجود کشش کے دور رہتے ہیں۔ فاصلہ کا اندازہ اس سے ہو جائے گا کہ دنیا سے ہر ایک کا فاصلہ دیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہر ایک کے فاصلہ کا دوسرے سے کیا جا سکتا ہے۔

دنیا سے فاصلہ تقریباً

چاند	۲،۳۸،۸۵۷ میل
سورج	۹،۲۸،۷۰،۰۰۰ میل
عطارد	۴،۷۰،۰۰،۰۰۰ میل
زہرہ	۲،۶۰،۰۰،۰۰۰ میل
مریخ	۳،۵۰،۰۰،۰۰۰ میل
مشتری	۳۸،۷۰،۰۰،۰۰۰ میل
زحل	۷۹،۳۰،۰۰،۰۰۰ میل

عیسائی اور یورپ اس سے قطعی ناواقف تھے کہ سورج اپنے محور اور مستقر پر گھومتا ہے۔ لیکن کلام مجید میں سورۃ یٰسین، آیت ۳۸۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ؕ اور سورج اپنے مستقر پر اسی طرح گھومتا ہے جو اس کے واسطے بڑے طاقت والے اور ہر بات جاننے والے نے بنا دیا ہے۔ اب ہمکو معلوم ہوا ہے سورج اپنے محور پر ۲۶ دن میں اس طرح گھومتا ہے جیسے دنیا ۲۴ گھنٹوں میں مثل لٹو کے سورج کے سامنے گھومتی ہے اور جیسے دنیا سورج کے چاروں طرف ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے ۴۷ منٹ میں گھومتی ہے جو ایک سال ہوتا ہے اس طرح سورج کسی بہت

بڑے نامعلوم مرکزی ستارہ کے گرد گھوم رہا ہے وہ پچیس کروڑ سال میں ایک چکر لگاتا ہے دنیا سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے تو اس کی رفتار ۱۸ میل فی سکنڈ ہوتی ہے اور چاند دنیا کے ساتھ ساتھ نتھی رہتا ہے، اس طرح تمام سیاروں سمیت سورج اپنے راستہ پر ۲۰۰ میل فی سکنڈ کی رفتار سے گھومتا ہے اور ایک ستارہ ویگا کی جانب ۷۰۰ میل یومیہ اڑا جا رہا ہے جس طرح اپنی دنیا کی اس گردش کو جو سورج کے سامنے ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی حساب سے کرتی ہے جس سے دن اور رات پیدا ہوتے ہیں اور اس رفتار کو سورج کے چاروں طرف چکر لگاتی ہے جس سے سال کے موسم بنتے ہیں ہم محسوس نہیں کرتے چونکہ ہم صرف ۶ فٹ اونچے ہوتے ہیں اور ہماری دنیا کا دائرہ ۲۴ ہزار میل ہے اس لئے ہم ایک بہت چھوٹی سی چیز دنیا پر ہیں اسی طرح ہم دنیا کی ان گردشوں کو بھی محسوس نہیں کرتے جو وہ سورج کے ساتھ ساتھ کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ بڑا مرکزی ستارہ جس کے گرد سورج معہ اپنے سیارگاں کے گھوم رہا ہے وہ بھی اس طرح بہت سے سورجوں اور ان کے لوازمات سمیت کسی اور بڑی طاقت ور شے کے گرد گھومتی ہو اور علیٰ ہذا القیاس۔ یہ سب کرہ جات ایک دوسرے کے ساتھ قوت کشش کی وجہ سے نتھی ہیں جس کو ہم آئندہ مفصلاً بیان کریں گے۔

ہمارا عالم جو نظر آتا ہے

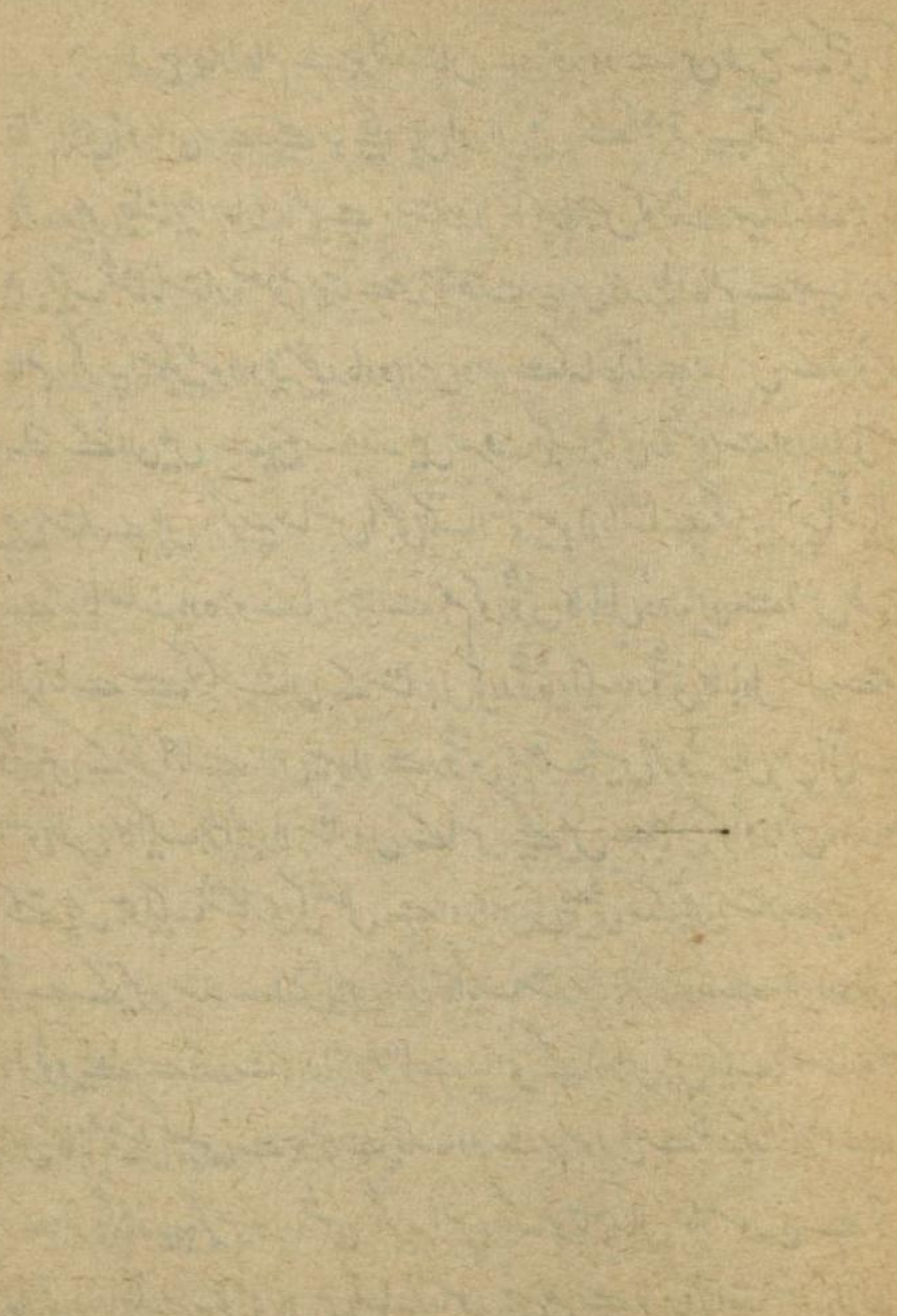
اب تک صرف نظام شمسی کی گردش کا ذکر تھا اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارا عالم جو کہکشاں کے دائرہ کے اندر محدود ہے وہ کس قدر بڑا ہے یہ

عالم پہلے بہت بڑے نیبولا nebula یعنی غیر منجمد مادہ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا جو بڑے نیبولا سے بوجہ گردش علیحدہ ہو گیا تھا۔ جب اس نے گردش جاری رکھی تو اس کے ٹکڑے ہوتے اور پھر ہر ٹکڑے میں سے لاکھوں ٹکڑے ہو کر وہ ستارے بنے۔ جو حصہ بیرونی اس کا ہے وہ مثل ایک گول دائرہ کے کروڑوں ستاروں میں منقسم ہو کر کہکشاں کی شکل میں نظر آتا ہے اور کہکشاں کے اندر کائنات کا حصہ بالکل گول گیند کی شکل نہیں ہے بلکہ ایک دبی ہوئی فٹ بال کی شکل ہے، اس میں مرکز سے کچھ علیحدہ فاصلہ پر سورج اور اس کا نظام شمسی ہے۔ یہ عالم اس قدر وسیع ہے کہ اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک روشنی دو لاکھ سال میں جتنا ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ کے پہنچتی ہے۔ دو لاکھ سال کے سکنڈ بنائے جائیں اور ان کو ایک لاکھ چھیاسی ہزار سے ضرب دی جائے تب اس کا فاصلہ میلوں میں نکلے، چونکہ یہ نہایت دشوار امر ہے اور النہائی ضروریات میں ایسے اعداد موجود نہیں ہیں اور انگریزی میں بلین billion اور ہندی میں سنکھ سب سے بڑے عدد ہیں اس لئے سائنس نے ان فاصلہ جات کو روشنی کی آمد سے ظاہر کیا ہے۔ اس لحاظ سے سورج سے روشنی دنیا تک آٹھ منٹ میں آتی ہے اور نظام شمسی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گیارہ گھنٹے میں جاتی ہے اور اس عالم کے مرکز سے سورج تک روشنی دو ہزار سال میں جاتی ہے جو ستارہ نہ کہ سیارہ ہم سے قریب ہے اس سے روشنی ساڑھے چار سال میں ہم تک آتی ہے۔ سورج بہت سے ستاروں کے گچھے میں سے ایک بہت چھوٹا ستارہ ہے حالانکہ سورج ہماری دنیا سے لاکھوں گنا بڑا ہے۔ دنیا کا دائرہ قطر کے

پاس ۲۴ ہزار میل ہے اور سورج کا دائرہ آٹھ لاکھ اسی ہزار میل جو ستارہ ہمارے قریب تر ہے اس سے روشنی ساڑھے چار سال میں آنے سے اس کے فاصلہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہمارا سارا عالم معہ ان کڑوڑہا کروڑ ستاروں کے ایک ہی سمت سے چکر لگا رہا ہے۔ اگر مختلف سمتوں کو چکر لگاتے تو سارا انتظام بگڑ چکا ہوتا یا یوں کہا جائے کہ انتظام قائم ہی نہ ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ستاروں کے گچھے جنہوں نے آسمان پر مختلف شکلیں اختیار کر لی ہیں اور ان میں سے ہی بارہ برج ہیں جن میں ہو کر سورج۔ چاند اور سیارے چلتے نظر آتے ہیں۔ ہمیشہ سے جب سے انسان کا علم جاتا ہے یہی شکل اختیار کئے ہوئے ہیں اور سب ستارے ایک دوسرے سے اسی فاصلہ پر نظر آتے ہیں حالانکہ یہ سب بہت تیز رفتار سے فضاء میں اڑے جا رہے جیسے شہاب ثاقب اڑا جاتا معلوم ہوتا ہے۔ ان کے فاصلے ایک دوسرے سے اس قدر زیادہ ہیں کہ انکی رفتار ہمکو نہیں معلوم ہوتی۔ اونچی چیل کی رفتار یا اونچے ایروپلین کی رفتار کا اندازہ ہم کو نہیں ہوتا پتنگ اگر ایک میل اونچی ہو تو اسکو غوطہ دینے کا اندازہ نہیں ہوتا جس طرح پتنگ کو بذریعہ ڈوری کے آدمی سنبھالے رہتا ہے اور اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتا اسی طرح سورج دنیا کو اور سب سیارگاں کو بذریعہ کشش تھامے ہے۔ اور اس طرح ہمارا سارا عالم ایک دوسرے کو تھامے ہے۔ یورپ میں شارع عام پر بڑی بڑی دوربینیں لگی ہیں اور ان کا محافظ چھ آنہ لے کر ایک سیارہ دکھا دیتا ہے مشتری یا زحل بہت تیزی سے مثل غبارہ کے فضاء میں اڑتے نظر آتے ہیں۔ ان کو سو گنا بڑا کر کے دکھایا جاتا ہے۔ عام لوگوں کو اس سے علم حاصل کرنے میں سہولت ہوتی ہے

یہ سیارے دن میں دیکھے جاتے ہیں۔ رات میں دوسرے نظر آتے ہیں۔

ہمارے عالم کی طرح لکھو کھا عالم ہیں



نیبولا جو ستاروں کے گچھے اینڈرومیڈا میں ٹمٹماتا ستارہ نظر آتا ہے لیکن ہمارے عالم
کے برابر ہے لیکن بہت فاصلہ کی وجہ سے چھوٹا سا نظر آتا ہے۔

جس طرح ہمارا عالم ہے جو کہکشاں سے محدود ہے اس طرح کے کئی لاکھ عالم بڑی دُوربین سے دیکھے جا چکے ہیں اور ان میں سے اکثر قریب اتنے ہی بڑے ہیں جتنا بڑا ہمارا عالم ہے۔ ستاروں کا گچھا جس کو انڈرومیڈا کہتے ہیں ان میں ایک ٹمٹماتا ستارہ معلوم ہوتا ہے در حقیقت یہ اس قدر بڑا عالم ہے جیسا ہمارا عالم۔ اگرچہ اسکو نیبولا (غیر منجمد مادہ) اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کے فوٹو جو لئے گئے ان میں سے بیچ کے حصہ میں صرف ایک بڑی روشنی ہے اور بیرونی حصہ میں ستارے ہیں۔ اگرچہ سائنس ابھی تک اسکو نیبولا مانتا ہے مگر میرا اپنا خیال ہے کہ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ہم کو روشنی کا بادل دُوربین سے اس طرح نظر آتا ہے جیسے کہکشاں کے ستاروں کی روشنی ایک روشنی کا بادل آنکھ سے بغیر دُوربین کے نظر آتا ہے۔ اس نیبولا سے روشنی ہم تک اکیس کروڑ سال میں آتی ہے اسی طرح کا ایک بڑا نیبولا ستاروں کے اس گچھے میں ہے جس کو اُورائن Orion کہتے ہیں جو ایک شکاری کی شکل ہے اور اس کی پیٹی کے تین ستارے ہیں اور چہرے کے تین ستارے اس میں پیٹی کا ایک ستارہ بھی بڑا نیبولا ہے۔ ان دونوں کا فوٹو دیکھنے سے قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی گچھے اُورائن میں ایک بڑا ستارہ ہے جس کا نام بیٹل گیس ہے جو بہت چمکدار ہے یہ سورج سے لکھو کھا گنا بڑا ہے اور ہزار ہا گنا زیادہ گرم اور روشن۔ اگر یہ اس جگہ ہوتا جہاں ہمارا سورج ہے تو ہماری دنیا بلکہ مریخ بھی اس میں آجائے۔ سورج ہم سے نو کروڑ اٹھائیس لاکھ میل دور ہے اس سے اس ستارہ کی وسعت معلوم ہوتی ہے لیکن جس قدر یہ سورج سے بڑا ہے اسی قدر ایک ستارہ جس کا نام انٹارس ہے وہ اس سے بڑا

ہے۔ یہ ستارہ برج عقرب کا سب سے زیادہ چمک دار ستارہ ہے۔ اس کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو گا کہ اس کے چاروں طرف روشنی ایک سو چھ منٹ یعنی ایک گھنٹہ چھیالیس منٹ میں جاتی ہے جب کہ سورج سے ہم تک روشنی صرف آٹھ منٹ میں آتی ہے۔ اور انڈرومیڈا کے نیبولا سے پچیس کروڑ سال میں۔ اور ایسے ایسے لکھوکھا عالم ہیں جو ایک دوسرے سے دور دراز فاصلہ پر ہیں۔ لیکن سائنس نے دو باتیں معلوم کی ہیں اول یہ کہ سب ایک ہی سمت گھوم رہے ہیں اور پہلے ایک ہی بڑا نیبولا تھا جس کے یہ اور ہمارا عالم جزو ہیں۔ اس سے سورۃ انبیاء آیت ۳۰ کی تصدیق ہو گئی کہ دنیا اور جو کچھ دنیا سے اوپر ہے وہ سب ایک ڈھیر تھا اور ان کو اللہ نے جدا جدا کیا۔ سب کی گردش ایک ہی سمت سے ثابت کرتی ہے کہ ایک ہی شے کے یہ ٹکڑے ہیں اور ایک ہی قوت نے ان کو خاص غرض سے جدا کیا ہے۔ اور وہ قوت ان کو مثل گھڑی کے پرزوں کے ایک دوسرے سے وابستہ کئے ہوئے ہے اور اس کی صنعت مکمل ہے۔

ایٹم کی حقیقت

یہ حال تو کائنات کے بڑے حصہ کا بتایا گیا اب ہم چھوٹے سے چھوٹے حصہ کو لیتے ہیں جس کو ایٹم کہا جاتا ہے۔ یہ تو سائنس کو معلوم تھا کہ مفرد یا عنصر کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ ایٹم کہلاتا ہے۔ اس وقت تک ۹۷ مفردات معلوم ہو گئے ہیں اور چار اور بھی زیر معلوم ہیں۔ لہٰذا ان میں سے ہر ایک کا چھوٹا حصہ جو اسی شکل اور خاصیت میں قائم رہے وہ ایٹم ہے۔ لیکن کسی مرکب کے چھوٹے حصہ کو

اٹیم نہیں کہتے بلکہ مالی کیول کہتے ہیں۔ بمفردات کی تین قسمیں ہیں۔ اول جو شکل گیس ہیں جیسے ہائیڈروجن۔ آکسیجن۔ نائٹروجن وغیرہ دوسری رقیق یعنی بہنے والی جیسا پارہ۔ تیسری منجمد جیسے چاندی۔ سونا۔ تانبا۔ پلٹینم۔ ریڈیم وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کی ایٹم ہیں وہی خاصیت ہوتی ہے جو بڑی مقدار میں مرکبات جیسے پانی کا چھوٹا حصہ مالی کیول ہے جس میں دو ایٹم ہائیڈروجن اور ایک ایٹم آکسیجن کا ہوتا ہے لہٰذا جب یہ دو گیسیں ایک اور دو کی مقدار میں ملائی جاتی ہیں تو وہ پانی بنجاتا ہے۔ جب اس کے دوبارہ ٹکڑے کئے جائیں تو دونوں گیسیں علیحدہ علیحدہ ہو جاتی ہیں۔ ایک عرصہ دراز سے سائنس دان اس کوشش میں تھے کہ ایٹم کے ٹکڑے کریں۔ چونکہ ایٹم اس قدر چھوٹا ٹکڑا ہے کہ وہ آنکھ تو درکنار طاقت ور سے طاقت ور خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا اس لئے اس کے ٹکڑے صرف کیمیائی طریقہ سے ممکن تھے۔ بالآخر جب ٹکڑے کئے گئے تو معلوم ہوا کہ ایٹم خواہ کسی شئے کا ہو وہ صرف بجلی کی دو قوتوں کا ظہور ہے۔ یعنی قوت اثبات بیچ میں ہے جس کو پروٹون کہتے ہیں اور قوت نفی جس کو الکٹرون کہتے ہیں وہ پروٹون کے چاروں طرف بہت تیزی سے گردش کرتی ہے۔ بعض الکٹرون کی رفتار بیس ہزار میل فی سکنڈ تک ہوتی ہے جب کہ ایٹم کی کل جگہ ایک انچ کا سو کروڑواں حصہ ہے اور الکٹرون ایٹم کا ایک لاکھ واں حصہ ہے۔ الکٹرون جس خلا میں گھومتا ہے۔ وہ اس سے ایک لاکھ گنا بڑی ہے۔ اس چھوٹی سی جگہ میں بیس ہزار میل فی سکنڈ کی رفتار سے اندازہ کیا جائے کہ کتنی پدم پدم چکر الکٹرون ایک سکنڈ میں کرتا ہے۔ اس تیز رفتاری کی وجہ سے یہ ایک ہئیت

اختیار کرتا ہے۔ چونکہ درمیان میں پروٹون ہوتا ہے وہ اس الکٹرون کی تیز گردش کی وجہ سے محفوظ ہوتا ہے۔ الکٹرون اور پروٹون کوئی مادہ نہیں ہیں بلکہ بجلی کی دو قوتوں کے ذرے ہیں۔ الکٹرون اسی طرح پروٹون کے گرد گھومتا ہے جیسے دنیا سورج کے گرد گھومتی ہے۔ ایک قوت نیوٹرون بھی بعض ایٹم ہیں معلوم ہوتی ہے وہ بھی بجلی کی قوت ہے

ہر چیز کا چھوٹا حصہ ایٹم صرف برقی قوتوں کا ظہور ہے

دنیا میں جسقدر چیزیں ہیں خواہ وہ کسی شکل میں ہوں، آدمی۔ جانور۔ نباتات پتھر اینٹ۔ جمادات سب یا تو وہ مفردات ہیں یعنی ۹۲ عناصر علیحدہ علیحدہ ہیں یا ان کے مرکبات ہیں۔ اور ہر مفرد ایٹموں کا مجموعہ ہے اور ہر ایٹم سوائے بجلی کی دو طاقتوں کی گردش کے نتیجہ کے کچھ نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ اگر ہر چیز کا ایٹم بجلی کی طاقتوں کی گردش سے ہیولہ پیدا ہو گیا ہے تو ہر چیز کی شکل۔ خاصیت۔ وزن میں کیوں فرق ہے۔ سائنس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک پروٹون یعنی بجلی کی قوت اثبات کے ایک ذرہ کے چاروں طرف ایک الکٹرون یعنی قوت نفی کا ذرہ گھومنے لگے تو وہ ہائیڈروجن گیس کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر دو پروٹون کے گرد دو الکٹرون گھومیں تو وہ ہیلیم گیس کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اگر آٹھ کے گرد آٹھ گھومیں تو آکسیجن بن جاتا ہے اگر چھبیس ۲۶ کے گرد ۲۶ گھومیں تو لوہا بن جاتا ہے۔ ۲۹ کے گرد ۲۹ گھومنے سے تانبا بنتا ہے ۴۷ کے گرد ۴۷ گھومنے سے چاندی۔ ۷۹ کے گرد ۷۹ کے گھومنے سے سونا اور

۸۰ کے گرد ۸۰ گھومنے سے پارہ۔ اسی طرح ۹۷ مفردات ہیں۔ ایک سے لیکر ۹۷ تک جتنے پروٹون ہوتے ہیں اسی قدر الکٹرون ان کے گرد گھومتے ہیں۔ اس جگہ یہ کہہ دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ کیمیاگر عرصہ سے اس کوشش میں ہیں کہ پارہ کو سونا بنادیں۔ الکٹرون کو پارہ سے نکال لیتے ہیں لیکن ایک پروٹون کو بیچ سے نہیں نکال سکے اس لئے ایک آنچ کی کسر رہ جاتی ہے۔ اب سائنس کی بہت طاقتور بھٹی میں جہاں بجلی سے حدت پہنچائی جاتی ہے پارہ کو سونا بنادیا گیا لیکن اس کا خرچ بہت زیادہ ہوتا ہے اور نفع کم۔

دو یا زیادہ اٹم ملنے سے مرکبات بنتے ہیں

جب ان مفردات یعنی عناصر کو ملایا جائے تو نئی چیز بن جاتی ہے جیسے اوپر بیان ہوا کہ پانی دو گیسوں کے خاص تعداد میں ملنے سے بن جاتا ہے۔ پانی عنصر نہیں ہے اگرچہ قدیم زمانہ میں جب کہ اٹم سے واقفیت نہیں تھی تو پانی اربعہ عناصر میں ایک تھا جو یہ سمجھے جاتے تھے۔ آب۔ آتش۔ باد۔ خاک۔ اب ان میں سے کوئی بھی عنصر نہیں۔ حتےٰ کہ آتش بھی مہمل لفظ ہوگیا ہے آتش کے اندر بھی چمک۔ حدت۔ ریڈی ایشن یعنی اپنے میں سے نکل کر پھیلنا وغیرہ قوتیں شامل ہیں اور آتش کسی چیز کے فعل کا نتیجہ ہوتا ہے مثلاً لکڑی کوئلہ۔ تیل وغیرہ میں آگ لگنا اور اس سے ان کا جلنا۔ غرض کہ بعض اشیاء دو چیزوں کے ملنے سے بنی ہیں۔ بعض تین کے بعض بہت سے عناصر کے ملنے سے

مرکبات کن قوتوں سے بنتے ہیں

سمجھنے کے واسطے ایک آسان شے درخت سے لی جاتی ہے اور اس سے ہم ان قوتوں کا خیال لائیں گے جو خالق نے اسکے واسطے بنائی ہیں۔ سورۃ الانعام آیت
۹۵ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ط يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ
وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ط ذٰلِكُمُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝

تحقیق اللہ ہی اناج کے دانہ کو اور کھجور کی گٹھلی کو پھاڑتا ہے اور اس میں سے پودا نکالتا ہے۔ وہ مردہ میں سے جاندار اور جاندار میں سے بغیر جان پیدا کرتا ہے یہ اللہ ہے پھر تم سچائی سے کیوں منحرف ہوتے ہو۔ گٹھلی اور اناج کا دانہ بیجان ہیں لیکن ان میں سے درخت اُگتے ہیں جو جاندار ہیں اگر درخت جاندار نہ ہوتے تو ان میں نشوونما نہ ہوتا اور ان میں پتے۔ پھول اور پھل نہ لگتے اور پھر یہ نہ سوکھتے جو ان کی موت ہے۔ زمین بھی بے جان ہے اور اس کی بابت قرآن پاک میں ہے کہ جب یہ مردہ ہو جاتی ہے یعنی جب بغیر پانی کے اس میں پیداوار کی طاقت نہیں رہتی تو اللہ تعالےٰ پانی برسا کر پھر اس کو زندہ کر دیتا ہے اور ہریالی اُگ آتی ہے۔ درخت اس وقت تک نہیں اُگ سکتا جب تک کہ اس کا بیج نہ ہو اور وہ زمین کے اندر نہ دبایا جائے اور زمین میں نمی نہ ہو۔ بیج کے اندر وہ تمام خاصیتیں پنہاں ہوتی ہیں جو اس درخت اور اس کے پھل میں ہوتی ہیں۔ زمین کے اندر دو اجزاء موجود ہیں جو بیج یا گٹھلی کو پھاڑ کر اس کو درخت کی شکل میں تبدیل کریں اور زمین میں پانی اور گرمی کی حدت سے کیمیائی فعل شروع ہوتا ہے۔ یہ کیمیائی فعل بیج کو درخت بنا کر بڑھاتا

ہے پھر اس میں پتے. پھول اور پھل لگاتا ہے. جب تک زمین میں ان کیمیائی
افعال کو جاری رکھنے کی قوت قائم رہتی ہے درخت قائم رہتا ہے اور جب زمین
کی قوت ختم ہوئی درخت مرجھا جاتا ہے اور سوکھا ٹھنٹھ ہو جاتا ہے. جب اس کو
جلایا جائے تو گیسیں بشکل دھواں نکلتی ہیں اور آگ کا شعلہ اور اس میں حدت اور
روشنی ہوتی ہے. اگر جلنا بند کر دیا جائے تو کوئلہ رہ جاتا ہے. جب کوئلہ کو جلایا جائے
تو اس میں سے زہریلی گیس جو کاربن اور آکسیجن کا مرکب ہوتی ہے نکلتی ہے اور
حدت اور روشنی. آخر میں تھوڑی راکھ رہ جاتی ہے. اس سے ہم کو درخت کی ساخت
کے اجزا معلوم ہو جاتے ہیں. درخت بہت سے عناصر کا مجموعہ ہوتا ہے جن
کو قوت کیمیائی جوڑے ہوتے ہوتی ہے جو جلنے کے وقت بشکل حدت خارج ہوتی
ہے اور اس حدت سے روشنی بھی پیدا ہوتی ہے.

قرآن پاک ہدایت کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ اور دن اور رات کس طرح ہوتے ہیں عقل والے کو سمجھنا چاہیئے

اسی طرح سے ایک جانور بھی بہت قسم کے عناصر کا مجموعہ ہے اس میں
مختلف اقسام ہیں. بھنگے سے لے کر چوپائے تک مختلف قسمیں ہیں. سب سے
زیادہ مختلف عناصر کا مجموعہ انسان کا جسم ہے جس کی تشریح قرآن پاک کی آیتوں
سے آگے چل کر کی جائے گی. سورۃ آل عمران. آیت ۱۹۰ و ۱۹۱ میں اللہ تعالےٰ فرماتا
ہے. اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ
لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ ...... وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ. بے شک سمجھدار آدمیوں کے واسطے اور جو غور اور فکر کریں ان کے

لئے آسمانوں اور دنیا کی بناوٹ میں اور دن اور رات کے اختلاف میں بہت نشانیاں ہیں۔ یہ آیت انسان کو جس میں سمجھ ہو متنبّہ کرتی ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ کی طرف متوجہ ہو کر اس کا علم حاصل کرے اور یہ معلوم کرے کہ دن اور رات کیسے پیدا ہوتے ہیں۔ مختصراً کُل کائنات کی بناوٹ کی طرف متوجہ کرتی ہے اس لئے یہ مختصر سی کتاب لکھی گئی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل ہو بغیر کائنات کو سمجھے کائنات کے بنانے والے کو سمجھنا ناممکن ہے۔ ہر پتہ اور دنیا کا ہر ذرہ عقلمند آدمی کو سمجھانے کے واسطے کافی ہے کہ وہ اپنے رب کی کاریگری کو سمجھے اور پھر رب کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ رب کی ذات کو کوئی ٹھیک طرح نہیں سمجھ سکتا صرف انکی صفات کو سمجھتا ہے لیکن ذات کو سمجھنے کی صرف کوشش کر سکتا ہے رسول اللہ بھی خدا کو نہ دیکھ سکے فاصلہ اور حجاب باقی رہ گیا۔ لہذا کائنات کو سمجھ کر پھر انسان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو سمجھے تب آگے چلے۔

تمام مادہ ایٹموں سے بنا ہے جو برقی قوتوں سے بنے ہیں

لہذا سب مادہ صرف برقی قوت ہے

یہ بتایا جا چکا کہ ہر شے جو کائنات میں مادہ کی شکل رکھتی ہے یعنی خواہ نظر آتی ہے یا محسوس ہوتی ہے وہ سب یا تو مفردات ہیں یا چند مفردات کے مرکبات اور ہر شے ایٹموں کا مجموعہ ہے اور ہر ایٹم خواہ وہ کسی چیز کا ہو صرف بجلی کی دو قوتوں کی گردش کا ظہور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بڑا ایٹم جو ابتدا میں ایک تھا اور اسکے

ٹکڑے کرکے اللہ تعالیٰ نے یہ سب اشیاء بنادیں وہ درحقیقت بجلی کی قوتوں سے پیدا ہوئے ایٹموں کا مجموعہ تھا اور اس میں ہر قسم کے ایٹم موجود تھے جس طرح دنیا کی ہر شے ایٹموں کا مجموعہ ہے اسی طرح سورج۔ چاند۔ ستارے۔ سیارے شہاب ثاقب۔ ہوا بھی ایٹموں کے مجموعے ہیں۔ اس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ ہر دھات کے جلانے سے ایک خاص رنگ کی روشنی ہوتی ہے۔ جب شب برات میں آتش بازی چھوڑی جاتی ہے تو اس میں مختلف رنگ کے پھول نکلتے ہیں تجربہ سے لوگوں کو معلوم ہے کہ لوہے کے برادہ سے جو پھول بنتے ہیں وہ آگ کے رنگ کے ہوتے ہیں۔ تانبہ کا برادہ اگر ملایا جائے تو سبز رنگ کے ہوتے ہیں اسی طرح پٹاشیم پیتل پلٹینیم وغیرہ کے پھول سرخ اور طرح طرح کے رنگ کے ہوتے ہیں جب ہم ایک شہاب ثاقب کو اپنی دنیا کی ہوا میں گزرتے دیکھتے ہیں تو اس کے رنگ سے پہچان جاتے ہیں کہ وہ کس چیز کا ٹکڑا ہے۔ یہ علی العموم مٹر کے دانہ کی برابر ہوتے ہیں اور نہایت تیزی سے ہماری ہوا میں سے گزر جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض بہت سے چل کر پھول جھڑی کی طرح پھٹتے ہیں اور طرح طرح کے پھول ان میں سے خوبصورت نکلتے ہیں جو ہماری آتش بازی کی طرح ہوتے ہیں جو اکثر بیاہ شادی کے موقع پر چھوڑی جاتی ہے۔ ان سے ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شہاب ثاقب میں کیا کیا دھاتیں ہیں۔ اکثر تو یہ دنیا کے پاس سے گزر جاتے ہیں لیکن بعض کی رفتار دنیا کے قریب ہوتی ہے ان کو دنیا کی کشش کھینچ لیتی ہے اور وہ دنیا میں گر جاتے ہیں۔ اس قسم کے گرے ہوئے بہت جمع کئے گئے ہیں جو عجائب گھروں میں موجود ہیں۔ کلکتہ کے عجائب خانہ میں ان کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اکثر ان میں بالکل صاف

لوہا ہوتا ہے جو دنیوی لوہے سے جو صاف کر کے بنایا جاتا ہے بہتر ہوتا ہے۔ کاتب الحروف کے خاندان میں ایک تلوار اورنگ زیب بادشاہ کی عطیہ موجود ہے جو آسمان سے گرے ہوئے لوہے کی ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے فضا میں تیز رفتار سے اڑے جارہے ہیں بعض سائنس دان کا خیال ہے کہ یہ پدمہا سال قبل دو ستاروں کے ٹکرانے سے ہو گئے جو پاش پاش ہو گئے تھے بعض اس خیال سے متفق نہیں بہر حال جو کچھ ہو یہ انھیں چیزوں کے بنے ہیں جو دنیا میں موجود ہیں

سورج کی سفید روشنی قوس قزح کے رنگوں کا مرکب ہے

سورج گرہن چاند کے سایہ سے ہوتا ہے

سورج کی روشنی ہم کو سفید نظر آتی ہے۔ درحقیقت یہ ان رنگوں کا مجموعہ ہے جو قوس قزح میں ہوتے ہیں۔ اگر سورج کی روشنی ایسی پانی کی بوند میں سے گزرے جو تین کونہ ہو تو آسمان پر قوس قزح بن جاتی ہے اور ہمیشہ یہ رنگ اسی ترتیب سے اور اسی موٹائی سے ہوتے ہیں۔ اگر بلور کا تین کونہ ٹکڑا یا موٹے آئینہ کے کنارہ میں سے سورج کی روشنی گزاری جائے اور کمرہ میں ڈالی جائے تو قوس قزح کمرہ میں بن جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورج کی سفید روشنی درحقیقت ان رنگوں کا مجموعہ ہے۔ اگر ایک گراموفون ریکارڈ پر سفید کاغذ لگایا جاتے اور اس پر اسی ترتیب سے اور اسی چوڑائی میں رنگ جو قوس قزح میں ہوتے ہیں لگا دیئے جائیں اور پھر ریکارڈ کو تیزی سے گھمایا جائے تو ریکارڈ پر کوئی رنگ نظر

نہ آئے گا بلکہ ریکارڈ بالکل سفید نظر آئے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ سورج میں سے یہ سب رنگ نکلتے ہیں لیکن اس کی تیز گردش کی وجہ سے ہم کو کوئی رنگ نظر نہیں آتا اور روشنی سفید نظر آتی ہے۔ درحقیقت ان رنگوں کی شعاؤں کے علاوہ اور بھی شعاعیں ہیں جو لال رنگ کے بعد اندرونی جانب اور کاسنی رنگ سے بیرونی جانب ہوتی ہیں ان کا تذکرہ ہم آئندہ روشنی کے ذکر میں کریں گے۔ ہم کو سورج کی روشنی سے معلوم ہو گیا کہ اس میں کیا کیا دھاتیں ہیں۔ جب سورج گرہن مکمل ہوتا ہے یعنی چاند کا سایہ دنیا پر اسطرح پڑتا ہے کہ سورج بالکل نظر سے اوجھل ہو جائے اس وقت سورج کے کناروں سے شعلے اٹھتے نظر آتے ہیں۔ اوہام پرست ہندو سمجھتے ہیں کہ سورج کو مگرمچھ نگل جاتا ہے اور وہ پھر نکلتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم فلکیات سے واقف نہیں ہیں اور ان کا علم نجوم دوسروں سے حاصل کیا ہوا ہے آج کل تو معمولی نجومی بھی آئندہ ہزاروں سال تک کا بتا سکتے ہیں کہ کب سورج گرہن ہوگا اور دنیا کے کس ملک میں کس وقت اور کتنا گرہن نظر آئے گا۔ یہ چاند کی گردش سے جو دنیا کے چاروں طرف کرتا ہے اس سے حساب لگایا جاتا ہے کہ چاند کا سایہ دنیا کے کس کس حصہ پر پڑے گا اور اس لئے دنیا بھر کے نجومی اس مقام پر جمع ہوتے ہیں جہاں سورج پورا گرہن ہو۔ کراچی میں ۳۰ جون ۱۹۵۴ء کو پورا گرہن ہوا اور اس کے فوٹو لئے گئے۔ حالانکہ اس دن بادل تھا مگر تھوڑی دیر کو بادل ہٹا اور فوٹو نہایت عمدہ لئے گئے پھر لنکا میں مکمل گرہن ہوا وہاں بھی فوٹو لیا گیا بعض جاہل مسلمان بھی ہندوؤں کی صحبت سے اوہام پرست ہو گئے اور وہ بھی سمجھنے لگے کہ سورج پر تکلیف ہوتی ہے اور جب چاند گرہن دنیا کا سایہ چاند پر پڑنے سے ہوتا ہے

تو چاند کو تکلیف بتاتے ہیں۔ چاند ہمیشہ جب گرہن ہوگا جب وہ پورا چاند ہو یعنی دنیا کے ایک طرف سورج اور دوسری طرف مقابل پر چاند ہو اور دنیا کا سایہ چاند پر پڑے۔ کم تعلیم یافتہ مسلمانوں کے اوپر دوسروں کے اعتقادات کا اثر پڑا ہے

سورج اور ستاروں میں بھی وہی مادہ ہے جو دنیا میں ہے اور اس سے سورۃ انبیاء آیت ۳۰ کی تصدیق ہے

سورج جس کی بابت ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ مثل لٹو کے گھومتا ہوا ایک بڑے وسیع دائرہ پر اپنے مرکز کے گرد معہ تمام سیاروں کے گھوم رہا ہے اور اپنی قوت کشش سے اپنے سیاروں کو اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتا اس میں معلوم ہوا کہ وہ سب چیزیں موجود ہیں جو دنیا میں ہیں اور وہ مثل ہائیڈروجن بم کے برابر پھٹتا ہے لکھوکھا ہائیڈروجن بم اس میں بنتے ہیں اور پھٹتے ہیں۔ اس کا مادہ بھی ویسا ہی مادہ ہے جیسا ہماری دنیا کا۔ لہذا ہماری دنیا اس کا حصہ ہے اور سائنس کی یہ تحقیقات قرآن پاک کی آیت کی تصدیق کرتی ہے جس قدر ہم ترقی کریں گے اسی قدر ہم کو قرآن پاک کی آیتوں کا مطلب معلوم ہوگا جو ہم اپنے علم کے ناقص ہونے کی وجہ سے نہیں سمجھ سکے۔ اسی طرح سے جملہ ستارے اور نیبولا بھی اسی مادہ کے ہیں جو ہماری دنیا کا ہے۔ ہماری دنیا بھی اگرچہ اوپر سے ٹھنڈی ہو کر مٹی اور پتھر ہو گئی ہے لیکن اس کے اندر ابھی بہت حدت ہے جس قدر گہرا گڑھا کھودا جائے اسی قدر اندر حدت بڑھتی جاتی ہے اور زمین کے اندر آتش ہے جو کوہ آتش فشاں کے ذریعہ باہر

آتی ہے۔ بعض جگہ دلدل ابلتی ہوئی موجود ہے اور اس میں ابال آتے ہیں بعض جگہ پانی کا فوارہ زمین سے ابلتے پانی کا نکلتا ہے اور بہت اونچا جاتا ہے اس کو جیسر کہتے ہیں۔ لہذا کل مادہ ایک ہے اور کل مادہ کی اصلیت بجز اس کے کچھ نہیں کہ بجلی کی دو قوتیں ایک دوسرے کے گرد گھوم رہی ہیں۔

کائنات کے بننے کا اصول گردش ہے

ہم کو ایٹم سے لے کر بڑے سمبولا اور اپنے عالم تک ایک اصول معلوم ہوا کہ بڑی چیز کے گرد چھوٹی چیز گردش کر رہی ہے اور ایک ہی سمت سے سب گردش کر رہی ہیں اور دوسرا یہ اصول معلوم ہوا کہ مادہ بوجہ قوت کشش کے یکجا ہے اگر قوت کشش اس کو ملائے نہ رکھتی تو یہ مادہ منتشر ہو جاتا۔ اللہ تعالےٰ نے چاہا "کُنْ" یعنی ہو جا پس ہو گیا "فَیَکُوْنُ"۔ سورۃ انبیاء کی آیت ۳۰ سے جو اوپر تحریر ہوئی ہے کہ سب ایک نبیولا تھا اور ہم نے ان کو علیحدہ علیحدہ کیا اس سے ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بجلی کی قوتوں کو کہا کُن یعنی ان کو محرک کر دیا اور ان کے محرک ہونے سے ہر قسم کے ایٹم بن گئے اور وہ بڑے نبیولا کی شکل میں ہو گئے۔ قرآن پاک میں آیا ہے جب وہ چاہتا ہے کہ کوئی چیز بنائے تو اس کو اشارہ کرتا ہے یا یہ کہیں کہ حکم دیتا ہے کُن، پس وہ ہو جاتا ہے فیکون۔ لہذا جب اللہ تعالےٰ نے چاہا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین یہ شکلیں اختیار کریں تو اس نے نبیولا کو کن کہہ کر گردش دے دی اور اس گردش سے وہ فلک بنے یہ زمین بنی یہ لبشر بنے وہ ملک بنے۔ تیرے لفظ کن کا ظہور تھا تیری شان جَلَّ جَلَالُہٗ، اس تمام کائنات کی ساخت کا راز

قوتوں کو گردش دینا ہے۔ اگر ایٹم میں الکٹرون گھومنا بند ہو جائے یا پروٹون سے جا ملے اور بجلی کی دونوں قوتیں مل کر تیسری شکل اختیار کر لیں تو کائنات کا کل مادہ ایک دم ختم ہو جائے۔ اگر سورج اور سیاروں میں سے گردش نکل جائے تو ان میں قوت کشش جو گردش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جس کا تذکرہ آئندہ ہوگا جاتی رہے۔ پھر نہ دن نکلے نہ رات آئے نہ موسم میں تبدیلی پیدا ہو۔ اور دنیا میں سے قوت کشش نکلتے ہی سارا پانی بھاپ بن کر فضاء میں اڑ جاتے اور آدمی اور جان دار دنیا سے جدا ہو کر خدا معلوم فضاء میں کہاں سے کہاں جائیں اور دنیا کا سارا مادہ منتشر ہو جائے۔ لہذا یہ گردش ضروری ہے جس سے کائنات قائم ہے۔ اس گردش کو دینے والی ایک بہت بڑی لاتعداد طاقت رکھنے والی قوت ہے جو علاوہ اس کے کہ اس کا علم لامحدود ہے جس نے ایسی اعلےٰ درجہ کی کائنات بنادی وہ خود ہر جگہ موجود ہے اور اس کو اس تمام نظام پر قدرت حاصل ہے وہ قوت صرف اس کائنات کو بنا کر اس سے غافل نہیں ہو گئی بلکہ ہر جگہ موجود رہ کر اس کی نگران ہے اور اس کو قائم رکھتی ہے اور قائم رکھنے میں تھکتی نہیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ط لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط ۔۔۔۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ج وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ اللہ وہ ہے اور اس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ جو زندہ یعنی مستعد ہے اور تمام کائنات کا قائم کرنے والا اور خود ہمیشہ سے

قائم ہے جس کو نہ تو نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ جو کچھ آسمانوں میں اور دنیا میں ہے سب
اس کا ہے اور وہ آسمانوں اور دنیا میں بطور حکمران کے ہر جگہ موجود ہے اور انکی
حفاظت سے تھکتا نہیں۔ اس آیت کے جزو سے جو اوپر درج ہے ثابت ہے
کہ اسلام میں اللہ ہر وقت مستعد ہے اور اس کائنات کو قائم رکھنا اس نے
اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ قرآن کا فلسفہ اس فلسفہ سے جدا ہے جس میں کہا گیا
ہے کہ برہموجی نے جب اس عالم کو بنا دیا تو خود آرام کرنے لگے اور اسکی نگرانی آئندہ
دوسرے دیوتاؤں پر چھوڑ دی۔ یہودیوں کے فلسفہ سے بھی جدا ہے جس میں
ہے کہ چھ دن میں یعنی اتوار لغایت جمعہ اللہ نے کائنات بنائی اور ہفتہ کے دن یعنی
ساتویں دن آرام کیا اس لئے ہفتہ کا دن سبتہ منایا جاتا ہے۔ سورۃ المومنون
آیت ۱۷۔ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِيْنَ ۝ ہم اپنی پیدا کردہ چیزوں
سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ یہ لامحدود قوت ہر چیز کی نگران ہے اور ان کو ان
اصولوں پر چلاتی ہے جو ان کے واسطے بنائے ہیں اگر وہ ان اصولوں سے ذرا بھی ہٹ
جائیں تو سب درہم برہم ہو جائے۔ اس قوت کا صرف علم ہی ضروری نہیں ہے
اور صرف طاقت ہی کافی نہیں بلکہ اس طاقت کی موجودگی بھی ہر جگہ ضروری
ہے تب ہی یہ قوت کام کر سکتی ہے جب ہر جگہ موجود ہو۔ اگر یہ قوت ہر جگہ
خود موجود نہ ہوتی تو دوسری قوتوں پر انحصار کرتی اور پھر برہموجی کی طرح آرام کرنے
لگتی۔ اس قوت کو جس کو کہا کہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
یعنی جو آسمانوں اور زمین میں ہر جگہ پھیلی یعنی موجود ہے۔ وہ زندہ یعنی مستعد کام
کرنے والی ہے اور نہ اس کو نیند آتی نہ اونگھ اور نہ وہ کبھی چیز سے غافل ہوتی ہے۔

بجلی کی قوتوں کے علاوہ اور قوتیں

یہ تو معلوم ہو گیا کہ جو کچھ مادہ ہے وہ بجلی کی قوتوں کی گردش سے ظہور میں آیا. لیکن اس میں چند باتیں ابھی تشریح طلب ہیں اول یہ کہ بجلی کہاں سے آتی۔دوم یہ کہ تمام مادہ کے ایٹم ایک دوسرے سے جڑے کیوں ہیں اور قوت کشش کیا ہے یہ کیسی پیدا ہوتی ہے اور آیا کائنات میں صرف مادہ ہی ہے اور کچھ نہیں اور روشنی ہم تک ان آسمانی کرہ جات سے کیسی آتی ہے.

بجلی کی قوتیں کہاں سے آتی ہیں

بجلی کی دونوں قوتیں زمین اور فضا میں بہت بڑی مقدار میں پھیلی ہوتی ہیں اگر قوت اثبات کسی جگہ آئے تو فوراً مقابل پر قوت نفی آجاتی ہے۔اگر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں زور سے رگڑی جائیں تو علاوہ گرمی پیدا ہونے کے ایک ہاتھ پر قوت اثبات اور دوسرے پر قوت نفی آجاتی ہے اور یہ ایک دوسرے کیطرف دوڑتی ہیں کالج میں علی العموم مشین سے یہ تجربہ دکھایا جاتا ہے کہ مشین کے دو جز کی رگڑ سے دونوں قسم کی بجلی پیدا کی جاتی ہے اور دو پتیل کے گولے لگے ہوتے ہیں ان میں سے ایک میں ایک قسم کی بجلی اور دوسرے میں دوسری قسم کی جمع ہوتی ہے اور جب یہ قریب لائے جائیں تو ان میں سے چنگاریاں نکلتی ہیں اور یہ شعلے اس طرح کے ہوتے ہیں جو آسمان پر بادلوں میں بجلی کے دیکھے جاتے۔بادلوں میں بھی ایک دوسرے کی رگڑ سے بجلی ہوتی ہے اور جب دو قسم کی بجلی والے بادل پاس کو آتے ہیں تو ان کی بجلی ایک

دوسرے کی طرف کو دوڑتی ہے۔ اگر صرف ایک قسم کی بجلی سے بھرا ہوا بادل زمین کے
قریب آجائے تو وہ زمین کی طرف دوڑتی ہے اور زمین میں سے دوسری قسم کی اُسس
کی طرف کو۔ اگر کوئی ابھری ہوئی چیز مثل درخت۔ آدمی یا عمارت ہو تو زمین کی بجلی
اس میں سے ہو کر بادل والی بجلی سے ملتی ہے۔ درخت گر جاتا ہے۔ عمارت پھٹ
جاتی ہے۔ آدمی مر جاتا ہے۔ یہی اصول ڈائینمو کا ہے (Dynamo) اور بجلی کی روشنی
کا ہے۔ جب بجلی کی قوت باریک تار میں سے جو بلب کے اندر ہوتا ہے گزرتی ہے
تو یہ تار گرم ہو جاتا ہے چونکہ اس کی باریکی کی وجہ سے قوت آسانی سے نہیں گزرتی
گرم ہو کر یہ چمکنے لگتا ہے۔ چونکہ بلب کے اندر سے ہوا نکال لی جاتی ہے اس
لئے تار ٹھنڈا نہیں ہوتا اور خوب چمکتا ہے۔ اسی اصول پر بجلی کا پنکھا چلتا ہے۔ بجلی
کی قوتوں کے ایک دوسرے کے طرف دوڑنے میں بے حد قوت ہوتی ہے جس قدر
زیادہ ان کا ذخیرہ ہو اسی قدر ان میں طاقت ہوتی ہے اور اسی قدر زیادہ یہ کام کرتی
ہیں۔ ایک بڑا بوجھ اٹھانے کا کام کرتی ہے موٹر چلاتی ہے۔ روشنی کرتی ہے۔ پنکھا
چلاتی ہے۔ انجن چلاتی ہے۔ کھانا پکاتی ہے۔ غرض کہ بجلی سے سینکڑوں قسم کے
کام لئے جاتے ہیں۔ بجلی کی اس وجہ سے قوت پیدا ہوتی ہے کہ دونوں قسم کی قوتیں
ایک دوسرے کی طرف کو دوڑتی ہیں۔ جب دونوں قسم کی قوتیں مل جاتی ہیں تو یہ کون
شکل اختیار کرتی ہیں یہ کوئی نہیں جانتا۔ یہ بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ قوت کیا
ہے جس میں سے یہ دو قوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ بھی سائنس کو نہیں معلوم کہ وہ قوت
جس کی یہ دو شکلیں ہیں کس تعداد میں اور کس شکل اور خاصیت میں کائنات کے
اندر موجود ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ دو چیزوں کی رگڑ سے یہ قوتیں پیدا ہوتی ہیں یا یوں

کہا جائے کہ ظاہر ہوتی ہیں۔ معمولی بیٹری میں تیزاب کے کیمیائی فعل سے بھی یہ قوتیں پیدا ہوتی ہیں۔

مقناطیسی قوت

علاوہ بجلی کی قوت کے ایک قوت ہے جس کو ہم مقناطیس کہتے ہیں۔ اس قوت میں بھی دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک قطب شمالی اور دوسرا قطب جنوبی کے نام سے موسوم ہیں۔ ان میں شمالی حصہ جنوبی حصہ کو اور جنوبی شمالی کو کھینچتا ہے لیکن شمالی دوسرے شمالی کو اور جنوبی دوسرے جنوبی کو دور پھینکتے ہیں۔ اگر بازار سے دو مقناطیس جو گھوڑے کے نال کی شکل ہوتے ہیں لئے جائیں اور ایک کے شمالی کو دوسرے کے جنوبی کے پاس لایا جائے تو یہ ایک دوسرے کو چپٹ جائیں گے اور اگر دونوں کے شمالی کو ملایا جائے یا دونوں کے جنوبی کو تو کبھی ایک دوسرے سے نہ ملیں گے بلکہ ایک دوسرے کو دھکا دیں گے۔ ان میں قوت کشش اس وقت ہے جب شمالی کو جنوبی کے پاس لایا جائے ورنہ کشش کے خلاف دور پھینکنے والی قوت کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب شمالی شمالی کے پاس یا جنوبی جنوبی کے پاس لایا جائے۔

مقناطیسی قوت اور بجلی کا ساتھ

بجلی کی قوت کا اور مقناطیسی قوت کا بھی ساتھ ہے۔ اگر ایک ملائم لوہے کی سلاخ کو جس میں مقناطیسی قوت بالکل نہ ہو لیا جائے اور اس کے اوپر

ایک تانبہ کا تار لپیٹا جائے اور تار کا ایک سرا بیٹری کے اثبات حصہ یعنی Positive سے باندھا جائے اور دوسرا نفی یعنی Negative کو بنہ پر باندھا جائے تو اس میں بجلی کی قوت دوڑنے لگے گی اور جب تک اس تار میں بجلی دوڑے گی اس وقت تک یہ لوہے کی سلاخ مقناطیس بن جائے گا۔ جب بجلی چلنی بند ہو گی اس کے تھوڑی دیر بعد اس کی مقناطیسی قوت ختم ہو جائے گی۔ اگر سلاخ پر دو تار باندھے جائیں۔ اور ایک تار میں Positive جس طرف ہو تو اس طرف دوسرے تار کو دوسری بیٹری کے Negative میں باندھا جائے اور اسی طرح دوسرے کنارے ایک Positive میں اور دوسرا Negative میں باندھا جائے تو بجلی دونوں جانب سے دوڑے گی اس حالت میں لوہے کی سلاخ بجائے مقناطیس بننے کے اس کی مخالف قوت بن جائے گا یعنی بجائے لوہے۔ المونیم وغیرہ کو اپنی طرف کھینچے کے اپنے سے دور پھینکے گا۔ اگر سوئی پن۔ بالٹی المونیم اس کے اوپر کی جائے تو یہ معلق ہوا میں ہو جائے گی۔

مقناطیس میں قطب شمالی اور قطب جنوبی

ہم کو یہ معلوم ہے کہ ہر ایٹم میں ایک تطلب شمالی اور ایک قطب جنوبی ہوتا ہے اور یہ مقناطیسی قوت ان میں الکٹرون کے گھومنے سے پیدا ہوتی ہے۔ لہذا ایک ایٹم کا شمالی دوسرے کے جنوبی کو پکڑ لیتا ہے اور اسی قوت کشش کی وجہ سے یہ ایٹم ایک دوسرے کو چپٹ کر ایک بڑی جسیم چیز ہو جاتے ہیں۔ اور مختلف قسم کے ایٹم بھی مل کر ایک جا جمع رہتے ہیں۔ جیسے ہم بعض جگہ کی مٹی میں لوہا

ملا پاتے ہیں بعض مٹی میں وہ ادویات ہوتی ہیں جن سے سوڈا نکالا جاتا ہے اور کنچ بنتا ہے بعض جگہ چینی کے برتنوں کا مواد ہوتا ہے بعض جگہ سے نمک اور شورا نکلتا ہے غرضیکہ طرح طرح کے ایٹم ایک جگہ موجود ہوتے ہیں۔

مختلف قسم کے ایٹموں کو جوڑنے کیلئے کیمیائی قوت چاہیئے

لیکن یہ ایک دوسرے سے اس قدر مضبوطی سے جڑے ہوئے نہیں ہوتے جس قدر مضبوطی سے ایک ہی قسم کے ایٹم ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں مختلف اقسام کے ایٹموں کو جوڑ کر ایک نئی چیز بنانے کے واسطے کیمیائی فعل کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً درخت کی لکڑی۔ آدمی کا جسم وغیرہ وغیرہ ان میں مختلف ایٹم ایک دوسرے سے کیمیائی قوت کے فعل سے آپس میں جڑے اور نئی چیز پیدا ہو گئی جب انسان کی تخلیق کا ذکر آئے گا اس وقت قرآن پاک کی آیات دی جائیں گی۔ ان دونوں قوتوں سے یعنی مقناطیسی قوت سے جو ایک چیز کو بنانے کے کام آتی ہے اور دوسری مخالف قوت جو بگاڑنے کے کام آتی ہے وہ لامحدود قوت جس کا علم لامحدود ہے ہر وقت کام بنانے اور بگاڑنے کا لیتی ہے۔

فرشتہ اور ملائک میں فرق

سورۃ النزعٰت ۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ قسم ہے ان قوتوں کی جو جان کو مشکل سے کھینچ کر نکالتی ہیں اور قسم ہے انکی جو آہستگی سے نکالتی ہیں۔ عام طریقہ سے لفظ فرشتہ اردو زبان میں استعمال ہوتا ہے جو کہ

فارسی کا لفظ ہے نہ کہ عربی کا۔ عربی میں ملائک کہتے ہیں۔ لفظ فرشتہ استعمال کرنے سے ہم اس تخیل میں پھنس گئے جو ایرانیوں زردشتیوں اور مجوسیوں کا تھا یا یہود نے بوجہ ان مورتیوں کے اپنے یہاں قائم کیا تھا جو اس کشتی پر سونے کی بنی تھیں جس میں کہا جاتا ہے کہ حضرت موسےٰ نے دس احکام الٰہی پتھر پر کندہ کرا کے اس میں رکھا تھا اور ان کی حفاظت چار بچوں کی مورتیاں جن کے دو دو پر لگے تھے کرتی تھیں۔ یہ مورتیاں فرشتوں کی بنائی گئی تھیں ہمارے پاس اس کی کوئی تصدیق حضرت موسےٰ علیہ السلام کے زمانہ کی نہیں ہے۔ نہ توریت کا کوئی نسخہ اس زمانہ کا یا اس کی نقل دنیا میں موجود ہے۔ موجودہ توریت کو حضرت عزیر نے حضرت موسےٰ علیہ السلام سے پونے سات سو سال بعد اپنی یادداشت سے تحریر کیا۔ حضرت عزیز بابل میں مقید رہے تھے جب بخت نصر شہنشاہ بابل (Nebo-chadnaza بیت المقدس کو تباہ کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کی مسجد کو تباہ و برباد کر کے بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ وہاں سے رہائی ۵۳۹ھ قبل مسیح ہوئی اس وقت حضرت عزیر نے یہ کتابیں جو حضرت موسےٰ کے نام سے موسوم ہیں تحریر کرائیں۔ لازمی ہے کہ حضرت عزیز کے اوپر بنی اسرائیل کے ساتھ ستر سال بابل میں رہنے سے وہاں کے مذاہب کا بڑا اثر پڑا اور بہت باتیں ان پانچوں کتابوں میں اور حضرت یوشوا وغیرہ کی کتابوں میں بابل کے مذاہب کی باتیں درج ہو گئیں۔ ایک بھی نسخہ عبرانی زبان کا اس زمانہ کا موجود نہیں۔ لہٰذا ان کتابوں کو حضرت موسیٰ کی کتابیں کہنا بالکل غلط ہے۔ حضرت موسیٰ پر بھی وحی وقتاً فوقتاً آتی رہی اس لیے اس کی شکل مثل قرآن ہونی چاہیئے تھی لیکن برخلاف اس کے ان کتابوں

سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کاتب نے بطور کتاب لکھی ہیں نہ کہ مجموعہ وحی کا ہے۔ لہذا ہم اس کو آسانی سے باور نہیں کر سکتے کہ حضرت موسےٰ نے فرشتوں کی مورتیاں سونے کی بنوا کر کشتی پر جو سونے کی تھی نصب کری تھیں۔ ایک پیغمبر اور خاص کر حضرت موسےٰ علیہ السلام سے ایسا فعل قابل یقین نہیں ہے۔ قرآن پاک میں جو ملائک کا تخیل ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان قوتوں سے مراد ہے جن کے ذریعہ سے لامحدود قوت اس کائنات کو قائم کیے ہوئے ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور قوتیں ہیں جن کا تعلق کائنات کے وجود یا قیام سے نہیں وہ منفرب بلاگاہ ہیں اس کی تشریح بھی کی جائے گی۔ چونکہ مجوسیوں میں ایک قسم کی بت پرستی تھی اس لئے وہ قوتوں کو بھی جسمانی شکل دے کر ہی سمجھ سکتے تھے جس طرح اہل ہنود کے بعض فرقوں میں دیوتاؤں کے بت ہیں۔ درحقیقت یہ دیوتا مختلف قسم کی قوتوں کے نام ہیں لیکن جاہل آدمی کو سمجھانے کے واسطے ان کو شکلیں دے دی گئی ہیں بجائے اس کے کہ جاہل کو عالم بنائیں اور زیادہ جاہل اس لئے بنا دیا گیا تاکہ پجاریوں کا اور زیادہ اثر قائم رہے۔ ہم جن کو مذہبی زبان میں فرشتہ یا ملائک کہتے ہیں سائنس کی زبان میں ان کو قوت یا Forces کہا جاتا ہے۔ تخیل ایک ہی ہے صرف لفظ کا فرق ہے جس کی وجہ سے جاہل یا کم تعلیم یافتہ طبقہ دقت میں پڑ گیا۔ ہر قسم کے علم دان عالم کے واسطے اور صوفیاء کے واسطے کوئی مشکل اس کے سمجھنے میں نہیں ہوئی۔ لہذا ہم ان سب قوتوں پر غور کریں گے جو ہم کائنات کے بنانے اور بگاڑنے میں اور ایک چیز کو دوسری چیز میں تبدیل کرنے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

روشنی کیا ہے

روشنی کیا ہے اس پر تھوڑا سا غور کرنے سے آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔
جب کوئی چیز جلتی ہے یعنی اس میں اور اس کی ساخت میں کیمیائی تغیر پیدا ہوتا ہے تو حدت پیدا ہوتی ہے اور یہ حدت اس میں سے خارج ہوتی ہے اور ہر طرف کو پھیلتی ہے۔ جس قدر تیز آنچ ہوگی اسی قدر زیادہ حدت خارج ہوگی اور جس قدر حدت ہوگی اسی قدر تیز روشنی ہوگی۔ لکڑی کی آگ میں اور کوئلہ کی آگ میں اور تیل کی آگ میں فرق ہوتا ہے اور اگر گیس بھی ملادی جائے تو اس میں اور زیادہ فرق ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان آگوں سے جو شعلے یا حدت نکلتی ہے ان میں سے ہر ایک کی روشنی جدا ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ حدت بشکل روشنی خارج ہوتی ہے اور روشنی بھی لہروں کے پیدا ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ حدت جب خارج ہوتی ہے تو وہ ایک خاص قوت میں یا جس کو ایتھر کہتے ہیں لہریں پیدا کر دیتی ہے۔ جیسے کہ آدمی کے منہ سے قوت کے اخراج سے مختلف قسم کے دھکے جو ہوا میں لگتے ہیں ان سے ہوا میں لہریں پیدا ہو کر وہ آدمی کی آواز بنجاتی ہیں۔ کلہاڑی ہتھوڑی۔ ڈنڈا مارنے سے جدا جدا قسم کی لہریں ہوا میں پیدا ہوتی ہیں اور جب یہ لہریں ہمارے کان کے ڈھول پر ٹکراتی ہیں ہم ان کو سنتے ہیں۔ اسی طرح روشنی کی لہریں ہماری آنکھ میں ہو کر جب آنکھ کے ریٹینا پر لگتی ہیں تو ہم اس چیز کو دیکھتے ہیں جس پر ٹکرا کر یہ روشنی کی لہر ہماری آنکھ میں واپس آتی ہے۔ ہمارا کسی چیز کو دیکھنا اسلئے ہوتا ہے کہ روشنی کی لہریں جب اس

پڑ ٹکرا کر واپس ہوتی۔ اور ہماری آنکھ کی سیدھ میں آتی ہیں تو یہ ہماری آنکھ کی پتلی میں ہو کر ہمارے ریٹینا پر پہنچ کر اثر کرتی ہیں اور ہم اس کو دیکھتے ہیں اس کی زیادہ تشریح کی اس کتاب میں ضرورت نہیں جو اس پر مزید معلوم کرنا چاہیں وہ اس مضمون کی کتابت کا مطالعہ کریں۔ روشنی کی لہریں ہمیشہ ان چیزوں پر پڑ کر لوٹتی ہیں جو مادہ کی ہوتی ہیں۔ بغیر مادہ چیز کسی انسانی آنکھوں کو نظر نہیں آسکتی۔ بھوت پلیت جنات کو دیکھنے کے قصے یا تو دماغی خرابی کا سبب ہوتے ہیں یا اس آدمی کے خیالات کا نتیجہ جو ان کو دیکھے یا شعبدہ بازوں کے ٹھگائی کا ذریعہ۔ بعض شعبدہ باز قرآن پاک کی آیتوں میں سے لفظ اپنی لے کر اس سے بے وقوفوں کے ٹھگنے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ایک شخص جو طرح طرح کی آوازیں نکال سکتا تھا وہ اندھیرے میں جنات کو بلا دیتا تھا اور جن سریانی زبان صرف بولتے تھے جس کو صرف یہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ خود ہی جن کی بولی بولتا تھا اور خود اس کا جواب اردو میں دیتا تھا۔ جو لوگ اندھیرے میں بیٹھے ہوتے تھے وہ یقین کر لیتے تھے چونکہ وہ سریانی زبان سے ناواقف ہوتے تھے۔ یہ خود بھی سریانی نہیں بولتا تھا بلکہ چند الفاظ گھڑ لئے تھے جنکو سریانی کہتا تھا جن کا نام یعقوب بتاتا تھا اور وہ السلام علیکم کہتا تھا۔ بے چارے جاہلوں کو خوب ٹھگتا تھا۔

رنگ جو ہم کو نظر آتے ہیں ان کی وجہ یہ ہے سورج کی روشنی یا سفید روشنی جو کہ بہت رنگ کا مرکب ہے۔ جب کسی چیز پر پڑتی ہے تو وہ چیز بہت سے رنگ کی روشنی کی شعاؤں کو جذب کر لیتی ہے اور ایک رنگ کو جذب نہیں کرتی اس لئے اس کا وہی رنگ نظر آتا ہے جو یہ جذب نہیں کرتی۔ سیاہ چیز

سب کو جذب کر لیتی ہے اس لیے اس میں کوئی رنگ نہیں ہوتا اور ساری روشنی کی شعاعیں جذب ہو جانے سے وہ سیاہ یعنی بغیر روشنی کی نظر آتی ہے۔ جیسے اندھیری رات۔ جب روشنی کی لہریں ایک موٹائی میں سے دوسری موٹائی میں آتی ہیں تو وہ ٹیڑھی ہو جاتی ہیں ورنہ سیدھی چلتی ہیں مثلاً جب ہوا میں سے پانی میں لہریں منتقل ہوں تو ٹیڑھی ہو جاتی ہیں۔ ہر قسم کی روشنی کی لہریں جدا ہوتی ہیں۔ سبز رنگ۔ کاسنی رنگ۔ سرخ رنگ۔ اودا رنگ۔ نارنجی رنگ وغیرہ کے رنگوں کی لہروں میں فرق ہوتا ہے۔ کوئی بڑی اور کوئی چھوٹی اور ان کے مرکب کی لہر اور ہو جاتی ہے جیسے آواز کی لہریں سروں کے اونچے نیچے سے جدا جدا ہوتی ہیں۔ سا۔ رے۔ گا۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی۔ سا۔ جو سُر ہیں ان کی آواز اونچی نیچی اس واسطے ہوتی ہے کہ ان کی لہریں ہوا میں چھوٹی بڑی ہوتی ہیں ان کو جب الٹ کر بجایا جائے تو۔ سا۔ نی۔ دھا۔ پا۔ ما۔ گا۔ رے۔ سا ہو جاتا ہے اور اونچے نیچے سُر ہوتے جاتے ہیں۔ اسی طرح سے روشنی کی لہریں چھوٹی بڑی ہونے سے مختلف رنگ نظر آتے ہیں جس سے اونچے نیچے سروں سے آواز پہچانی جاتی ہے۔

روشنی کی لہریں ایتھر میں پیدا ہوتی ہیں جو ہر جگہ موجود ہے ایٹم کے اندر بھی ہے

آواز کی لہریں ہوا میں پیدا ہوتی ہیں اور کان پر لگتی ہیں۔ لیکن روشنی کی لہریں ایک ایسی چیز میں پیدا ہوتی ہیں جس کی اصلیت کو کوئی نہیں جانتا لیکن یہ چیز کائنات

میں ہر جگہ موجود ہے جس قدر ہم کو خلا آسمانی نظر آتا ہے جس میں آسمانی کرہ جات گردش کرتے اور جس کو قرآن پاک میں فلک کہا۔ جیسے کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ۔ یعنی سب ستارے و سیارے آسمانوں میں گھومتے ہیں۔ خلا تو وہ جگہ ہوتی ہے جہاں کچھ نہ ہو۔ لیکن درحقیقت خلا سے مراد وہ لی جاتی ہے جہاں ہوا نہ ہو۔ ہماری ہوا تو زمین سے ایک سو پچاس میل بلندی تک ہے اور اس کے تھوڑے اوپر تک اور مادہ ہوا سے رقیق ہے جس میں انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس سے تھوڑے اوپر اور زیادہ رقیق۔ پھر کوئی مادہ نہیں صرف خلا کہلاتا ہے۔

سورج ہم سے نو کروڑ اٹھائیس لاکھ میل دور ہے اور ہماری دنیا کی ہوا وغیرہ سب ملا کر صرف ڈیڑھ سو میل ہے جو دنیا کو بطور چھلکے کے ڈھکے ہوئے ہے اور دنیا کے ساتھ گردش کرتی ہے اس کے بعد سب خلا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ خلا نہیں ہے اس میں ہر جگہ وہ قوت موجود ہے جس میں روشنی کی لہریں پیدا ہوتی ہیں اور چلتی ہیں۔ لہریں بغیر کسی چیز کے پیدا نہیں ہو سکتیں۔ یہ قوت صرف خلا میں ہی موجود نہیں بلکہ ہر ایٹم میں موجود ہے الکٹرون جو پڑوٹون کے گرد چکر لگاتا ہے وہ وہ بھی اس میں چکر لگاتا ہے اور الکٹرون اور پروٹون کے درمیان جو خلا ہے وہ الکٹرون سے ایک لاکھ گنا بڑی ہے۔ الکٹرون کا بھی فلک ہے جیسے ہمارا افلاک وہ ہے جس میں دنیا گردش کرتی ہے۔ یہ قوت ساری دوسری قوتوں سے زیادہ وسیع ہے چونکہ ان دور افتادہ نیبولا سے بھی روشنی اس میں ہو کر ہم تک آتی ہے جہاں سے بلیس پچیس کروڑ سال میں روشنی ہم تک پہنچتی ہے اور یہ تمام مادہ کے اندر بھی موجود ہے چونکہ الکٹرون بھی اس میں گردش کرتے ہیں اور روشنی کی شعاعیں جو

اس قدر چھوٹی ہیں کہ جن کی روشنی ہم نہیں دیکھ سکتے وہ ہمارے جسم میں ہو کر نکل جاتی ہیں جن کو اکسس (X) رے کہتے ہیں۔ ان سے ہمارے جسم کے اندر کا فوٹو لیا جاتا ہے یہ شعاعیں آدمی کا جسم تو درکنار سیسہ کی موٹی دیوار میں سے بھی پار ہو جاتی ہیں۔ ہمارا علم چونکہ ابھی مکمل نہیں اور اللہ تعالیٰ صرف اسی قدر انسان کو بتاتا ہے جس کا وہ اہل ہوتا جاتا ہے اس لئے ہم اس قوت کو ابھی تک ٹھیک نہیں سمجھ سکے ممکن ہے آئندہ سمجھیں لیکن یہی قوت شدید القویٰ ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔ ہر الکٹرون کے گھومنے کا علم اس کو ہے۔ زمین میں تحت الثریٰ تک کا علم اس کو ہے اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کا علم اس کو ہے اور یہی خبر رسان ایجنسی ہے اور وہ لامحدود قوت جس کا علم لامحدود ہے اس کا یہ ایک جزو ہے اس لامحدود طاقت نے اس شدید القویٰ طاقت کو اس لئے بنایا ہے کہ اس کے ذریعہ اس کو ہر چیز کا علم ہو جائے اور اس کے ذریعہ تمام پیغامات پہنچائے جن کی تفصیل آگے ہو گی۔ اس قوت کا فرضی نام سائنس میں ایتھر Ether مقرر کر لیا ہے لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ایتھر کس قسم کی قوت ہے اور نہ اس سے آدمی کوئی کام لے سکا جیسا کہ بجلی یا مقناطیس سے لیا جاتا ہے البتہ ولی اللہ اس سے کام لیتے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔

کاسمک ریز یعنی وہ شعاعیں جو فضا میں ہیں

ایک قوت فضا میں اور موجود ہے جس کو کاسمک ریز cosmic Rays یعنی فضا کی شعاعیں کہتے ہیں ان شعاعوں میں یہ اثر ہے کہ یہ ہم کو ایک سیکنڈ

کے سوویں حصہ میں جلا کر خاکستر کر سکتی ہیں لیکن ہماری ہوا نے ہم کو ان کی زد سے بچا رکھا ہے۔ ابھی تک سائنس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ شعاعیں کہاں سے آتی ہیں اور ان کا مخرج کیا ہے اور صانع قدرت نے ان کو کس کام کے واسطے بنایا ہے آیا یہ کائنات کے بنانے میں کام آتی ہیں یا بگاڑنے میں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ آیا انہی کاسمک ریزیں سے ہی پہلا بڑا ہیولا بنایا گیا تھا یا نہیں۔ کیا بجلی کی دو قوتوں کا ظہور اس میں رگڑ لگنے سے پیدا ہوتا ہے یا کہاں سے آتا ہے۔ بہر حال سائنس دان آدمی اس میں مشغول ہیں کیا اچھا ہو کہ پاکستانی اس کی اصلیت معلوم کرنے میں سب سے سبقت لے جائیں۔ بہر حال یہ بہت بڑی قوت ہے جو تمام کائنات میں بطور شعاعوں کے پھیلی ہے۔ اگرچہ ہماری آنکھیں اپنی ساخت کی محدودی کی وجہ سے اس کی روشنی نہیں دیکھ سکتیں تاہم ان شعاعوں کی روشنی موجود ہے جو ہماری روح اس قفس سے جس کو جسم کہتے ہیں آزاد ہو جانے پر اور ان حدود سے جو جسمانی ساخت کی وجہ سے ہماری روح پر عاید ہیں آزاد ہونے پر ممکن ہے دیکھ سکے اللہ تعالےٰ بھی ۔ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے یعنی زمین اور آسمانوں کی روشنی لیکن ہم اس روشنی کو بھی نہیں دیکھ سکتے کاسمک شعاعوں کی لہریں بہت ہی چھوٹی ہوتی ہیں اس لئے ان کو آلہ سے بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔

نیلی چھتری آسمان نہیں نہ یہ کوئی شئے ہے

یہ نیلی چھتری جس کو ہم آسمان کہتے ہیں یہ کوئی شئے نہیں ہے۔ یہ ہم بنا

چکے کہ مختلف رنگ کی روشنی کی لہریں جدا ہوتی ہیں اور سورج میں ظاہرا سفید روشنی نکلتی ہے لیکن درحقیقت یہ ان رنگوں کا مجموعہ ہے جو قوس قزح میں نظر آتے ہیں۔ بعض لہریں دور تک جاتی ہیں یعنی اسی حالت میں رہتی ہیں جن سے وہ رنگ نظر آئے جس کی یہ لہریں ہیں کچھ فاصلہ کے بعد اس قدر پھیل جاتی ہیں کہ ان سے رنگ نظر نہیں آتے۔ نیلی شعاعیں سب سے اونچی جاتی ہیں لہذا جب سورج کی روشنی ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے تو دنیا سے اوپر کچھ دیر تک سورج غروب ہونے کے بعد ہم کو تھوڑی تھوڑی سب قسم کی شعاعیں نظر آتی ہیں لیکن تھوڑی دیر بعد جب بالکل اندھیرا ہو جائے تو صرف وہ شعاعیں نظر آتی ہیں جو سب سے اونچی جاتی ہیں یعنی نیلی۔ درحقیقت کوئی شے نیلی نہیں ہے بلکہ اندھیرا ہے جہاں روشنی نہیں ہے مگر اس اندھیرے میں جس حد تک نیلی شعاعیں پہنچتی ہیں وہاں ہم کو نیلا رنگ نظر آتا ہے۔ برسات کے زمانہ میں آسمان کا رنگ بعض وقت سبزی مائل نظر آتا ہے بعض وقت کچھ حصہ سبز کچھ اودا کچھ نیلا نظر آتا ہے اگر یہ کوئی شے نیلی ہوتی تو ہمیشہ نیلی نظر آتی لیکن یہ رنگ بدلتے ہیں۔ شفق بھی پھولتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بہت ہلکا ہلکا بادل مختلف بلندیوں پر ہوتا ہے تو ان پر وہ شعاعیں پڑتی ہیں جو اس بلندی پر پہنچتی ہیں اور سورج کی ان شعاعوں کے رنگ ہم کو نظر آتے ہیں یہی وجہ آسمان کے رنگوں میں تبدیلی کا ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ ہم نے عقل مند آدمی کے واسطے آسمانوں اور دنیا کی پیدائش میں بہت نشانیاں دی ہیں جن سے وہ پیدا کرنے والے کو سمجھے۔ لہذا ان کا سمجھنا ہر سمجھ دار کا کام ہے اور جو نہ سمجھنا چاہے اس کو مثل اندھے

کو سما کھا بنانا ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ
قسم ہے آسمان کی جس میں بہت راستے ہیں۔ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
اور آسمان سے پانی برساتا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ
طَرَآئِقَ۔ اور ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے۔ كُلٌّ فِي فَلَكٍ
يَّسْبَحُوْنَ۔ تمام سورج چاند ستارے سیارے وغیرہ فلک پر گول دائرہ میں
گھومتے ہیں وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ۔
ہم نے آسمان پر برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے آسمان کو خوشنما بنایا۔

آج کل دوربین سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر برج کے ستارے ایک دوسرے سے بہت اونچے اور بہت فاصلہ پر ہیں۔ اگر ایک ستارہ کی بلندی اس قدر ہے کہ اس سے ہم تک روشنی ایک ہزار سال میں آتی ہے تو دوسرے سے روشنی پچاس ہزار سال میں اور ستاروں کے گچھے اور ان Nebula کی پیٹی میں جو بیچ کا ستارہ ہے وہ درحقیقت ایک بڑا عالم مثل ہمارے عالم کے ہے اور اس سے روشنی تقریباً بیس کروڑ سال میں آتی ہے۔ اگر یہ نیلا پردہ حائل ہوتا تو یہ مختلف بلندیوں سے روشنی ہم تک کیوں کر آتی۔ جاہل قوموں میں تو آسمان اس نیلی چھتری کو مانتے ہی تھے۔ اب تک بھی آسٹریلیا، انڈونیشیا کے اور بحر الکاہل کے جزیروں کے جنگلی قبائلی لوگ۔ آسام کی پہاڑیوں کے ناگا قبائلی یہ سمجھتے ہیں کہ آسمان پردہ بڑی طاقت والا بیٹھا ہے جو سب کا مالک ہے۔ مصری لوگ جنہوں نے دنیا میں قدیم زمانہ میں بہت ترقی کی تھی وہ بھی مرنے کے بعد یہ سمجھتے تھے کہ وہ سورج دیوتا میں چلے جائیں گے۔ جو چوتھے آسمان پر ہے۔ ان اوہام پرست یا جاہل

قوموں کے خیالات کا بہت بڑا اثر عیسائیوں پر ہوا جو زیادہ تر اوہام پرست سورج پرست۔ ملحد اور جاہل طبقہ جات سے عیسائی ہوئے تھے اور ان کے واسطے یہ کافی تھا کہ بجائے سورج دیوتا کے عیسےٰ کو تبدیل کر دیا گیا۔ اس معمولی تبدیلی سے ان کے اعتقادات میں فرق نہ ہوا اور خواہ رک خدا کا بیٹا ہو یا عیسےٰ اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس لئے عیسائی مذہب بجائے یہودیوں میں پھیلنے کے جن کے واسطے آیا تھا دوسری قوموں میں پھیلا۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی تلقین کے بالکل خلاف اعتقادات پھیلائے گئے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو سورج دیوتا کی بجائے خدا کا بیٹا قرار دے دیا اور یہ مشہور کر دیا کہ وہ آسمان پر اڑ گئے اور مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر قبر سے نکلے اور دو تین دن اپنے حواریوں سے ملنے کے بعد اور ان کو اپنے زخم دکھانے کے بعد اور ان سے بھوک لگنے کے بعد ابلی ہوئی مچھلی اور شہد لے کر کھانے کے بعد اپنے باپ کے پاس آسمان پر چلے گئے اور باپ کے پاس داہنے ہاتھ پر تخت پہ جا بیٹھے اور وہاں سے حکومت کر رہے ہیں اور اپنا خون بہا کر لوگوں کے گناہ معاف کرا دیئے۔ یہ سب اعتقادات اسلام کے خلاف ہیں۔ ان خیالات کا بڑا اثر اکثر مفسرین قران پر اور ان مسلمانوں پر پڑا جو قرآن پاک کے معنے سمجھنے سے قاصر تھے اور کم تعلیم یافتہ تھے یا چند کتابوں کو پڑھ کر بالکل جاہل طبقہ کو تعلیم دینے والے بن گئے تھے۔ اس وقت صرف یہ کہنا کافی ہے کہ آسمان کوئی جگہ نہیں جہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام اڑ کر چلے گئے ہوں نہ اسلام میں اللہ تعالےٰ کوئی ایسی محدود ہستی ہے جس کا کوئی مقام خاص ہو جس کے پاس یہ پہنچ گئے ہوں۔ جسمانی حالت میں نہیں

جا سکتے لیکن جس طرح اور انبیاء گئے وہ بھی گئے اس کی تفصیل قرآن پاک کی آیات سے آگے چلکر کی جائے گی۔ اس وقت صرف وہ آیات کچھ دے دی گئی ہیں جن سے آسمان اور زمین کی ساخت معلوم ہو جائے جس کے غور کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب عقل کو دیا ہے جو کہ آیات ۱۹۰ و ۱۹۱ سورۃ آل عمران میں ہیں اور اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ مسلمانوں کے عقائد کا دارو مدار قرآن پاک پر ہے جس کی تصدیق سائنس سے ہوتی ہے نہ کہ ان روایات پر جو کفار سے منتقل ہو کر جاہلوں میں آگئی ہیں۔

قوت کیمیائی۔ ایک کی فنا سے دوسرے کی بقا

مادہ اور قوتیں شکل تبدیل کرتی ہیں

صانع قدرت نے ایک قوت ایسی بنائی ہے جو ایک چیز کو دوسری میں تبدیل کر دیتی ہے اور کئی چیزوں کو ملا کر ایک بالکل نئی چیز بنا دیتی ہے یہ قوت کیمیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دو گیس مل کر پانی بن جاتا ہے۔ یہی پانی بھاپ کی شکل بادل کی شکل۔ بارش کی شکل۔ اولے کی شکل۔ برف کی شکل اختیار کرتا ہے۔ یہی پانی زمین میں جذب ہو کر ایک پودے کے اندر اس کے عرق کی شکل میں تبدیل ہو کر اس کی نشو نما کرتا ہے۔ انسان کے جسم میں غذا کو ہضم کرتا ہے اور طرح طرح کے کام پانی سے لئے جاتے ہیں بغیر بجھے چونہ کی ڈلیوں پر جب پانی پڑتا ہے تو ایک سخت تپش نکلتی ہے اور پانی ابلنے لگتا ہے چونکہ چونے کے اجزا میں

تبدیلی واقع ہوتی ہے اور پانی کے اجزاء ان کو تبدیل کرتے ہیں اس کیمیائی فعل سے
تبدیلی واقع ہوتی ہے اور حدت جو اس میں پنہاں ہوتی ہے وہ خارج ہوتی۔ اس
طرح کوئلہ۔ شورا۔ اور گندھک کو علیحدہ علیحدہ اگر جلایا جائے ان میں یہ قوت نہیں
ہوتی جو ان تینوں کے ملنے سے بارود میں ہوتی ہے۔ بارود میں قوت یعنی Energy
بہت ہوتی ہے اور بارود کے جلنے سے وہ Energy خارج ہوتی ہے اور بندوق
کی گولی کو دور پھینکتی ہے۔ نیلا تھوتھا یعنی تانبہ۔ گندھک اور آکسیجن کے ملنے سے
بنتا ہے۔ نمک معمولی کیلشیم اور کلورین گیس کے ملنے سے بنتا ہے۔ غرضکہ جس
قدر مرکبات ہیں وہ دو یا زیادہ مفردات عناصر کے ملنے سے بنتے ہیں اور ان کو
قوت کیمیائی جوڑے رکھتی ہے۔ جب ان اجزاء کو علیحدہ کیا جائے۔ تو وہ بشکل حدت
یا اور شکل میں خارج ہوتی ہے۔ اس سے ہم کو ایک اصول معلوم ہو گیا جو کائنات
بھر میں موجود ہے اور کائنات کی ساخت میں صانع قدرت نے استعمال کیا ہے۔
وہ یہ ہے کہ ایک چیز کی فنا سے دوسری چیز کی بقا ہوتی ہے۔ بغیر کسی کی فنا کے کوئی
چیز بقا میں نہیں آتی۔ جب دو چیزیں مل کر تیسری چیز بنتی ہے تو ان دو کی فنا ہوتی
ہے اور اس نئی چیز کی بقا۔ یہ اصول کائنات میں ہر جگہ اور ہر چیز میں
موجود ہے۔ درخت کا بیج یا گٹھلی۔ اناج کا دانہ جب زمین میں بویا جائے تو وہ پھٹتا
ہے اور زمین کے اندر کے اجزاء اس میں ملتے ہیں اس سے درخت بنتا ہے یا پودا
اگتا ہے۔ گٹھلی یا دانہ کی فنا اور زمین کے اجزاء کی فنا سے درخت کی بقا ہوتی ہے
اور یہ اصول إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ط تحقیق اللہ ہی دانہ کو اور
کھجور کی گٹھلی کو پھاڑتا ہے۔ میں ظاہر ہے۔ جب کیمیائی قوت گٹھلی یا دانہ پر جو زمین

میں دبایا جاتا ہے اپنا فعل کرنے لگتی ہے تو دانہ بھی پھٹ کر فنا ہوتا ہے اور ساتھ ہی وہ اجزا جو زمین میں موجود ہوتے اور اس کیمیائی فعل میں حصہ لیتے ہیں فنا ہو جاتے ہیں اور ان کا مجموعہ درخت کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ گٹھلی یا دانہ جڑ بن جاتی ہے جو متواتر ضروری مواد مہیا کرتی ہے اور زمین سے وہ اجزا نکلتے رہتے ہیں جن سے یہ درخت زندہ رہے اور ہرا رہ کر بڑھے اور پھل پھول دیتا ہے۔ جس وقت جڑ میں سے مواد ختم ہو جائے یا زمین میں طاقت ضروری اجزاء کے دینے کی نہ رہے اسوقت یہ درخت سوکھ جاتا ہے اور پھل پھول آنے بند ہو جاتے ہیں اور پھر ایک لکڑ ہو جاتا ہے جو جلانے کے کام آئے۔ اسی طرح جو غذا انسان کھاتا ہے وہ ہضم ہونے پر آدمی کا خون۔ بلغم وغیرہ بن کر بقیہ فاضل چیز جسم سے خارج ہو جاتی ہے لہٰذا انسان کے جسم کی بقا اس غذا کی فنا سے ہوتی ہے جو وہ کھاتا ہے۔ بغیر غذا کی فنا کے انسان کی بقا نہیں ہوتی۔ اسی طرح انسان کے خون کی فنا سے تخم انسانی بنتا ہے اور اس تخم کی فنا عورت کے رحم میں جاکر ہوتی ہے۔ یہ تخم اور عورت کا مواد مل کر ایک کیمیائی فعل شروع کر دیتے ہیں اور اس تخم میں عورت کے خون سے تبدیلیاں شروع ہو جاتی ہیں حتےٰ کہ دوسو ستّر دن میں بچہ مکمل ہو جاتا ہے اور جس طرح آم۔ سیب۔ سنترہ وغیرہ پھل پک جانے پر درخت سے گر جاتے ہیں اسی طرح آدمی کا بچہ بھی شکم مادر سے باہر آجاتا ہے۔ اسی طرح انڈے میں بچہ بن کر چھلکے کو توڑ کر باہر آتا ہے۔ اس کیمیائی فعل کو قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ المومنون۔ آیات ۱۲ لغایت ۱۶ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي

قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً
فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا
فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ۝ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبَارَكَ
اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝
ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝

اور تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی میں سے نکلے ہوئے ست سے۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ کی شکل میں محفوظ مقام پر (یعنی ماں کے رحم میں) رکھ دیا۔ پھر نطفہ کو خون کا لوتھڑا کر دیا۔ پھر لوتھڑے کو مضغہ گوشت کر دیا۔ پھر مضغہ گوشت سے ہڈیاں بنائیں اور اوپر گوشت چڑھایا۔ پھر اس سے دوسرا آدمی بنایا۔ پس بڑائی ہو اللہ کی جو بہترین بنانے والا ہے۔ پھر کچھ دن کے بعد تم مر جاؤ گے۔ پھر قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ ان آیات سے یہ ثابت ہے کہ جو کچھ کام کیمیائی قوت ان تغیرات میں کرتی ہے وہ اس بڑی قوت کے حکم سے یعنی اس کے بنائے ہوئے اصول کے مطابق کرتی ہے اور اس قوت کو صانع قدرت نے اسی لئے بنایا ہے کہ اس کے ذریعہ تبدیلیاں کرنے کا کام لے اور کائنات کو قائم رکھنے اور بنانے میں اور اس میں تبدیلیاں کرنے میں اس قوت کو استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا کائنات میں بہت دخل ہے۔ انسان کی بقا بغیر ان اشیاء کی فنا کے نہیں ہوتی جو زمین سے پیدا ہوں چاہے وہ بشکل ترکاری ہوں یا پھل ہوں یا گوشت کے جانور ہوں۔ ہر جانور جس کا گوشت کھایا جائے وہ بھی زمین سے پیدا شدہ چیزوں سے بنتا اور بڑھتا ہے۔ لہذا ایک کی فنا سے دوسرے کی بقا ہے۔ ان آیات کا

مفہوم مولانا جلال الدین رومی نے بہت اچھے اشعار میں لکھا ہے۔

از جمادی مردم و نامی شدم | واز نما مردم بحیوان سر زدم
مردم از حیوانی و آدم شدم | پس چہ ترسم کہ زمردن کم شوم
حملہ دیگر چو میرم از بشر | تا بر آرم از ملائک بال و پر
بارِ دیگر از ملک پراں شوم | آنچہ اندر وہم نہ آید آں شوم
پس عدم گردم عدم چوں ارغنون | گویدم کانا الیہ راجعون

آخری تین اشعار کی تشریح آئندہ ہوگی اس وقت یہ کہہ دینا کافی ہے کہ مولانا روم اس اصول کو کہ ایک کی فنا سے دوسرے کی بقا ہوتی ہے خوب اچھی طرح سمجھتے تھے اور نہایت جامع الفاظ میں ان کا اظہار کیا ہے۔

جب ہم کھانا پکاتے ہیں۔ اور اگر گوشت میں گھی اور مسالہ ملاتے ہیں تو آگ کی حدت ان سب کو ملا کر سالن بنا دیتی ہے۔ گیہوں کے پسنے سے اس کی فنا اور آٹا کی بقا ہوتی ہے اور آٹا کی فنا سے روٹی کی بقا۔ روٹی کی فنا سے انسان کے جسم میں جن اجزاء کی ضرورت ہوتی ان کی بقا اور غیر ضروری مواد کے اخراج سے جسکو فضلا کہتے ہیں اس کی بقا۔ اس فضلا کی فنا سے کھاد کی بقا اور کھاد کی فنا سے ان اجزاء کی بقا جو زمین کو پیداوار کی طاقت بخشیں۔ پھر ان کی فنا سے دوبارہ اناج و درخت وغیرہ کی پیداوار۔ یہ اصول صانع قدرت نے کائنات کی ہر چیز کے واسطے بنایا ہے اور تمام کائنات کو مٹا کر یا فنا کر کے پھر ایسی یا اس سے مختلف قسم کی کائنات بنانے کا اختیار اپنے ہاتھ میں یعنی اپنے اختیار میں رکھا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت ۹۹۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اس میں یہ بھی طاقت ہے کہ وہ دوبارہ ایسی کائنات از سر نو بنائے۔ اس نے ان کے (یعنی جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین کے) واسطے ایک میعاد مقرر کر دی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن گنہگار اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالے نے کل کائنات کو مٹا کر پھر دوسری کائنات بنانے کا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اس کو مفصل طور پر قیامت کے ذکر کے تحت بیان کیا جائے گا لیکن اس وقت یہ سمجھنا ہے کہ ایک کی فنا سے دوسرے کی بقا کا اصول محدود اس کائنات پر ہی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالے اگر چاہے گا تو اس اصول کو قائم اور جاری رکھے گا۔ ایک کائنات کو مٹا کر دوسری کائنات بنایا کرے گا یہ اس کی طاقت اور اختیار ہے۔ ہماری زندگی دنیا میں بہت قلیل عرصہ کی ہوتی ہے اگرچہ ہم اس کو بہت سمجھتے ہیں اس قلیل عرصہ میں ہم بہت تغیرات دیکھتے ہیں۔ خود اپنی پیدائش کا ماں کے پیٹ میں نشوونما کا حال قرآن پاک کی آیات سورۃ المومنون سے معلوم ہو گیا۔ انسان کا جسم جب ماں کے پیٹ میں پرورش پانے لگتا ہے تو بنانے والے کی کاریگری کا خیال کیا جائے ہزارہا رگیں اور نسیں جسم میں بنتی ہیں جس میں خون دوڑتا ہے اور گوشت اور پوست کو بناتا ہے اور قائم رکھتا ہے۔ معدہ کس طرح اپنا فعل شروع کرتا ہے۔ دل

کس طرح دھڑکتا ہے اور خون کو جسم کے ہر حصہ میں پہنچاتا ہے جو رگوں کے ذریعہ ہر حصہ جسم میں پہنچتا ہے۔ قوت اس جسم میں بڑھنے کی پیدا ہو جاتی ہے۔ کان۔ ناک۔ آنکھ کس طرح کام کرتے ہیں۔ دماغ کس طرح کام کرتا ہے۔ پیدا ہوتے ہی وہ ماں کا دودھ کھینچ کر پینے لگتا ہے دودھ کھینچنے کی عقل اس میں آجاتی ہے اور دنیا میں آتے ہی دیکھنے اور سننے لگتا ہے اس کے جسم کے سب اعضاء کام کرنے لگتے اور اس میں قوت کیمیائی کام کرتی ہے جو غذا کو ہضم کرے اور خون کو بڑھائے۔ دوسری قوت وہ کام کرتی ہے جو خون کو جسم میں پھیلاتی ہے۔ تیسری قوت جسم کو بڑھاتی ہے۔ چوتھی قوت جسم کے سب ایٹموں کو ایک جگہ جوڑے رکھتی ہے۔ پانچویں قوت مثل بجلی اور مقناطیس کے جسم میں کام کرتی ہے اور ان سب کے افعال سے ایک قوت کا نمود جسم میں ہوتا ہے جس کو روح کہتے ہیں۔ اس قوت کی وجہ سے آدمی میں عقل و فہم۔ سمجھ۔ تمیز اچھے برے کی آتی ہے اس سے حافظہ آتا ہے اس سے ایجادات کرتا ہے۔ اسی کی وجہ سے دیکھتا اور سنتا ہے۔ اسی کی وجہ سے چھوتا ہے اور چلتا ہے غرض کہ زندہ آدمی اسی کی وجہ سے کہلاتا ہے جب انسانی مشین میں خرابی ہو جائے اور مشین چلنی بند ہو جائے اور وہ قوتیں جو جسم میں کام کرتی ہیں کرنا بند کر دیں تو یہ قوت جو کہ قوت امتیاز ہے یعنی روح اس جسم میں نمودار ہونا بند ہو جاتی ہے جس طرح کہ بتایا گیا ہے کہ لوہے کی سلاخ اسی وقت تک مقناطیس بنی رہتی ہے جب تک کہ اس کے گرد لپٹے ہوئے تار میں بجلی کی قوت دوڑے۔ انسان کے جسم میں ان قوتوں کے جو خون کو پیدا کرتی اور جسم میں دوڑاتی ہیں ختم ہوتے ہی دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے اور آدمی مر جاتا ہے یعنی قوت

امتیاز اس میں سے غائب ہو جاتی ہے اور اس قوت کے غائب ہوتے ہی وہ وہ قوت مقناطیس جو جسم کے اجزا کو جوڑے ہوتی ہے غائب ہوتی ہے اور دوسری طرف کو چرخی چلنے لگتی ہے اور مقناطیس کے مخالف قوت کام کرنے لگتی ہے اور جسم کے حصے جدا ہونے لگتے ہیں اور جسم سڑنے لگتا ہے اور گوشت اور پوست ہڈیوں سے جدا ہو کر خاک ہو جاتا ہے اور کچھ عرصہ بعد ہڈیاں بھی خاک ہو جاتی ہیں۔ لہذا جسم جس چیز یعنی مٹی سے بنا تھا پھر مٹی ہو جاتا ہے۔ سورۃ المومنون کی آیات میں جو کہا گیا ہے کہ کچھ دن کے بعد مر جاؤ گے اور پھر دوبارہ اٹھائے جاؤ گے یہ جسم کی بابت ہے نہ کہ ان قوتوں کی بابت جو جسم میں کام کرتی ہیں اور نہ قوت امتیاز یعنی روح کے۔ روح کے بیان میں اس کو واضح کر دیا جائے گا جسم کی بابت ہی سورۃ واقعہ آیات ۶۰-۶۱۔ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝ عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

ہم نے تم سب کے لیے موت مقرر کر دی ہے اور ہم (اپنے اس ارادہ سے) نہ پھریں گے کہ تم کو دوبارہ اس صورت میں پیدا کریں جو تم نہیں جانتے۔ لہذا اس جسم کے فنا ہونے کے بعد یہ مٹی ہو جاتا ہے۔ اور قیامت کو جب دوبارہ اٹھایا جائے گا جیسا کہ سورۃ المومنون میں اوپر بیان ہوا ہے تو اس وقت کیا شکلیں ہوں گی کوئی نہیں کہہ سکتا جیسا کہ سورۃ واقعہ میں دیا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ فنا کے بعد دوسری بقا ملتی ہے۔ فنا کے معنی یہ نہیں ہیں۔ کہ کوئی مادہ بالکل غائب ہو جائے بلکہ فنا سے مطلب ہوتا ہے کہ کوئی شے اس حالت میں

نہ رہے بلکہ دوسری حالت میں تبدیل ہو جائے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ کوئی شخص فنا فی اللہ۔ فنا فی الرسول۔ فنا فی الشیخ ہو گیا تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اسی شخص میں سے اپنے پورانے عادات اور خیالات نکل گئے اور اب ہمہ تن وہ اللہ میں یعنی اللہ کے خیال میں رسول کے خیال میں یا اپنے پیر کے خیال میں بوجہ محبت اور عقیدتمندی کے مستغرق رہتا ہے۔ بہت سے چیزوں کو بقا میں آنے اور پھر فنا ہوتے ہم آسانی سے دیکھ لیتے ہیں۔ ایک پروانہ کی عمر ایک دن ہوتی ہے اس میں وہ پیدا ہوتا ہے بڑھتا ہے پر نکلتے ہیں اور پھر مر جاتا ہے۔ ایک موسمی پھول کا پودا کئی دن میں اگ جاتا ہے اور آٹھ دس دن بعد اس میں پتے اور پھول کی کلیاں آجاتی ہیں اور پھر نہایت خوش نما۔ ملائم چکنا پھول نکلتا ہے جس کے رنگ تیتری کے رنگوں کی طرح نہایت خوشنما ہوتے ہیں اور ایک رنگ کی آمیزش دوسرے رنگ سے اس قدر عمدہ اتار اور چڑھاو کے ساتھ ہوتی ہے کہ بہترین سے بہترین مصور بھی برش اور رنگوں سے کاغذ پر اس کا نمونہ نہیں بنا سکتا۔ ملائم اور چکنا مخمل سے زیادہ ہوتا ہے۔ دیکھنے والے کی عقل حیران ہوتی ہے کہ ایک ہی ٹہنی میں سے یہ پھول اتنے رنگوں والا کیسے نکلا جب کہ وہ عرق یا مواد جس سے یہ پیدا ہوتا ہے وہ ایک ہی ہے تو اس پھول میں طرح طرح کے رنگ اس عمدہ آمیزش سے کہاں سے آ گئے۔ لیکن یہ پھول دو دن بہار جانفزا دکھلا کر کمہلا جاتے ہیں اور خشک ہو کر زرد پڑ جاتے ہیں اور گر کر خاک ہو جاتے ہیں یہ پودا بھی سوکھ کر زرد ہو جاتا ہے اور بجائے ملائمیت کے اس میں سختی خشکی کی وجہ سے آجاتی

ہے اور پھر یہ بھی خاک ہو جاتا ہے اس طرح وہ خوب صورت دلربا پھول اور اس کا پودا کتنی دن میں ختم ہو جاتے اور اسی مٹی میں مل جاتے ہیں جس میں سے یہ نکلے تھے۔ نہ معلوم کتنے آدمیوں کے جسم کی خاک سے یہ پیدا ہوئے جیسا کہ سورۃ واقعہ میں اشارہ ہے۔ دوسرے درخت پھلوں کے ایسے ہوتے ہیں جو کچھ دن ہی زندہ رہتے ہیں جیسے خربوزہ۔ ککڑی وغیرہ کے درخت وہ بھی ایک فصل میں ختم ہو جاتے ہیں۔ قلمی آم۔ سنترہ۔ ناسپاتی۔ سیب وغیرہ کے درخت تیس سال علی العموم زندہ رہتے ہیں لیکن دیسی آم کا درخت نیب کا درخت سو سال زندہ رہتے ہیں۔ دیودار کا درخت دو سو سال رہتا ہے مگر چنار کا درخت جو کشمیر میں ہوتا ہے اس کا تنا اس قدر موٹا ہوتا ہے کہ اس کا دور پچیس فٹ تک ہوتا ہے ایسے درخت گاندربل میں ہیں جن کے تنے میں اتنی خلا ہے کہ ایک چھوٹا سا پلنگ بچھا دیا جائے اس کی عمر آدمی سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ برگد کا درخت اس قدر بڑا ہوتا ہے کہ اس کے سایہ کے نیچے پوری بارات کے آدمی بیٹھ جاتے ہیں اور اس میں جڑ کی طرح رسیاں لٹکتی رہتی ہیں جو گدیوں سے نکلتی ہیں اس کی عمر ہزاروں سال کی ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ وہ برگد کا درخت جس کے نیچے بیٹھ کر گوتم بدھ نے خدا کا دھیان کیا تھا وہ اب تک موجود ہے۔ لہذا ہم بعض پودوں کو پیدا ہوتے اور مرتے دیکھتے ہیں لیکن بعض کی تمام عمر ہم نہیں دیکھ سکتے درخت اگر زمین پر گر کر زمین میں دب جائے تو ایک لاکھ سال میں وہ بالکل پتھر ہو جاتا ہے۔ جس کو انگریزی میں (Fossil) کہتے ہیں اس قسم کا ایک بہت بڑا

درخت معہ شاخوں کے کلکتہ کے عجائب خانہ میں موجود ہے اس کے تنے کو آری سے کاٹا گیا تو وہ تمام رگیں اور جوہر جو درخت کی لکڑی میں ہوتے ہیں وہ اس میں موجود ہیں۔ پورا درخت پتھر ہو گیا ہے۔ لبنان کے پہاڑوں میں پتھروں کے اندر دبی ہوئی سالم مچھلیاں کچھ عرصہ ہوا نکلی ہیں اور ان کے فوٹو اخبارات میں آئے تھے۔ اس قدر اونچے پہاڑوں میں سے مچھلیاں سالم سوکھی ہوئی جو (Fossils) ہو گئی ہیں نکلنے سے معلوم ہوا کہ کسی وقت اس بلندی پر سمندر کا پانی تھا قیاس کیا جاتا ہے طوفان نوح ؑ کے زمانہ میں یہ مچھلیاں سمندر کی بلندی کی وجہ سے آ کر پتھروں میں اس طرح دب گئیں کہ ان کو ہوا قطعی نہیں لگی اور یہ پتھر ہو گئیں چونکہ (Fossils) ایک لاکھ سال سے کم میں نہیں ہوتا لہٰذا قیاس کیا گیا تھا کہ یہ مچھلیاں ایک لاکھ سال سے زیادہ وہاں دبی ہیں اور پتھر ہو گئیں ان کی کھالوں کے رنگ بالکل بدستور رہے۔ پتھر بھی گھستا رہتا ہے اور اس کا گھسا ہوا مادہ مٹی ہو جاتا ہے۔ پرانے مقابر کے ستون دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گھس کر پانی اور ہوا کے اثر سے کس قدر پتلے ہو گئے۔ ایک قسم کے پتھر کو پھنکنے سے سفید چونہ بن جاتا ہے دوسری قسم کے پتھر کو پھنکنے سے سیمنٹ بنتا ہے۔ غرض کہ کل مادہ ایک شکل سے دوسری میں متواتر تبدیل ہو رہا ہے خواہ یہ تبدیلیاں ہماری زندگی میں شروع ہو کر زندگی میں مکمل ہو جائیں یا ہماری زندگی سے زیادہ مدت درکار ہو۔ ریڈیم جس میں سے شعاعیں نہایت تیزی سے نکلتی ہیں اور اس وجہ سے آدمی ہاتھ سے نہیں چھو سکتا اس کا ایک حصہ ہر معینہ میعاد میں سیسہ بن جاتا ہے۔ یہ فعل اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ریڈیم کے ایٹم پھٹتے ہیں اور ان میں سے الکٹرون اور پروٹون خارج ہو کر

سیلسہ کے الکٹرون اور پروٹون رہ جاتے ہیں کیمیا گر بھی پارہ کو سونا اسی طرح بنانا چاہتے تھے مگر وہ الکٹرون پروٹون سے واقف نہ تھے کہ پارہ میں ۸۰ - الکٹرون اور ۸۰ پروٹون ہیں اور سونے میں ۷۹ - ۷۹ وہ صرف اس کوشش میں تھے کہ پارہ میں سے نمی نکال دیں جس سے بہنا بند ہو جائے۔ کل مادہ اس ہی قدر ہے لیکن شکلیں تبدیل کرتا ہے اور ایک کی فنا سے دوسرے کی بقا ہوتی ہے۔

قوت ضائع نہیں ہوتی صرف شکل تبدیل کرتی ہے

سائنس نے ایک اور اصول ثابت کر دیا ہے جس سے ہم کو فلسفہ قرآن سمجھنے میں بہت آسانی ہوئی وہ یہ کہ قوت (Energy) ضائع نہیں ہوتی بلکہ شکل تبدیل کرتی ہے لیکن اس کی مقدار وہی قائم رہتی ہے چاہے وہ ایک شکل میں تبدیل ہو جائے یا زیادہ میں۔ بارود جلنے سے قوت خارج ہوتی ہے وہ گولی کو دور لے جانے میں کام آتی ہے۔ گولی چلنے سے ہوا میں رگڑ پیدا ہوتی ہے اس کی لہریں قائم رہتی ہیں۔ گولی اگر درخت یا دیوار میں لگے اس میں چھید کر دیتی ہے اور دوسری شکلیں اختیار کرتی ہے۔ ایک سینما کا فلم جب لیا جاتا ہے تو الکٹرک آواز نکلی میں ہو کر ایک مشین میں جاتی ہے اور آواز کی لہروں کو حدت کی لہروں میں تبدیل کر دیتی ہے اور پھر حدت کی لہریں روشنی کی لہروں میں تبدیل کی جاتی ہیں اور ان روشنی کی لہروں سے فلم پر عکس لیا جاتا ہے جب سینما کی مشین میں یہ فلم گھمایا جاتا ہے تو روشنی کی لہریں پھر حدت میں اور حدت کی لہریں آواز کی لہروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور آدمی کی تصویر کے ساتھ ساتھ آواز بھی آتی ہے۔ اور ایک قسم کا مادہ

یا قوت تمام فضاء میں پھیلی ہوئی ہے جس پر انسان کا ہر فعل اور آواز ثبت ہو جاتی ہے اور جس طرح فلم پر مع تمام اصلی رنگوں کے اور آواز کے آدمی کے فعل ثبت ہو جاتے ہیں اسی طرح اس قدرتی فضاء میں ہماری حرکتیں ثبت ہو جاتی ہیں۔ اس جریدہ عالم پر جو تصاویر اور آوازیں ثبت ہوتی ہیں وہ ہم ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے سورۃ ق۔ ۱۸۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ۔ کوئی لفظ جو بولا اس کو لکھنے کے لئے قوت پاس موجود ہے۔ سورۃ المائدہ ۵۱۔ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ تم سب اللہ کے پاس لوٹ کر آؤ گے اس وقت تم کو دکھا دیا جائے گا جو کچھ تم کرتے تھے چونکہ ہماری آنکھوں کی قوت محدود ہے حتیٰ کہ ہم ان شعاؤں کو بھی نہیں دیکھ سکتے جن کو (X Ray) ایکسرے کہا جاتا ہے لیکن ان چھوٹی شعاؤں کا جو ہمارے جسم میں سے ہو کر گزرتی ہیں۔ عکس فلم پر لے لیا جاتا ہے اور ہم اپنے جسم کے اندر کی خرابیاں دیکھتے ہیں۔ اب بالکل اندھیرے میں بھی فوٹو لیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس کو ہم اندھیرا کہتے ہیں وہ درحقیقت بالکل اندھیرا نہیں ہے وہاں بھی شعاعیں موجود ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتیں۔ سورۃ ق اور سورۃ المائدہ کی آیات سے جو اوپر دی گئیں ثابت ہے کہ یہ مادہ یا قوت فضاء میں ہر جگہ موجود ہے جس پر ہمارے الفاظ اور ہماری حرکتیں ثبت ہو جاتی ہیں اور جس وقت ہماری روح جو کہ قوت (Energy) ہے اسی پنجرہ سے آزاد ہو جائے گی جو ہمارا جسم ہے اور اس کی وجہ سے ہر قوت محدود ہے اس وقت ہم سب کچھ دیکھ سکیں گے اور مثل سینما کے اپنی زندگی کے سب

کرتوت دیکھیں گے اور بہت سی حرکتوں پر نادم ہوں گے۔ یہ جملہ معترضہ اس کے سمجھانے کے واسطے لکھا گیا ہے کہ قوت (Energy) ضائع نہیں ہوتی بلکہ شکل تبدیل کر لیتی ہے۔ موٹر میں اور ایروپلین میں پٹرول کے جلنے سے جو قوت پیدا ہوتی ہے وہ اس کو چلاتی ہے۔ کوئلہ اور تیل کے جلنے سے پانی گرم ہوتا ہے اور بھاپ پیدا ہوتی ہے اس سے انجن چلتا ہے۔ غرضیکہ قوت ضائع نہیں ہوتی اور جس طرح بجلی کی دو قوتوں سے ایٹم بنتے اور تبدیل ہوتے ہیں اس طرح اور قوتیں بھی ایک شکل سے دوسری شکل اختیار کرتی ہیں۔

بعض قوتیں دوسری قوتوں میں تبدیلی پیدا کرتی ہیں

لیکن بعض قوتیں کائنات میں ایسی ہیں جو خود تو تبدیل نہیں ہوتیں لیکن اور قوتوں کی تبدیلی میں کام دیتی ہیں۔ کائنات میں بہت سی ایسی قوتیں ہیں کہ جن کو انسان ابھی تک تو سمجھا نہیں اور معلوم نہیں کہ قیامت تک ان میں سے کتنے کو سمجھ سکے گا۔ سورۃ المدثر ۔ ۳۱ ۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ط ۔ اور اللہ تعالےٰ کی فوج (قوتوں) کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ اور آیت الکرسی میں ہے کہ تم اس سے زیادہ نہیں جانتے جو اس نے تم کو علم دیا ہے۔ ہر زمانہ میں علم میں توسیع اور تنزل کرتا رہا ہے۔ باوجود اس قدر ترقی کرنے کے ہم آج کل وہ خوشبو جو مصر کی ممی میں لگی ہے نہیں بنا سکے۔ چھ ہزار سال اب سے قبل جو خوشبو اس کپڑے میں لگائی گئی جو مردہ کے جسم پر لپیٹا گیا اور اس وقت تک موجود ہے اس کو ہمارے سائنس دان بس

وقت تک نہیں بنا سکتے۔ اسی طرح وہ رنگ (Paint) جو مصر کے بتوں پر ہیں وہ ابھی تک نہیں سے مٹے اور ایسے عمدہ ہیں کہ ان کا مقابلہ ہم نہیں کر سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی زمانہ میں کوئی علم دوسرے میں دوسرا ترقی کرتا ہے لیکن اللہ کی پوری قوتوں کو ابھی تک کوئی نہیں سمجھ سکا اور جیسا کہا گیا ہے کہ سوائے اسکے کوئی نہیں جانتا۔

ملاء اعلےٰ و ملاء اسفل

معلوم ہوا کہ بہت قوتیں ہم سے پنہاں ہیں اور یہ اللہ کی قوتیں ہیں جن کے لئے لفظ جنود استعمال ہوا ہے انسان چونکہ مادہ کا بنا ہے اس لئے اس کے سمجھانے کو مادہ کی چیز سے مثال دی جاتی ہے حالانکہ قوت کو کسی مثال سے سمجھانا مشکل ہے صرف اس کے افعال سے سمجھایا جا سکتا ہے چونکہ قوت کے نہ شکل ہوتی ہے نہ صورت نہ موٹائی نہ چوڑائی۔ جو قوتیں کہ کائنات کی تخلیق اور اس کے ردوبدل میں ہر وقت کام کرتی ہیں ان کو صوفیا کی زبان میں ملے اسفل کہا جاتا ہے اور وہ قوتیں یا ملائک جو ان ملاء اسفل سے اعزاز میں بالاتر ہیں ان کو ملاء اعلےٰ کہا جاتا ہے ۔ ملاء اعلےٰ وہ قوتیں ہیں جو ان قوتوں کی بہ نسبت جو ملاء اسفل ہیں اس اصل قوت سے جس میں سے یہ سب قوتیں ظہور میں آئیں زیادہ قریب ہیں ۔ وہ قوت خود بھی ہر جگہ موجود ہے اور ان قوتوں سے کام لیتی ہے اس کی تفصیل آگے مزید ہوگی ۔

آدمی کی پیدائش کی بابت آیات قرآنی اور ان کا مطلب

تمام کائنات کی ساخت ایٹم سے لے کر اس بڑے نیبولا تک جس کے ٹکڑوں سے تمام آسمانی کرہ جات نیبولا ۔ دنیا ہنی بیان کی جا چکی ۔ ان قوتوں کا حال بھی مختصراً بیان کیا گیا جو کائنات کی ساخت میں استعمال ہوتی ہیں اب ہم کلام پاک کی ان آیات کا ترجمہ دیتے ہیں جو آدمی کے پیدا کرنے کی بابت ہیں ۔ ان کو عربی میں لکھنے کی ضرورت نہیں محض حوالہ کافی ہے جس کے ذریعہ قرآن پاک میں دیکھا جا سکتا ہے ۔ سورۃ البقر ۔ رکوع ۴ ۔ آیات ۳۰ لغایت ۳۹

دیکھو ۔ تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر ایک اپنا خلیفہ (نائب) پیدا کروں گا ۔ فرشتوں نے کہا تو ایسے کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا جب کہ ہم ہر وقت تیری تعریف اور بڑائی کرنے میں مشغول رہتے ہیں ۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا مجھ کو وہ بات معلوم ہے جو تم کو معلوم نہیں ہے ۔

اللہ تعالےٰ نے آدم کو سب چیزوں کے نام بتا دیئے (یعنی سب کی خاصیت بتا دی) پھر اس نے سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے رکھا اور کہا مجھ کو ان سب کے نام (خاصیتیں) بتاؤ اگر تم سچے ہو ۔ فرشتوں نے کہا تیری شان بہت بلند ہے ۔ ہم کو صرف اس قدر معلوم ہے جتنا کہ تو نے بتا دیا ہے ۔ درحقیقت تیرا علم اور فہم کامل ہیں ۔

اللہ تعالےٰ نے آدم سے کہا کہ تم ان کی خاصیت بتاؤ جب آدم نے سب

کی بتا دیں تو اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ مجھ کو آسمانوں اور زمین کے راز معلوم ہیں اور میں وہ سب جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو یا پوشیدہ رکھتے ہو۔

پھر اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو (یعنی اس کو اپنے سے بڑا مان کر اس کی اطاعت کرو) سب فرشتوں نے سجدہ کیا (اطاعت قبول کی) سوائے ابلیس کے جس نے تکبر کی وجہ سے انکار کر دیا اور وہ کافروں میں سے (یعنی مردودوں میں سے) ہوا۔

ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری زوجہ اس جنت (باغ) میں رہو اور اس میں ہر قسم کے میوے اور نعمتیں کھاؤ لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم سخت نقصان اٹھاؤ گے اور گناہگار ہو گے۔

لیکن شیطان نے بہکا کر ان کو وہاں سے نکلوا دیا اور اس عیش سے محروم کرا دیا جس میں وہ تھے۔

اللہ نے کہا کہ تم سب نیچے نکل جاؤ اور آپس میں دشمنی کی زندگی دنیا میں بسر کرو جہاں تمہاری معشرت اور زندگی کچھ مدت کے واسطے ہوگی۔

تب آدم نے اپنے رب سے الہام کے ذریعہ کلمات سیکھے اور رب ان کی طرف رجوع ہوا چونکہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم والا ہے

پھر اللہ نے کہا تم سب یہاں سے نیچے جاؤ۔ اور جب تم کو میری طرف سے ہدایت ملے اس پر جو عمل کرے گا اس کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔

لیکن جو لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور میری آیتوں کو جھٹلائینگے وہ ہمیشہ

آگ میں رہیں گے۔

سورۃ الحجر۔ رکوع ۔۳۔

اور بے شک ہم نے انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو گیلی ہو کر شکل میں لائی گئی۔ اور اس سے پہلے جن کو گرم ہوا کی آگ (تپش) سے پیدا کیا تھا

اور تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں بشر کو (آدمی کو) بجنے والی مٹی سے گیلا کر کے موزوں طرح بنانے والا ہوں۔ پھر جب میں اس کو موزوں اور درست شکل میں بنالوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ میں گر جانا۔ پس سب فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شریک ہونے سے انکار کیا۔ اللہ نے کہا۔ اے ابلیس تجھ کو کیا ہو گیا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ ابلیس کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کہ ایک بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجنے والی مٹی کو گیلا کر کے بنایا ہے۔ اللہ نے کہا تو یہاں سے نکل جا اور تو راندہ درگاہ ہوا اور تجھ پر قیامت تک لعنت رہے گی۔ ابلیس نے کہا کہ اے میرے رب مجھ کو قیامت تک کی مہلت دے۔ اللہ نے اس کو مہلت دے دی۔ ابلیس نے کہا رب میرے چونکہ تو نے مجھ کو غلطی پر قرار دیا ہے میں دنیا میں ان کو بری چیز کو اچھا کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو غلطی میں مبتلا کروں گا اور گمراہ کروں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جو سچے اور مخلص ہوں گے۔ اللہ نے کہا کہ جو سیدھا راستہ ہے وہی مجھ تک پہنچنے کا ہے۔

سورۃ طہٰ۔ رکوع ۷۔ آیات ۱۱۶ الغایت ۱۲۱۔

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب سجدہ میں
گر گئے سوائے ابلیس کے جس نے انکار کیا۔ ہم نے کہا اے آدم یہ تیرا اور
تیری بیوی کا دشمن ہے یہ چاہے گا کہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے اگر ایسا
ہوا تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ یہاں تم کو نہ بھوک ستائے گی نہ تم ننگے
ہو گے اور نہ پیاسے ہو گے نہ دھوپ کی گرمی ستائے گی۔ پھر شیطان نے ان
کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہنے لگا کہ اے آدم تجھ کو ہمیشگی کا درخت بتاؤں
اور ایسی سلطنت جس کو کبھی زوال نہ ہو۔ پس دونوں نے اس درخت میں
سے کھایا جس سے ان کو اپنا ننگا پن محسوس ہونے لگا اور وہ درختوں کے پتوں
سے اپنے ستر چھپانے لگے۔ آدم نے نافرمانی کر کے اپنے آپ کو گمراہ کر لیا۔

سورۃ ص۔ آیات ۷۱۔۷۲۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن
طِينٍ ۝ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي
فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۝ اور کہا رب تیرے نے فرشتوں سے کہ
میں ایک بشر کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں اور جب میں اس کو موزوں
شکل میں بنا کر اس میں اپنی روح میں سے روح پھونک دوں تو تم اس کے
سامنے سجدہ میں گر جانا اس کی بعد کی آیات بھی شیطان کی بابت ہیں

چند اور سورتوں میں بھی انسان کی پیدائش کا حال ہے منجملہ ان کے سورتہا
الحج۔ المومنون۔ السجدہ۔ المومن۔ القیمۃ۔ الدہر۔ التین۔ ہیں جن میں قریب
قریب وہی الفاظ ہیں

سورۃ المومنون کی آیات کا ترجمہ پہلے دیا جا چکا تھا چونکہ ان میں پیدائش کے مدارج بتائے گئے ہیں جو ایک کی فنا سے دوسرے کی بقا کے متعلق ہیں۔

سورۃ البقر میں انسان کی پیدائش کا ارادہ جو اللہ نے کیا اس کے متعلق اللہ تعالےٰ کی اور فرشتوں کی گفتگو اور اس کا نتیجہ درج ہے لیکن اس سورۃ میں یہ نہیں بتایا گیا کہ انسان کو کس طرح پیدا کیا ہے۔ لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو کس واسطے پیدا کیا۔ یعنی غرض انسان کے پیدا کرنے کی یہ تھی کہ اس کو دنیا میں اپنا خلیفہ یعنی نائب پیدا کرے اور اس واسطے انسان کو وہ سب علوم سکھائے جو فرشتوں کو نہیں سکھائے تھے اور فرشتوں نے یہ مان لیا کہ انسان کو اُن پر فوقیت ہے اور اس وجہ سے انہوں نے انسان کی تابعداری قبول کر لی۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت ہے کہ دنیا اور اس کے اندر سب جاندار چیزیں پہلے سے موجود تھیں ورنہ مٹی کہاں سے آتی جس سے انسان کو بنایا اور جاندار چیزیں نہ ہوتیں تو کن پر حکومت یہ خلیفہ کرتا۔

یہ بھی ثابت ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے انسان کو بنایا ہی اس لئے تھا کہ دنیا میں بھیجے تو انسان کو بنانے کے بعد کسی اور جگہ رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا انسان کو پیدا کر کے دنیا ہی میں رکھا گیا اور یہیں اس کے واسطے جنت بنا دی تھی اور یہیں اس سے وہ عیش کی زندگی چھین لی گئی جو اس کو دی گئی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے جب کہا کہ جاؤ اور تم آپس میں دشمنی کی زندگی دنیا میں بسر کرو جہاں تمہاری معشرت کچھ زمانہ کے واسطے ہوگی۔

ظاہر ہے کہ اللہ نے آدم کو دنیا کے واسطے تو پیدا ہی کیا تھا اور یہی اس کا منشا تھا اور پیدا کرنے کی غرض بھی اس لئے دشمنی کی زندگی کا تعلق آدم وحوا سے نہیں ہے بلکہ بنی آدم سے ہے۔ دشمنی کی زندگی آدم وحوا نے بسر نہیں کی بلکہ بنی آدم آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ آدم کو دنیا میں بطور سزا کے نہیں بھیجا گیا اگر بطور سزا دنیا میں آتا تو اللہ تعالےٰ کا ارادہ ہی جو آدم کو پیدا کرنے کا تھا وہ غلط ہو جائے گا۔ لہذا آدم شروع ہی سے دنیا میں رہے نہ کہ شیطان کے بہکانے کی وجہ سے بطور معتوبوں کے دنیا میں آئے۔ جب شروع ہی سے دنیا میں آئے تو وہ باغ (جنت) بھی یہاں تھا جس کا ذکر ہے۔ نہ کہ دنیا سے باہر۔ دنیا میں کچھ عرصہ کی زندگی ہوگی۔ اس کے دو مطلب ہیں اول یہ کہ ہر شخص جو پیدا ہوگا وہ ضرور تھوڑے دن کے بعد مرے گا۔ دوم یہ کہ خود دنیا بھی کچھ عرصہ کے بعد فنا ہو جائیگی (اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں دی جائے گی) انسان کا پیدا کرنا اور اس کو عارضی زندگی دنیا میں دینا اس اسکیم کے مطابق تھا جو اللہ تعالےٰ نے بنائی تھی اس کا علم لا انتہا ہے اور اس سے یہ چھپا نہ تھا کہ انسان عدول حکمی کرے گا۔ اس کا شبہ تو فرشتوں تک کو ہوا جن کا علم بہت محدود تھا جس کا کہ وہ خود اقرار کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ کو جو کہتا ہے کہ مجھ کو آسمانوں اور دنیا کے سب راز معلوم ہیں اور وہ بھی معلوم ہے جو فرشتہ ظاہر کرتے ہیں یا پوشیدہ رکھتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس اللہ کو یہ نہ معلوم ہو کہ انسان کس طرح شیطان کے بہکائے میں آجائے گا۔ اور دنیا کا راز تو جب ہی معلوم ہو جب دنیا موجود تھی۔ لہذا یہ خیال کہ انسان کو زمین پر کہیں

باہر سے سزا میں پھینک دیا گیا ان آیات قرانی کے متضاد ہے اور جو کچھ متضاد ہے وہ اسلام کے خلاف۔

اب سوالات ذیل سورۃ البقر کے پڑھنے کے بعد پیدا ہوتے ہیں جن کی تشریح کی ضرورت ہے

(۱) وہ کون درخت تھا جس کے پاس جانے کی ممانعت کی گئی۔

(۲) شیطان نے کس طرح بہکایا۔

(۳) ابلیس کون ہے۔

(۴) آدم کس چیز سے پیدا ہوئے۔

(۵) فرشتوں پر فوقیت آدم کو کیوں ہوئی اور ان کو سب چیزوں کا علم کیسے ہوا۔

پہلے سوال کا جواب اصل میں سورۃ البقر میں خود موجود ہے جب اللہ تعالےٰ کہتا ہے کہ اس درخت کے پاس نہ جانا تو اس سے ظاہر ہوا کہ وہ درخت وہاں سامنے موجود تھا جس کا اشارہ کیا گیا قران پاک میں متعدد سورتوں میں انسان کی پیدائش اور ابلیس کے بہکانے کا حال ہے مگر کسی جگہ یہ نہیں بتایا کہ وہ کس چیز کا درخت تھا بائبل میں سیب کا درخت لکھا ہے اور بابل کے مذاہب میں درخت انسان کی نسل بڑھنے کا ہے اور غالباً یہی خیال ایران میں آگیا تھا جس کی وجہ سے اب بھی لوگ باگ اپنا خاندانی شجرہ بناتے ہیں۔ چونکہ توریت حضرت عزیرؑ نے بابل کی غلامی سے چھٹنے کے بعد لکھی اس لئے اس میں بہت خیالات بابل کے ستارہ پرستوں کے اور مجوسی زردشتوں کے

آ گئے - لہٰذا انہوں نے بھی ایک خاص درخت کا نام لکھ دیا اور مسلمان جاہل طبقہ نے گیہوں کا درخت اپنے دل سے گھڑ لیا حالانکہ یہ آیات مکہ میں بھی نازل ہوئیں اور مدینہ میں بھی لیکن اس لمبے عرصہ میں بھی اللہ تعالےٰ نے درخت کا نام بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن اشارہ میں یہ کہہ دیا کہ اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ مزید روشنی اس پر دوسرے سوال کے جواب میں ڈالی جائے گی۔

دوسرے سوال کا کہ شیطان نے کس طرح بہکایا جواب سورۃ طٰہٰ میں موجود ہے کہ شیطان نے آدم سے کہا کہ میں تم کو ایسا درخت بتاتا ہوں جس سے ہمیشگی کی زندگی ملے گی اور سلطنت کو یعنی تمہاری حکومت کو زوال نہ آئے گا جس وقت دونوں نے یعنی آدم و حوا نے اس درخت میں سے کھایا تو ان کو اپنا ننگا پن محسوس ہونے لگا اور وہ پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانکنے لگے۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے وہ دونوں مثل معصوم بچوں کے تھے جو مرد اور عورت کے جسم کا فرق نہیں جانتے تھے اور ننگا پھرنا کوئی عیب نہیں سمجھتے لیکن جب وہ سن بلوغ کو پہنچتے ہیں تو مرد اور عورت کے جسم کا فرق سمجھنے لگتے ہیں اور اپنی شرم گاہوں کو چھپاتے ہیں۔ پہلے جب تک دونوں نابالغ تھے ان کو عیش کی زندگی میسر تھی اور دونوں کو نہ کپڑے کی ضرورت تھی نہ کسی اور چیز کی۔ دنیا میں ہر قسم کی خود رو چیزیں موجود تھیں جنکو کھا کر خوش رہتے تھے لیکن شیطان نے ان کو یہ علم سکھایا کہ مرد اور عورت کیا ہوتے ہیں اور ان کے اولاد کا سلسلہ جاری ہوا جس سے وہ تمام عیش کی زندگی

کا خاتمہ ہوا اور پریشانیاں ہوئیں۔ اگر اللہ تعالےٰ کی یہ منشاء نہ تھی کہ انسان کی اولاد ہو تو آدم کی بیوی پیدا کرنے سے کیا مطلب تھا۔ اللہ تعالےٰ نے تو ہر چیز کا جوڑا اسی لئے بنایا ہے کہ اس کی نسل بڑھے اور یہی مشیت ایزدی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آدم کے ساتھ حوا کو پیدا کر کے اپنے اصول قدرت کو انسانی نسل کے واسطے بھی قائم کیا۔ ظاہر ہے کہ آدم کے اولاد پیدا ہوگئی تھی اس لئے سورۃ البقرہ میں یہ الفاظ ہیں کہ تم سب یہاں سے نیچے جاؤ اور جب میری طرف سے ہدایت ملے اس پر جو جو عمل کرے گا اس کو کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ ان لفظوں سے خدا نے بنی آدم کو مخاطب کیا نہ کہ آدم و حوا کو۔ چونکہ دنیا بہت وسیع جگہ ہے اس لئے انسان اس میں نہ صرف آپس کی لڑائی میں مشغول ہوا بلکہ وہ دوسرے جانوروں سے مقابلہ کرنے پر بھی مجبور ہوا۔ شروع میں اللہ تعالےٰ نے آدم اور حوا کو ایسے مقام پر دنیا میں پیدا کیا تھا جہاں ہر قسم کی آسائش تھی اور ان کو بے فکری تھی لیکن بعد میں جب اولاد بڑھنے لگی اور یہ ایک جگہ نہ رہ سکے تو ان کو اس آسائش کی زندگی سے نیچے گرا دیا گیا۔

یہ بات خاص قابل غور ہے کہ سورۃ الحجر اور سورۃ ص میں اللہ تعالیٰ نے لفظ "بشر" استعمال کیا ہے کہ میں بشر کو پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ سورۃ التین میں لفظ انسان استعمال کیا ہے۔

لہٰذا جو کچھ قصہ آدم کی پیدائش کا ہے وہ درحقیقت انسان کی پیدائش کا ہے نہ کہ ایک خاص شخص آدم کا۔ ہم اس لفظ سے کہ اس درخت کے پاس

نہ جانا ہے یہ مراد تو لے نہیں سکتے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ ممانعت آدم کو کی ہو کہ وہ اپنی زوجہ سے جنسی تعلقات نہ پیدا کریں چونکہ اگر اللہ کو ایسا حکم دینا تھا تو وہ دنیا میں انسانی نسل کس طرح قائم رکھتا جب کہ اس کی اسکیم میں یہ تھا کہ انسان کو دنیا میں خلیفہ بنا کر بھیجے جو ہمیشہ دنیا پر حکومت کرے جب تک کہ دنیا فنا ہو لہذا اس درخت سے مطلب کسی اور درخت سے ہے اور اگر ہم اس سورۃ کے الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ ابلیس کی نافرمانی کے بعد یہ لفظ استعمال ہوتے ہیں اور ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سے ابلیس نے نافرمانی کی اور وہ مردود ہوا اس طرح اگر تم نافرمانی کرو گے تو تم پر بھی مصیبت آئے گی ۔ یہ اللہ تعالےٰ نے نہیں کہا تھا کہ تم کو جنت سے نکال دیا جائے گا ۔ یہ آلہ تو شیطان نے استعمال کیا کہ ان کو لالچ دیا کہ تم کو ہمیشگی کی زندگی ملے گی اور اللہ کے حکم کے خلاف کام کرنے کو تیار کر دیا ۔ لالچ ان کو اپنی جسمانی خواہشات کی وجہ ضرور ہوا اور نہ بہکانے کا کوئی تو ذریعہ چاہیئے تھا بمعلوم نہیں گیہوں کے درخت کی کہانی کس طرح گھڑی گئی جب کہ اللہ تعالےٰ نے گیہوں کا ذکر نہیں کیا ۔ یہ محض کسی صاحب کی جدت طبع ہے ۔ بہر حال دو ہی معنے نکل سکتے ہیں کہ جس وجہ سے آدم کی عیش کی زندگی جو بے فکری اور غیر ذمہ داری کی تھی وہ ختم ہو کر فکر اور پریشانی اور تکالیف کی زندگی بسر کرنی پڑی اور اولاد آدم کو لڑائی اور جھگڑوں میں مبتلا ہونا پڑا اور یہ دو وجہ بھی ہو سکتی ہیں ۔ اول نافرمانی جو انسان کی عادت ہو گئی ہے اور جس کی طرف شیطان مائل کرتا ہے چونکہ وہ اس کے جسم ہی بشکل خود غرضی اور لالچ موجود ہے جو اس کو ہر موقع پر بہکاتا

ہے اس کی تفصیل آگے چل کر کی جائے گی۔ دوسری وجہ لباس سے محروم ہونے کے سنِ بلوغ کو پہنچنے سے ہوتی ہے۔ جب تک آدم اور حوا نابالغ تھے وہ ننگاپن محسوس نہیں کرتے تھے جیسے کہ چھوٹے بچے محسوس نہیں کرتے۔ لیکن جوان ہونے پر شیطان نے ان کو جسمانی خواہشات سے آگاہ کر دیا اس وقت وہ مرد اور عورت میں فرق سمجھنے لگے اور درخت کے پتوں سے اپنے جسم ڈھکنے لگے۔

دوسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ جب تک انسان جنگلی حالت میں غیر تعلیم یافتہ رہا وہ مثل جانوروں کے زندگی بغیر کپڑے کے بسر کرتا رہا لیکن جس وقت اس نے ترقی کر لی تو وہ پہلے اپنے جسم کو پتوں سے ڈھکتا تھا اور بعد میں کپڑا اپنانا سیکھا۔ جزیرہ انڈمن میں جسے کالا پانی کہا جاتا ہے ایک قوم جروا رہتی ہے۔ یہ چھوٹے قد کے بالکل سیاہ فام ہیں اور یہ بالکل برہنہ رہتے ہیں۔ یہ بہت گھنے جنگل میں جہاں بہت بڑے بڑے درخت ہیں اس میں رہتے ہیں اور درخت پر مثل بندر کے چڑھ جاتے ہیں اور درخت کے موٹے گدے پر لیٹ جاتے ہیں تو ان کو بوجہ کالے رنگ کے جو درخت کے رنگ کا ہوتا ہے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ لوگ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کے جو اس جزیرہ میں قید کر کے بھیجے گئے تھے سخت مخالف ہیں اور ان کے علاقہ میں نہیں آتے۔ یہ مچھلی اور جنگلی جانور مار کر ان کو کھا جاتے ہیں۔ ایک یا دو مرد اور عورت گرفتار کر کے لائے گئے۔ اور ان کو کپڑا پہنانا چاہا لیکن عورتوں نے بھی اتار دیے اور مردوں نے بھی۔ یہ ننگاپن قطعی محسوس نہیں کرتے نہ اس کو سمجھتے ہیں چونکہ مثل جانوروں کے رہتے ہیں نہ ان کے مکان ہیں نہ رہائش کی کوئی جگہ سوائے

درخت کے گدہوں کے۔ دوسرے جزیرہ کے جس کو نکوبار کہتے ہیں رہنے والے ان سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں اور ان کے مرد اور عورتیں اپنا ستر سامنے سے چھپاتے ہیں۔ صرف سامنے ایک چھوٹا سا گھگرا سن کی سی رسیوں کا یا کھجور کے پتے کا بندھا ہوتا ہے۔ ان کی جھونپڑیاں بھی ہیں یہ دوسرے آدمیوں کو دیکھ کر وحشت زدہ نہیں ہوتے اور تجارت کے عادی ہو گئے ہیں۔ ناریل جمع کر کے لاتے ہیں اور ان کے بدلے میں کچھ اشیاء لیتے ہیں۔ راقم الحروف ۱۹۳۶ء میں انڈمن کے معائنہ کے واسطے گیا تھا وہاں سب حالات بھی دیکھے اور بہت فوٹو لایا تھا۔ لہذا ان آیات سے یہ بھی معنی نکل سکتے ہیں کہ جس وقت تک انسان بالکل جاہل تھا اس کو کسی قسم کی فکر نہ تھی لیکن جس وقت اس کی عقل اور جسمانی خواہشات نے علم دیا اس وقت سے ان پر مشکلات کا سامنا ہوا۔

دو سوالات کا جواب دیا جا چکا۔ تیسرا سوال کہ ابلیس کون ہے۔ اس کا جواب علیحدہ باب میں دیا جائے گا فی الحال صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ شیطان ہر انسان کے جسم میں وہ طاقت ہے جو اسکو خودغرضی۔ دغابازی اور احکام الہی سے نافرمانی کی ترغیب دیتی رہتی ہے۔

چوتھا سوال تھا کہ آدم کس چیز سے پیدا ہوئے تو سورۃ المومنون کی آیات سے اور جملہ دیگر سورتوں سے ظاہر ہے کہ آدمی کا جسم مٹی سے یعنی ان اشیاء سے جو مٹی میں پیدا ہوں بنا ہے لیکن محض آدمی کا جسم ہی آدمی نہیں ہے۔ بغیر روح کے وہ صرف بے حس جسم ہے۔

پانچواں سوال تھا کہ فرشتوں پر آدمی کو فوقیت کیوں ہوئی اور اللہ تعالی

نے سب چیزوں کا علم انسان کو کیوں کر دیا ۔ سورۃ الحجر ۔ سورۃ ص ۔ سورۃ سجدہ کی آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرشتوں سے کہا تھا کہ جب میں انسان کو موزوں صورت میں بنالوں اور اس میں اپنی روح میں سے روح پھونک دوں اس وقت تم اس کو سجدہ کرنا اور اسکی اطاعت کرنا جس وقت تک کہ روح نہیں پھونکی تھی اس وقت تک فرشتوں سے سجدہ کرانے کا ارادہ نہ تھا ۔ جب اللہ تعالےٰ نے اپنی روح میں سے روح انسان میں پھونک دی تو انسان کو اس روح کی وجہ سے سب علم ہو گیا جو کہ فرشتوں کو بھی نہ تھا ۔ اس روح کی وجہ سے جس میں خداوندی صفات موجود تھیں تمام فرشتے اس کے مطیع ہو گئے اور اسی روح کی وجہ سے اس کو فرشتوں پر فوقیت حاصل ہوئی اور اسی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات بنا یعنی جس قدر بھی مخلوق ہے ان سب سے یہ بہتر ہے ۔ اسی کی وجہ سے یہ خلیفہ بنا ۔ اگر اللہ تعالےٰ نے اپنی روح میں سے روح نہ پھونکی ہوتی تو انسان کا جسم تو اس قدر کمزور ہے کہ یہ اپنے قدرتی جسمانی اعضاء سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتا معمولی پتنگیا مچھر کی مکھی تک اس پر حملہ کرتے ہیں ۔ مور اور مورنی آدمی پر چونچ سے حملہ آور ہو کر اس کو بھگا دیتے ہیں کتا ۔ بندر ۔ بلی تک انسان پر حملہ آور ہوتے ہیں اور یہ اپنے ہاتھوں سے بغیر کسی امداد کے اپنی حفاظت نہیں کر سکتا ۔ لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ کو اشرف المخلوقات بنانا مقصود تھا اور خلیفہ کر کے دنیا میں بھیجنا تھا لہذا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ۔

کُل مخلوق انسان کے تابعدار کردی

سورۃ الجاثیہ - آیت ۱۳ - وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝ اور اللہ تعالےٰ نے تمام چیزیں جو دنیا میں ہیں اور دنیا سے اوپر آسمانوں میں ہیں سب کو تمہارے حکم کا تابعدار کر دیا ہے دیکھو اس میں بھی سمجھنے والوں اور سوچنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں یہ سب چیزوں سے مطلب ہے کہ ان میں فرشتے - قوتیں - جاندار اور غیر جان دار سب اشیاء آگئیں - سورۃ ابراہیم - آیت ۳۳ - میں فرماتا ہے وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ج اور سورج اور چاند کو تمہارا تابعدار کیا دونوں اپنے راستوں پر گھومتے ہیں - سب چیزوں کو مطیع بنانے کا طریقہ انسان کو اس کی عقل سے سکھایا جو خاص صفت روح خداوندی کی ہے جس قدر جانور ہیں ان کو انسان نے اپنے قابو میں اپنی عقل سے کر لیا گھوڑے اونٹ - خچر - گدھے - بیل - بھینسے سے بوجھ لے جانے کا - کھیت جوتنے کا کام لیتا ہے - کتے کو جو خونخوار ہے اپنا جان نثار بنا لیا - محال کی مکھیاں پال کر ان سے شہد لیتا ہے - مرغی سے انڈے اور اس کا گوشت اپنی خوراک کے لئے لیتا ہے - گائے - بھینس - بکری کا دودھ لیتا ہے اور ان کا گوشت کھاتا ہے - ہاتھی اتنا بڑا جانور ہے اس کی گردن پر بیٹھ کر اسکو ہنکاتا ہے اور اس سے بہت قسم کے کام لیتا ہے فوج میں لڑاتا ہے - مال لادتا ہے -

پہلے توپیں کھینچتا تھا اب جنگل سے کٹے ہوئے درخت کھینچ کر باہر لاتا ہے۔ سرکس میں اس سے تماشہ کراتا ہے۔ شیر سے بھی سرکس میں کام لیتا ہے اس کو اور ریچھ کو پنجرہ میں بند کر دیتا ہے۔ ہر قسم کے جانور پکڑ کر چڑیا گھر میں بند کرتا ہے۔ سانپ کو بین پر نچاتا ہے کسی کو ڈنڈے سے قابو میں لاتا ہے کسی کو بندوق سے کسی کو جال سے۔ پرند کو چھٹک سے یا لاسہ سے پکڑتا ہے۔ غرض کہ سب جانوروں پر حکمران ہے مچھلی کو دریا اور سمندر سے پکڑ لاتا ہے۔ زمین پر قابو یافتہ ہے اس میں سے طرح طرح کی ترکاریاں پیدا کرتا ہے۔ ناج پیدا کرتا ہے۔ پھل دار اور غیر مثمرہ درخت اگاتا ہے۔ زمین میں کانیں کھود کر اس میں سے جواہرات بیش قیمتی نکالتا ہے اس نے معلوم کر لیا ہے کہ ہیرہ۔ یاقوت۔ زمرد۔ نیلم۔ لہسنیہ۔ پکھراج۔ کرسٹل وغیرہ وغیرہ کہاں کہاں نکلتے ہیں سونا چاندی۔ پلٹینم۔ تانبا۔ لوہا۔ ریڈیم وبجست وغیرہ کہاں ملتے ہیں اور انکو دوسری چیزوں سے کیسے علیحدہ کیا جاتا۔ کوئلہ۔ پٹرول گیس زمین سے جلانے کے واسطے نکالے ہیں۔ پانی معمولی کنوئیں سے ہینڈ پمپ سے نکالتا تھا اب ٹیوب ویل سے نکالتا ہے۔ زمین میں دس ہزار فٹ اندر تک سوراخ کرنے کے آلہ جات بنائے ہیں۔ سمندر میں غوطہ لگا کر سیپ نکالتا ہے اور اس میں سے موتی بیش قیمت حاصل کرتا ہے۔ اندر غوطہ لگا کر سمندر کے اندر کے فوٹو کھینچ کر سمندر میں رہنے والی مخلوق کا حال معلوم کر لیا ہے۔ سمندر پر بڑے جہاز بنا کر چلائے جن میں ہزار ہا ٹن یعنی لکھوکہا من اسباب لادا ہوتا ہے۔ اور دور دراز ملکوں کو لے جاتا ہے۔ سمندر کے اندر آب دوز کشتیاں چلائیں۔ جو ہزار ہا

میل پانی کے اندر رہی اندر چلیں اگرچہ بعض اجزاء جہاز کے اور ان کشتیوں کے پانی سے بہت زیادہ بھاری ہیں۔ پہلے تو بھاپ بنا کر پانی سے کام لیا اور انجن چلائے پھر تیل اور پٹرول سے گاڑیاں اور موٹریں چلانے کا کام لیا۔ کپڑے بننے کا کام کلوں اور مشینوں سے لیا۔ فوٹو سے انسان کی تصویر بنائی۔ اب ہوا پر بھی قابو پا لیا۔ گراموفون بنا کر اس میں آواز بھر لی۔ ہوائی جہاز اڑا کر ہزارہا میل کا راستہ گھنٹوں میں طے کیا۔ بغیر تار کے تار برقی ایجاد کی اگرچہ تار برقی اور ٹیلیفون ہی حیرت کی بات تھی اب اڑتے ہوائی جہاز سے اور پانی کے جہاز سے بیچ سمندر سے بغیر تار برقی ذریعہ اور ریڈیو کے ذریعہ باتیں ہوتی ہیں۔ ریڈیو کی آواز ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ چلتی ہے لہذا دنیا کے گرد ایک سیکنڈ میں سات مرتبہ گھوم جاتی ہے اور ہم لندن کی آواز ریڈیو میں اس سے قبل سن لیتے ہیں جس عرصہ میں ایک کمرہ میں ایک آدمی کی آواز دوسرے حصہ میں سنی جائے۔ اب ٹیلی ویژن کے ذریعہ ہم آدمی کی آواز ہی نہیں بلکہ اس کو بولتے حرکتیں کرتے دیکھتے ہیں اگرچہ اس کے آلہ جات میں ابھی تک یہ قوت حاصل ہوئی ہے کہ پچاس میل کے اندر اندر آپ سب کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ جام جمشید تو کہانی تھی لیکن آج کل کے سائنس دانوں نے ان خیالات کو جو پرانے زمانہ میں گھڑے تھے صحیح کر کے دکھا دیا۔ بجلی کی قوت پر اور مقناطیسی قوت پر قابو پا کر طرح طرح کی ایجادات کی ہیں۔ ایٹم بم بنا کر اس کو توڑا اور تباہی مچائی اب ہائیڈروجن بم بنایا ہے جس سے دنیا کی تمام جاندار اشیاء کو تباہ کیا جائے گا۔ ہوائی جہاز بغیر چلانے والے

آدمی کے اڑے گا اور اس کو اڑنے والا اپنے ملک سے بیٹھا بیٹھا جس طرف چاہے گا چلائے گا اور جہاں چاہے وہاں اس کو معہ ہائیڈروجن بم کے گرا دے گا۔ سورج کی شعاعوں کی گرمی کو آتشی شیشہ کے ذریعہ کسی دھات میں جمع کیا جائے گا اور اس سے دن میں اور رات میں کھانا پکا کریگا۔ ریفریجیریٹر میں چیز ٹھنڈی رہتی ہے۔ سورج کی شعاعوں سے کھانا پکے گا اور گرم رہے گا۔ پہلے تو آلہ ایجاد کیا تھا جس کو اسپکٹرا اسکوپ کہتے ہیں اس کے استعمال سے یہ معلوم کیا تھا کہ ستارے ہم سے کس قدر فاصلہ پر ہیں اور آیا کوئی خاص ستارہ ہماری طرف کو آرہا ہے یا ہم سے دور جارہا ہے۔ ستاروں میں کس قدر مادہ ہے اور کیا کیا وزن ہے یہ معلوم کر لیا تھا اور سورج گرہن اور چاند گرہن کے وقت اور مقام کو بہت پہلے سے بتاتے تھے اب چاند میں اڑ کر جانے کا منصوبہ ہے اور ایک مصنوعی چاند بنا کر دنیا کے چاروں طرف اس کو گھمایا جائے گا اس میں امریکہ اور روس مقابلہ کر رہے ہیں کہ کون پہل کرے۔ مختصر ایجادات بنائی گئی ہیں۔ انسان نے ہر شعبہ میں بہت ترقی کی۔ اہرام مصری۔ تاج گنج عمارتوں میں انسانی دماغ کا ثبوت دیتے ہیں۔ انڈومن کے جروا قوم سے نکوبار کی قوم سے لے کر اس ترقی کا اندازہ کیا جائے جو موجودہ زمانہ تک انسان نے کر لی ہے تو اس قرآنی آیت کی تصدیق ہوتی ہے کہ ہم نے تمام کائنات کو جو دنیا اور آسمانوں میں ہے وہ تمہارے تابعدار بنادی۔ انسان نے دوسو انچ کے آئینہ کی دوربین بنا کر کائنات کا نظارہ کر لیا اور اپنے عالم کے علاوہ دور دراز افتادہ عالموں کو بھی دیکھ لیا جہاں

سے روشنی بیس کروڑ سال میں ہم تک آتی ہے جو عالم ہم کو آج جس جگہ نظر آرہا ہے درحقیقت وہ اس جگہ بیس کروڑ سال ہوئے تب تھا۔ سورج ہم کو طلوع ہونے کے آٹھ منٹ بعد نظر آتا ہے اور غروب ہونے کے آٹھ منٹ بعد تک نظر آتا ہے چونکہ سورج سے روشنی ہم تک آٹھ منٹ میں آتی ہے۔ باوجود ان تمام ترقیوں کے آدمی کسی جاندار چیز کو نہیں بنا سکا نہ نہ مرنے سے بچا سکتا ہے۔ بھنگا یا جانور بنانا درکنار مصنوعی درخت نہیں اگا سکتا۔ نہ درخت کا پتہ بنا سکتا ہے پھول بنانا اور پھول میں خوشبو پیدا کرنا درکنار چونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ کوئی اس کے علم کو نہیں سمجھ سکتا سوائے اسکے جو وہ خود بتائے۔ یہ راز انسان کو نہیں بتایا کہ جاندار کس طرح بنائے جائیں چونکہ روح ان میں پھونکنا انسان کا کام نہیں ہے لیکن اور جو کچھ کائنات ہے وہ سب انسان کے مسخر کردی اور انسان اس وجہ سے سب پر حاوی ہے اور سب سے کام لیتا ہے۔

انسان اپنی روح کی وجہ سے تمام کائنات پر حاوی ہے

چونکہ وہ خداوندی روح کا جز ہے دوسرے

جانوروں میں محدود ذہانت

چونکہ اللہ تعالےٰ نے انسان میں اپنی روح میں سے روح پھونک دی ہے

اسلئے اس میں عقل وتمیز ہے اور یہ نئی نئی ایجادات کرتا ہے۔ انسان کا جسم
بھی اس روح کے واسطے موزوں بنایا ہے جیسا خدا خود فرماتا ہے۔ دوسرے
جانوروں میں بھی تھوڑی عقل ہوتی ہے لیکن ان میں تصور اور تصور کی بنا پر ایجاد
کی ذہانت نہیں ہوتی۔ اگر غور سے جانوروں کو اور ان کی زندگی کو دیکھا جائے تو
ان کی ذہانت کا اندازہ ہو جائے گا۔ چیونٹیاں دور سے مٹھاس کی خوشبو پاکر
آجاتی ہیں۔ ریل جو چلنے والی ہے اس میں بھی چیونٹی موجود ہوتی ہے۔ گرمی میں
ایک لائن لگاکر دور دور جاتی ہیں اور وہاں سے اپنے زمین دوز مقامات پر اپنی
غذا لاکر جمع کرتی ہیں ان کی لگاتار رفتار سے راستہ اسی طرح بن جاتا ہے جس
طرح آدمیوں کے چلنے سے بٹیا بن جاتی ہے چیونٹیوں میں بھی بہت قسمیں
ہیں بعض مثل شیر کے ہوتی ہیں اور اپنے سے بڑی چیونٹی پر سوار ہو جاتی ہے اور
اس کو قابو میں لاتی ہے۔ محال کی مکھی جو کام کرتی ہے وہ انسان اب تک نہ
کرسکا۔ پھول اور پتے میں سے شہد نکالنا اور اس کو لا چھتے میں جمع کرنا اور چھتے
کو موم کا بنانا یہ سب کام اس کا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے یہ کام اس کو سکھایا
ہے اور قرآن پاک میں محال کی مکھی اور چیونٹی کا ذکر کر دیا۔ مکھی کی قسم کا ایک جانور
ہے جسے انجن ہاری کہتے ہیں وہ کہیں سے اس قدر عمدہ گیلی مٹی لاتی ہے جو کمہار
کو بھی میسر نہیں آتی اور اس سے اپنا گھر انسان کے مکان کی دیواروں میں بناتی ہے
اور اسمیں جھینگر پکڑ کر بند کر دیتی ہے اور تھوڑے عرصہ میں اس میں سے انجن
ہاریاں نکل کر اڑجاتی ہیں۔ بتیا اپنا چھتہ کس قدر عمدہ بناتا ہے۔ جو توڑے
سے نہیں ٹوٹتا حالانکہ کاغذ کی برابر باریک ہوتا ہے۔ بیا اپنا گھونسلہ تنکوں

کا درخت میں لٹکتا ہوا بناتا ہے اور اس کی بناوٹ میں کس قدر کاریگری ہوتی ہے دوسرے پرند درخت کے گد ہے پر یا انسانی مکان میں گھونسلہ بناتے ہیں۔ غرض کہ جس جانور کو دیکھو اس میں ایک خاص قسم کی ذہانت ہے لیکن اس کے آگے وہ ایجاد نہیں کرتا۔ کوا نہایت چالاک اور چابک چو بند ہوتا ہے مگر اس کا بسیرا درخت کی ٹہنی پر ہوتا ہے۔ چمگادڑ الٹا لٹکتا ہے اور منہ سے کھاتا اور فضلہ کرتا ہے۔ تمام جانوروں سے انسان جدا ہے۔

انسان کی روح اور ابلیس

انسان کے جسم میں بوجہ اس کی دماغی اور دلی ساخت کے اور اس کی روح کے اس میں بہت سے راز پنہاں ہیں۔ اگر انسان اپنے آپ کو انسان بنائے اور ان خداوندی صفات سے جو اس میں موجود ہیں کام لے تو یہ فرشتوں سے بہتر ہے اور اگر جسمانی خواہشات کا مطیع ہو جائے جو درحقیقت اس کو بھکانے والا شیطان اس کے ساتھ ہر وقت لگا ہے تو انسان انسانیت سے گر کر جانور سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اور یہی اس کی جنت سے محرومی ہوتی ہے۔ جسمانی خواہشات کا تابعدار ہوتا شیطان کے بہکائے میں آتا ہے۔ اور اس سے وہ جنت چھن جاتی ہے جو اس کو نفسانی خواہشات پر قابو رکھنے سے ملتی ہے۔ چونکہ انسان کی روح اللہ تعالےٰ کی روح کا جز ہے وہ انسان کو خداوندی صفات کی طرف لے جانا چاہتی اور انسان کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ سب سے محبت کرے خود غرضی کو نہ آنے دے وہ کسی کو مظلوم

یا تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی ہر مصیبت زدہ کی مدد کو تیار ہوتی ہے۔ غریبوں بیکسوں یتیموں۔ بیواؤں۔ فاقہ زدوں کی تکالیف دور کرنے سے اسے خوشی ہوتی ہے اپنے آرام و آسائش سے زیادہ دوسروں کی تکلیف رفع کرنے کا اس کو خیال ہوتا ہے۔ اگر کسی سے اس کو تکلیف پہنچے یا کوئی قصور کرے وہ اس کو معاف کر دیتی ہے غرض کہ انسان کی روح انسان کو ہر اس صفت کی طرف مائل کرتی ہے جو اللہ تعالےٰ کی صفات قرآن پاک میں ہیں۔ لیکن انسان کی جسمانی خواہشات اس کو خود غرضی۔ لالچ۔ حسد۔ کینہ۔ بغض۔ بدلہ۔ تکبر۔ خود نمائی۔ دغا بازی۔ دھوکا دہی۔ دوسروں سے برائی۔ شہوت۔ غیظ غضب نفرت۔ غیبت۔ ملک گیری۔ عیش پسندی۔ قتل۔ غارت۔ چوری۔ ڈاکہ۔ زنا وغیرہ کی طرف راغب کرتی ہیں۔ یہی خواہشات جسمانی ہیں جنہوں نے آدمی کو سجدہ نہیں کیا اور خواہشات ہر وقت بغاوت پر تیار رہتی ہیں۔ انسان کے جسم کی ساخت مٹی سے ہے لیکن وہ قوت جو انسان کے جسم میں خواہشات کے طور پر ظاہر ہوتی ہے وہ مٹی کی بنی ہوئی نہیں ہے یہ انسان کو بجائے ٹھنڈے دل سو چنے دینے کے بھڑکاتی ہے چونکہ اللہ تعالےٰ سورۃ الحجر رکوع ۳ میں فرماتا ہے کہ انسان سے پہلے ہم نے جن کو باد سموم کی تپش کی آگ سے پیدا کیا تھا اور ابلیس کو سورۃ کہف میں کہتا ہے کہ وہ جن تھا جس کی خاصیت نافرمانی ہے لہذا وہ قوت جو انسان کے اندر بری خواہشات پیدا کرتی ہے وہ شیطان یعنی ابلیس ہے۔ ابلیس کی کوئی شکل صورت نہیں ہوتی بلکہ یہ اس قوت کا نام ہے جو نافرمانی اور اللہ تعالےٰ کی صفات سے انحراف انسان کو

سکھاتی ہے۔ مٹی میں چونکہ قوت کشش ہوتی ہے کہ ہر چیز کو اپنی طرف کو کھینچے اس لئے انسان کے جسم میں یہ قوت بطور خود غرضی اور لالچ کے نمودار ہوتی ہے اور اس خواہش کی وجہ سے اور بری خواہشات پیدا ہوتی ہیں روح انسانی ترغیب دیتی ہے کہ ہر شے اللہ کی بنائی ہوئی ہے ہر ایک کا فائدہ کرو اور اپنے اوپر جبر کرو لیکن جسمانی خواہشات چاہتی ہیں کہ چاہے کسی کو ملے یا نہ ملے سب میں بہترین سے بہترین چیزیں لے لوں۔ جو لوگ اس کے اثر میں زیادہ آجاتے ہیں۔ وہ ہر جائز اور ناجائز طرح اپنا فائدہ حاصل کرتے اور اپنی خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔ قتل اور دھوکا اور تشدد بھی وہ اپنے مقصد کے حصول کے واسطے جائز سمجھتے ہیں۔ اس میں ان کی جسمانی خواہشات ہی شیطان ہوتی ہیں۔ بعض وقت دوسرا شخص جو خود مجسمہ شیطان ہوتا ہے وہ بری خواہشات کو بھڑکانے میں مدد دیتا ہے لیکن درحقیقت انسان کی فطرت میں خواہش نفسانی موجود ہے بغیر اس کے انسان کو کوئی شے روحانی ترغیب کے خلاف مشتعل نہیں کر سکتی۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے۔ میرے ساتھ بھی ہے لیکن میں نے اس پر قابو پالیا ہے رسول اللہؐ کو بھی جسمانی خواہشات روحانیت کے خلاف بہکانا چاہتی تھیں لیکن انہوں نے ان پر پورا قابو پالیا تھا اور ان کی زبردست روحانیت نے جسمانی خواہشات کو کبھی ورغلانے میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمان جہاد میں زخمی ہوئے ایک کو پیاس کی شدت تھی دوسرے شخص نے پانی کا پیالہ لاکر دیا اس پیاسے نے کہا کہ مجھ سے زیادہ وہ شخص مستحق ہے جو میرے

قریب زیادہ زخمی پڑا ہے جب اس کو دیا گیا اس نے تیسرے کو زیادہ مستحق کہہ کر اس کو دینے کے واسطے کہا۔ اسی طرح یہ اللہ کے بندے جو اللہ کی راہ میں لڑنے نکلے تھے مر گئے لیکن دوسروں کو مستحق سمجھ کر مرتے وقت بھی پانی پہلے پینے کی کوشش یا خواہش نہ کی۔ انہوں نے شیطان پر یعنی جسمانی خواہشات پر جو ایک قوت ہیں پورا قابو پا لیا تھا۔ نفس جو حکم دیتا ہے یعنی جسمانی خواہشات جو انسان کو کام کرنے کی ترغیب یا حکم دیتی ہیں ان پر قابو پانا شیطان پر قابو پانا ہے۔ بڑے موذی کو مار نفس امارہ کو گر مارا۔ شیطان نے اللہ تعالےٰ سے کہا تھا کہ میں انسان کو آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے بہکاؤں گا لو زطار کروں گا کہ یہ تیرے کیسے بندے ہیں اور سوائے ان کے جو تیرے سچے بندے ہیں سب کو میں بہکاؤں گا۔ مجاہدین جن کا اوپر ذکر ہوا یہ وہ نیک بندے تھے جن کے پاس شیطان کا گزر نہ تھا وہ تو اپنی جان اللہ کے واسطے قربان کرنے نکلے تھے ان کو اپنی جسمانی خواہشات کی ضرورت نہ تھی اگر وہ جسم کو عزیز سمجھتے تو لڑنے کو نہ نکلتے۔ انسان کی جسمانی ساخت میں بعض خرابیاں ہوتی ہیں اور ایک قیافہ شناس صورت دیکھ کر بتا سکتا ہے کہ اس شخص میں روحانیت اور نیکی زیادہ ہے۔ یا شہوت۔ غصہ۔ حسد۔ دغابازی۔ چالاکی وغیرہ زیادہ ہے یا یہ احمق ہے اور دوسروں کے پھندے میں آسانی سے آجاتا ہے۔ یا لالچ اس میں زیادہ ہے جس وجہ سے اس کو دوسرے لوگ آسانی سے دھوکا دے سکتے ہیں۔ غرض کہ ایک آدمی کا شیطان دوسرے آدمی کو اس دوسرے کے شیطان کی امداد سے بہکاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ سب ملائک نے سجدہ انسان کو کیا سوائے ابلیس کے۔ اس سے ثابت ہے کہ ابلیس بھی ملائک میں سے ایک تھا۔ یعنی قوت کی مختلف شکلوں میں ایک یہ قوت Energy تھا لیکن اس کو کہا ہے کہ یہ ایک جن تھا یعنی نافرمان تھا لہٰذا شیطان اس قوت کا نام ہے جو انسان کو خداوندی صفات کے خلاف نافرمانی کی ترغیب دیتی جب کہ انسانی روح اللہ تعالےٰ کی صفات کی طرف لے جانا چاہتی ہیں۔ اگر انسان پر نفسانی خواہشات غالب آجاتی ہیں تو اس کی روح بالکل اندر ہیں آجاتی ہے اور اس میں ان برائیوں کا اثر آجاتا ہے یہ خداوندی صفات کھو بیٹھتی ہے اور مرنے کے بعد اس کو خدا کا دیدار نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں سے کثافت دور نہ ہو جائے یعنی یہ روح اپنے اس کل سے جس کا یہ جز ہے بوجہ اپنی کثافت کے جدا رہتی ہے اور یہ اس کے واسطے بڑی سزا ہے چونکہ وہ کثافت جو زندگی میں اس میں آگئی اور اس میں جسمانی خواہشات کی محبت پیدا ہو گئی اور یہ انکے حصول کے واسطے زندگی میں سرگرداں تھی لہٰذا اس میں مرنے کے بعد بھی وہ محبت قائم رہتی ہے اور جسم کی خاک تک سے وابستہ رہتی ہے اور چاہتی ہے کہ دوبارہ زندہ ہو جائے اور اس کو دوبارہ موقع ملے کہ وہ اپنے آپ کو پاک صاف کرے اس کی مثال اس طرح ہے کہ اگر ایک حوض میں صاف و شفاف پانی ہے اور اس میں سے ایک کٹورا پانی بھر لیا جائے تو اس کٹورے کے اندر جو پانی آئے گا اس میں وہی خاصیت اور صفائی ہو گی جو حوض کے پانی میں ہے لیکن اگر کٹورہ کے پانی میں تھوڑا نیلا۔ یا سرخ یا کوئی اور رنگ ملا دیا جائے اور اس پانی

کو حوض میں واپس ڈالا جائے تو یہ پانی دوسرے پانی سے جدا ہوگا اور اس وقت تک یہ پانی دوسرے سے جدا رہے گا جب تک کہ وہ رنگ جو اس میں ملا ہے نیچے نہ بیٹھ جائے۔ اسی طرح کسی مقام پر اگر کوئی چیز سڑے تو وہاں کی ہوا میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور دیر تک قائم رہتی ہے۔ یہی حال انسانی روح کا ہے کہ وہ جسم کی خواہشات کی وجہ سے خداوندی صفات کھو بیٹھتی ہے اور اس لئے اللہ سے اس کا وصل نہیں ہو سکتا۔ اس جدائی سے زیادہ کوئی بات روح کے واسطے تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ یہ روح انسانی اپنی پشیمانی اور ندامت اور ذلت کی آگ میں جلتی ہے۔ روح کے واسطے یہی دوزخ ہے اور یہی اس کا جلنا ہے کہ وہ اپنے اندر عیب پیدا ہو جانے کی وجہ سے اپنے کل سے جدا ہے اور جب تک اس میں وہ صفات پھر نہ آ جائیں اس کو وصل حاصل نہ ہوگا اور جدائی رہے گی۔ اس روح کے علاوہ جو قوتیں انسان کے جسم کے بنانے میں کام آتی ہیں ان میں مٹی سے جدا ہونے کے بعد وہ تمام برائیوں اور خواہشات باقی رہتی ہیں جو جسم کے اندر موجود تھیں اور یہ قوتیں جسم کی مٹی سے جدا ہونے کو اپنے لئے نہایت تکلیف دہ سمجھتے ہیں اور اسی لئے جسم کو آسانی سے نہیں چھوڑنا چاہتیں اور قوتوں کو دوسری قوتیں زبردستی جدا کرتی ہیں انہی قوتوں کی بابت جو زبردستی کھینچتی ہیں کہا گیا۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا قسم ہے انکی جو زبردستی نکالتی ہیں۔ دوسری قوتیں وہ ہیں جو آہستہ نکالتی ہیں ان کی بابت ہے وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا قسم ہے انکی جو آہستہ سے نکالتی ہیں۔ لہذا جسم میں سے ان قوتوں کو نکالنے کے لئے جو جسم کی

ساخت میں کام آتی ہیں دو قسم کی قوتیں اللہ تعالےٰ استعمال کرتا ہے ایک وہ جو زور کر کے زبردستی ان کو نکالیں اور دوسری آہستگی سے۔ زبردستی ان کے ساتھ کرنی پڑتی ہے جب وہ قوتیں انسان کے جسم سے بہت مانوس ہو جاتی ہیں اور وہ خواہشات پوری ہونے سے باقی رہ جاتی ہیں جن کے واسطے یہ قوتیں اور جسم کی مٹی دلدادہ ہیں آسانی سے وہ قوتیں چھوڑ دیتی ہیں جو خواہشات پوری کرنے پر زیادہ اڑی نہ ہوں۔

انسان کی روح میں اور ان قوتوں میں جو انسان کا جسم بنانے اور اسکے نشو و نما میں استعمال ہوتی ہیں فرق

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ انسان کے جسم کی بناوٹ کے واسطے کس کس قسم کی قوت Energy درکار ہوتی ہے۔ جن قوتوں کی تفصیل دی گئی ہے یہ مکمل فہرست قوتوں کی نہیں ہے بہت سی تو انسان کو غور کرنے سے معلوم ہو جاتی ہیں لیکن پوری طرح تو صرف بنانے والا ہی جانتا ہے۔ ان قوتوں میں اور روح میں فرق ہے اس لئے ان کے حالت میں جو موت کے بعد ہوگی فرق ہے روح تو اپنے کل سے ملنے کی خواہش مند ہوتی ہے اور اس کی خوشی اور رنج کا دار مدار اس کے وصل اور جدائی پر ہوتا ہے۔ اسی کی بابت سورۃ الفجر۔ آیات ۲۷ لغایت ۳۰

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي

اے مطمئن روح اپنے رب کے پاس خوش خوش واپس آ اور اس کی خوشی میں
داخل ہو تو میری عبادت کرنے والوں میں اور جنت میں داخل ہو۔ اگر اس روح
میں وہ سب صفات باقی ہیں جن کو لے کر انسان کے جسم میں داخل ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ
اس سے یہ کہے گا جو اس آیت میں ہے اور یہ تابعداروں کی زمرہ میں ہونے کی
وجہ سے جنت میں داخل ہوگی یعنی اس کو اصلیت کا دیدار ہو جائے گا اور یہ اپنے
کل میں جو اس کا منبع ہے مل جائے گی۔ اگر اس کے خلاف اس کی حالت
ہوگی تو یہ اصلیت کو دیکھنے سے محروم رہے گی اور یہی اس کی تکلیف کا باعث
ہوگا۔ لیکن دوسری قوتیں جو انسان کے جسم میں ہیں وہ ان قوتوں کا جز ہیں جو
اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کائنات بنانے اور اس کی ردوبدل کے واسطے
پیدا کی ہیں اور جس وقت یہ جسم کی مٹی سے جدا ہوتی ہیں تو فضاء میں پھیل جاتی
ہیں اور یہ دوسرے کاموں میں آتی ہیں۔ چونکہ ان میں نہ تو قوت ارادہ ہوتی ہے
جیساکہ روح میں ہوتی ہے نہ یہ جسم کے کسی فعل کی ذمہ دار ہوتی ہیں اس لئے
نہ یہ سزا کی نہ جزاء کی مستحق ہوتی ہیں۔ البتہ یہ جسمانی خواہشات سے وابستہ
ہونے کی وجہ سے ان خواہشات کے پورا کرنے کی شوقین ہو جاتی ہیں اور چاہتی ہیں
کہ پھر اس خاک کا انسان بنے اور یہ اس کے جسم میں پھر موجود ہوں اور خواہشات
کو پورا کریں یا یہ کسی دوسرے ستارہ میں جو جلتی آگ ہیں فضاء میں ہو کر پہنچ جاتی ہیں
اور وہاں کسی بننے والے کرہ میں داخل ہو کر اس انتظار میں رہتی ہیں کہ وہاں کوئی
آدمی بنے اور یہ اس کے جسم میں داخل ہوں۔ سورۃ واقعہ کی آیات ۶۰-۶۱
نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝ عَلَىٰ أَنْ

نُبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ہم نے تمہارے لیئے موت کا وقت مقرر کر دیا ہے اور ہم اس بات سے نہیں پھریں گے کہ تمہاری جگہ تم جیسے دوسرے بدل دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کریں جو تم نہیں جانتے۔ اس سے صاف ہے کہ اللہ تعالےٰ انسان کے جسم کو دوسری شکل میں پیدا کرتا ہے۔ اہل ہنود کا مسئلہ آواگون کا بالکل جدا ہے انکے یہاں تو جسم کو مرنے کے بعد جلا دیا جاتا ہے اس لیئے روح کو سزا یا جزاء اس طرح ملتی ہے کہ روح کو یا تو برے جسم میں بطور سزا بھیجا جاتا ہے یا روح اچھے جسم میں بطور جزاء آتی ہے اور ایک روح بار بار پیدا ہوتی ہے جب تک کہ اس میں سے زندگانی کی خواہشات بالکل نہ نکل جائیں۔ برہمن کی روح سزا پا کر شودر بن جاتی ہے یا اور بھی نیچے گر کر جانور مثل کتے۔ یا سور کے ہو جاتی ہے اسی طرح روح ترقی کرتی ہے شودر سے ترقی کرتے ہوئے برہمن کے گھر پیدا ہو جاتی ہے اور جب خواہشات کو چھوڑ دیتی ہے تب ہندوں کے اعتقاد میں برہما میں یعنی اس روح میں جو ہر جگہ ہے مل جاتی ہے اور بدھ مذہب والوں میں اسکو نروان حاصل ہو جاتا ہے یعنی وہ کسی چیز میں بطور روح داخل ہونے سے آزاد ہو جاتی ہے

سورۃ واقعہ کی آیات ۱۰۹ سے مطلب روح انسانی سے نہیں ہے بلکہ جسم اور جسمانی قوتوں سے

سورۃ واقعہ کی آیات کا مطلب روح سے نہیں ہے بلکہ انسان کے جسم

اور اس کی ساخت میں جو قوتیں ہیں ان سے ہے روح انسانی تو نکل کر پھر دوبارہ جسم میں واپس نہیں آتی لیکن وہ قوتیں یعنی مختلف قسم کی Energy جو انسان کے جسم کو ایک نطفہ سے لے کر بڑا جسم بنانے اور اس کو نشوونما دینے میں اور اس کے ایٹم جس قدر ہیں ان کو جوڑے رہنے میں اور غذا کو ہضم کرتے خون بنانے خون کو رگوں میں دوڑانے وغیرہ میں استعمال ہوتی ہے یہ پھر آزاد ہو کر دوسری شکل اختیار کرتی ہیں جسم کی مٹی جب زمین میں مل جاتی ہے تو اس سے اور چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ کروڑہا کروڑ آدمی جو مرے اور جن کی قبریں بکی نہیں ہیں ان کی مٹی زمین میں مل کر زمین ہو گئی۔ کروڑہا کروڑ قبریں مسمار ہو گئیں تو قبرستان کھیت بن گئے۔ جو آدمی لڑائیوں میں مرے ان کو تو ایک ہی گڑھے میں دفن کیا گیا ان کی مٹی بھی زمین کا حصہ بن گئی۔ کسی قبرستان میں کھیتی ہوتی ہے۔ کسی قبرستان کی جگہ جنگل ہو گیا ہے

نہ گورِ سکندر رہی ہے قبر دارا مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سکندر اعظم اور شہنشاہ دارا کی مٹی کہاں گئی۔ آیا ان سے ترکاری پیدا ہوئی یا گھاس یا گلاب کا پھول۔ یا یہ کمہار کے چاک میں پہنچ کر کوئی برتن بنیں یا ان کی اینٹیں پاتھی گئیں اس تبدیلی کی بابت سورۃ واقعہ کی آیات متذکرہ بالا ہیں اور یہ ہندو فلسفہ سے بالکل جدا ہے اللہ تعالےٰ جسم کو فنا کر کے ان ان شکلوں میں پیدا کرتا ہے جو انسان نہیں جانتا وہ قوتیں جو جسم کی ساخت میں اور خود مٹی کی ساخت میں کام آتی ہیں وہ سب لطیف ہیں یعنی وہ مادہ نہیں ہیں اور تمام قوتوں میں نہ تو حس ہے

نہ ان کو اس سے زیادہ علم جو ان کو کسی کام کے کرنے کا دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ تمام قوتیں انسان کے سامنے سربسجود ہوئیں اور انسان کو اپنے سے اعلٰے مان کر اس کی تابعدار ہوئیں۔ اس لئے انسان نے سب قوتوں پر یعنی ملائک پر قابو پا لیا بجز اپنی نفسانی خواہشات کے جو ابلیس ہیں اور ان پر وہی اللہ کے بندے قابو پاتے ہیں جو اپنے اندر صفات خداوندی قائم رکھتے ہیں اور روحانیت کو طاقت ور بناتے ہیں اپنے ہر فعل میں خداوندی صفت قائم رکھتے ہیں۔ حلال کی روزی کھاتے ہیں کسی کے حق کو پائمال نہیں کرتے ہر چیز سے جو خدا کی پیدا کردہ ہے محبت کرتے ہیں ان کو ہر شے میں خدا نظر آنے لگتا ہے اور جس وقت کوئی وسوسہ آیا اور انہوں نے پڑھا۔ لَاحَوْلَ وَ لَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اللہ کی قوت کو ہی قوت مانتے ہیں اور کوئی قوت سوائے اللہ کے قوت نہیں مانتے اس سے تمام وسوسے دور ہو جاتے ہیں سورۃ الناس اس قدر بہترین دعا ہے کہ اس کی مثال کسی جگہ نہیں ملتی اس کے ذریعہ سے انسان اپنے پیدا کرنے والے پالنے والے معبود سے امداد مانگتا ہے کہ وہ اس کے دل میں بھی وسوسہ نہ آنے دے خواہ یہ وسوسے اس کی اپنی دلی خواہشات سے ہوں یا کوئی اور انسان یا طاقت اس کے دل میں ڈالے۔ انسان جب کسی فعل کا مرتکب ہوتا ہے تو پہلے اس کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے۔ پھر ارادہ کرتا ہے اور ارادہ کے بعد فعل کرتا ہے اس لئے اسلام میں اس وسوسہ کو ہی روک دیا گیا ہے جس کے بعد ارادہ اور پھر فعل ہو۔ اسمیں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ برائی کی ابتداء انسان کے دلی جذبات

سے ہی پیدا ہوتی ہے اور اسی وقت اس کو خبردار ہو جانا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ سورۃ کے ورد سے جو صبح اور شام کیا جائے انسان ہر قسم کے گناہ سے بچا رہتا ہے اور گناہوں سے بچنے سے اس کی روحانیت کو تقویت ہوتی ہے اور اس کی فتح اور نفس امارہ کی شکست اس لئے ایسا آدمی ولی اللہ ہو جاتا ہے۔

انسان میں وہ تمام قوتیں کسی نہ کسی حد تک ہوتی ہیں جو فضا میں ہیں

دنیا میں مختلف قسم کے لوگ پیدا ہوتے ہیں اور جس قدر قوتیں فضا میں ہیں وہ سب ان کے جسم میں کسی نہ کسی حد تک موجود ہوتی ہیں کسی شخص کا حافظہ اس قدر عمدہ ہوتا ہے کہ وہ کسی بات کو یا کسی مضمون کو ایک دفعہ سن لے تو اس کو ٹھیک ٹھیک سب یاد ہو جاتا ہے۔ دوسرا شخص ریاضی میں بہت سمجھ دار ہوتا ہے لیکن اس کو اپنے رشتہ داروں تک کے نام یاد نہیں رہتے ایک شخص موسیقی میں ماہر ہوتا ہے لیکن حساب نہیں سمجھ سکتا۔ کوئی شخص اس قدر قیافہ شناس ہوتا ہے کہ اجنبی کی تمام خصلتیں پہلی دفعہ صورت دیکھتے ہی بتا دیتا ہے۔ ایک عجیب شخص ہے جس کے نہ تو دونوں ہاتھ ہیں نہ گھٹنوں سے نیچے پیر لیکن یہ اپنے سب کام کرتا ہے اور پڑھنا لکھنا جانتا ہے اور دونوں پیروں سے لکھتا ہے۔ اندھے آدمی کو اٹکل ہو جاتی ہے اور وہ اٹکل سے

اپنا راستہ معلوم کر لیتا ہے اور اس کے دل کو آنے والے مصیبت کا خدشہ ہو جاتا ہے۔ غرض کہ دنیا میں کسی آدمی میں کوئی خوبی اور کوئی کمی اور دوسرے میں اور خوبی اور دوسری کمی ہوتی ہے۔

انسان میں پوشیدہ قوتیں۔ انسان ریڈیو مشین ہے اور اس میں ٹیلی وژن کی طاقت ہے

انسان کے دل میں پوشیدہ قوتیں ہیں ان کا اظہار ہوتا ہے۔ مسمریزم۔ ہپناٹزم۔ کو آج کل سب سمجھتے ہیں۔ ایک آدمی اپنے خیالات کو دوسرے کے دل میں ان قوتوں کے ذریعہ پہنچاتا ہے جن کی اس نے مشق کر کے اپنے اندر مضبوط قوت خیالی بنالی ہے یہ خیالات دوسرے کے دل میں اس قوت میں ہو کر پہنچتے ہیں جو کائنات میں ہر جگہ موجود ہے اور جس میں ہو کر بجلی کی اور روشنی کی لہریں چلتی ہیں جس میں ہو کر ریڈیو کی آواز چلتی ہے۔ جب ریڈیو کی آواز کو نشر کیا جاتا ہے تو اس قوت میں لہریں پیدا کر دی جاتی ہیں اور جہاں جہاں ریڈیو سٹ ہے وہاں یہ آواز ان لہروں کی وجہ سے اس وقت سنی جاتی ہے جب ریڈیو کی سوئی کو اس جگہ لگا دیا جائے جہاں اس قدر بڑی لہریں آرہی ہوں جس درجہ پر وہ نشر ہو رہی ہوں۔ مثلاً ۱۲ میٹر بینڈ یا ۱۶ میٹر بینڈ یا ۳۱ میٹر بینڈ یا کسی اور بینڈ کی لہریں اس وقت سنائی دیتی ہیں جب ان بینڈ پر سوئی لگا دی جائے اور جب تک وہاں سوئی نہ لگے ریڈیو میں آواز نہیں آتی۔ ریڈیو کو برقی قوت سے چلانے سے اس میں

یہ طاقت ہو جاتی ہے کہ جو لہریں فضاء میں ہوں ان کو یہ لے لیتا ہے لیکن جب سوئی خاص جگہ لگائی جائے تو اس پیمانے کی لہریں ریڈیو میں آجاتی ہیں۔ مسمریزم اور ہپناٹزم اور فقیر کی توجہ کا بھی یہی اصول ہے چونکہ ہر شخص میں براڈکاسٹنگ یعنی نشریات اور ریڈیو کی مشین کی قوت موجود ہے اس لئے اپنے خیالات کو نشر کرنا اور دوسروں کے خیالات کو سننا مشق پر منحصر ہے۔ بجلی کا کنکشن ملانا ضروری ہے۔ انسان کے دل پر سوئی محبت کا تار لگاتا ہے۔ ایک پیر اپنے مرید کو اپنے خیالات بتاتا اور اس کے معلوم کرتا ہے۔ یہ محبت کے تعلق سے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایک ماں یا بہن یا بیٹی اپنے دور دراز بیٹے یا بھائی یا باپ کی بیماری یا تکلیف کی وجہ سے پریشان ہوتی ہے حالانکہ اس کو کوئی اطلاع نہ ملی ہو لیکن اس کے دل پر وحشت طاری ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیمار شخص ان کو یاد کرتا ہے اور اس کے خیالات سے اس کے دل کے ایٹموں میں بوجہ خون میں مدوجزر ہونے کے حرکت ہوتی ہے اور اس کی لہریں اس قوت میں پیدا ہو جاتی ہیں جو فضاء میں اور ہر ایٹم کے اندر موجود ہے جس میں ریڈیائی لہریں چلتی ہیں اور یہ لہریں ان محبت کرنے والوں کے دل پر اثر کرتی ہیں جن سے محبت نے کنکشن دیا ہے۔ پیر اور مرید کا رشتہ بھی یہی ہوتا ہے اور مسمریزم اور ہپناٹزم بھی اسی اصول پر ہیں۔ بعض ولی اللہ میں یہ قوت بہت ہو جاتی ہے اور صرف مرید تک ہی محدود نہیں ہوتی۔ وہ اپنے گوشہ میں بیٹھے ہوئے بہت لوگوں سے اور بہت باتوں سے باخبر ہو جاتے ہیں اور اپنی روحانیت کے ذریعہ دوسری روحوں سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ انسان کے جسم میں ٹیلی ویژن کی

بھی طاقت موجود ہے اس کے استعمال کے لئے بھی مشق کی ضرورت ہے۔ اس کا رشتہ بھی محبت سے قائم ہوتا ہے۔ انسان نہ تو یہ خفیہ نشریات اپنے کانوں سے سنتا ہے جو خاص قسم کی آواز سننے کے واسطے اللہ نے بنائے ہیں نہ ان اپنی آنکھوں سے ٹیلی وژن دیکھتا ہے چونکہ معمولی آنکھ یہ نہیں دیکھ سکتی یہ دونوں باتیں اس کے قلب پر اثر کرتی ہیں اور قلب کے کانوں اور آنکھوں سے سنتا اور دیکھتا ہے۔ چونکہ اصل جگہ جہاں احساس ہوتا ہے وہ قلب ہے اور کان اور آنکھ تو محض راستے ہیں۔ انسان کی روح میں یہ طاقتیں ہیں نہ کہ انسان کے معمولی کان یا آنکھ میں۔ اولیا اللہ جن میں یہ قوت زندگی میں پیدا ہو جائے کہ وہ دوسری روحوں سے تعلق پیدا کر لیں یا ایک جگہ بیٹھے ہوئے دور کی چیز دیکھ لیں یا دوسروں کے خیالات معلوم کر لیں ان کی روحوں میں جسم کے مر جانے کے بعد بھی یہ قوت رہتی ہے کہ وہ زندہ آدمیوں کی رہبری کریں۔ وہ زندہ آدمی کو معمولی آنکھوں سے نظر نہیں آتے ہیں لیکن یا تو خواب میں نظر آتے ہیں یا روحانیت کی نظروں سے۔ چونکہ اللہ تعالٰے نے قدرت کے اصول بنائے ہیں لہٰذا ان اصولوں کے خلاف اللہ تعالٰے نہیں کرتا۔ انسان کا جسم جو کہ فانی ہے اور جس کی بناوٹ کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی اس لئے اس کے اعضاء میں صرف وہی قوت ہے جو فانی میں ہونی چاہیئے۔ البتہ روح غیر فانی ہے اس لئے اس میں ہر قسم کی قوت ہے۔ اولیا اللہ جو دور دراز کے آدمیوں کے خیالات معلوم کرتے ہیں یا چیزیں دیکھتے ہیں یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کو اللہ تعالٰے سے محبت ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ اللہ

کی ہر چیز سے محبت کرتے ہیں چونکہ وہ ہر چیز میں اللہ کا ظہور دیکھتے ہیں اور ہر چیز کو اللہ ہی کا جز سمجھتے ہیں اس لئے ان کو ہر چیز سے محبت ہوتی ہے معمولی آدمی بھی اپنے معشوق کے کتے کو پیار کرتا ہے۔ یہ اللہ کے عاشق جو فنافی اللہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ہر جاندار اور بے جان سے محبت کرتے ہیں اس لئے ان کے دل میں جو کہ آئینہ کے موافق صاف ہو جاتا ہے یہ طاقت ہو جاتی کہ یہ ہر آواز کو دل کے کان سے سن سکیں اور ان کے دل پر ہر جگہ سوئی پہنچ جاتی ہے اور وہ قوت جو ہر جگہ موجود ہے وہ ان کے دل پر جیسا کہ اوپر بیان ہوا اثر کرتی ہے یہ قوت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب یہ اپنے دل کو ہر قسم کے جذبات سے آزاد کر لیں اور ان پر نہ کسی چیز کا غم ہوتا ہے نہ کسی چیز کی خوشی۔ نہ ان میں حسد ہوتا ہے نہ غصہ نہ کسی چیز کی خواہش۔ اگر مل گیا کھا لیا ورنہ صبر کیا۔ پاک صاف کپڑا خواہ کتنا ہی پرانا اور پیوند لگا ہو اس کو پہن لیتے ہیں حضرت رابعہ بصریؒ فرماتی ہیں کہ مجھ کو اللہ کی محبت سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ میں اس کا خیال بھی کروں کہ کون میرا دشمن ہے۔ غرضکہ یہ قوتیں اللہ تعالے کم و بیش ہر شخص میں دیتا ہے اور ہر شخص ایک قسم کا ریڈیو سٹ ہے اور ٹیلی وژن کی طاقت رکھتا ہے کوئی مشین عمدہ اور طاقت ور ہوتی ہے کوئی کمزور لیکن اس میں قوت کا پورا اظہار مجتنی جذبات سے ہوتا ہے حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اب بھی بہت لوگ روحانی طور پر فیضیاب ہوتے ہیں اور ایک ہی وقت میں ان کی روح مبارک ہزاروں آدمیوں کی روحوں کو فیضیاب کرتی ہے۔ اس کی تصدیق ان اصحاب کے ذاتی تجربوں سے ہوتی ہے

جن پر لغو بیانی - خود نمائی - شیخی یا ذاتی پروپیگنڈے کا ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ یہ حالات راقم الحروف کو ایسے اصحاب کے ذاتی معلوم ہوئے ہیں جن کو کسی قسم کی غلط بیانی کی وجہ ہی نہیں ہو سکتی تھی نہ وہ ایسا تعلق راقم سے رکھتے تھے کہ وہ اس کو کوئی بات غلط بتائیں - بہر حال خود مسمریزم کا مشاہدہ ہوتا ہے - لیکن وہ روحانیت کی نہایت نیچے درجہ کی کیفیت ہے - اگر کوئی شخص چاہے تو وہ اپنے میں یہ قوتیں ظہور میں لا سکتا ہے - جس طرح جسم کی مضبوطی کے واسطے ورزش ضروری اس طرح اس کے حصول کی ورزش بھی ضروری ہے - اور ہر شخص اپنی قدرتی قوتوں میں ایک حد تک ترقی کر سکتا ہے اور وہ ہی اس کی ترقی کی حد ہوتی ہے۔

پیغمبران قدرتی نہایت مکمل ریڈیو مشین ہوتے آئے ہیں

لیکن اللہ تعالے بعض بعض نہایت مکمل مشین بھیجتا رہا ہے اور وہ شخص جو یہ اعلے مشین ہوتا ہے اللہ تعالے کی محبت میں شروع ہی سے سرشار ہوتا ہے اور ہر ایک سے محبت کرتا ہے اور اس وجہ سے ہر ایک کو ٹھیک راہ پر چلنے کی تلقین کرتا ہے اس کے پاس وہ قوت جو تمام قوتوں کو اور مادہ کو بنانے والی ہے اور ان پر حاکم ہے اپنی قدرت کے احکام اس قوت کی معرفت جو ہر جگہ موجود ہے اور جس میں روشنی اور برقی لہریں چلتی ہیں جس کا فرضی نام ایتھر ہے اس کے دل میں بھیجتی ہے اور یہ شخص ان احکامات کو دوسرے لوگوں کو پہنچاتا ہے - اس شخص کو نبی اور رسول کہتے ہیں - دنیا میں بہت نبی اور رسول آئے

ہیں اور ان کے دل میں یہ پیغام اسی قوت یعنی ایتھر میں پیدا ہوئی لہروں سے پہنچتے رہے ہیں جو کائنات میں ہر جگہ موجود ہونے کی وجہ سے خبر رساں ایجنسی کا کام دیتی ہے اور مثل ریڈیو سیٹ کے نبی کا قلب ان اثرات کو حاصل کرتا ہے جو وہ کائنات کو اور ہر دیگر قوت کو پیدا کرنے والی ہے نظام قوت سے مطلع کرتی ہے اور نبی کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ دوسروں کو پیغام پہنچا دے۔ بہت سی ہدایتیں نبی کی ذات کے واسطے ہوتی ہیں لیکن جب ہدایت کا مقصد دوسرے لوگوں کو پیغام پہنچانا ہوتا ہے تو وہ کام رسالت کا ہوتا ہے۔ اس لئے ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ رسول کے قلب پر وہ قوت جو سب قوتوں کو بنانے والی اور ان سے کام لینے والی ہے بذریعہ اس قوت کے جس کو ہم نے اوپر خبر رساں ایجنسی کہا ہے نظام قدرت کے راز افشاء کرتی ہے اور احکام صادر کرتی ہے تاکہ یہ رسول ان احکامات کو دوسروں کو صحیح صحیح پہنچا دے

سب سے زیادہ مکمل انسانی مشین

ان انسانی ریڈیو مشینوں میں سب سے زیادہ مکمل مشین محمد الرسول اللہؐ تھے ان کے قلب پر تمام راز افشاء وقتاً فوقتاً کئے جاتے تھے اور ان کے دل میں وہ لہریں پہنچائی جاتی تھیں جو پیغام رساں ایجنسی میں وہ بڑی اور اعلےٰ قوت پیدا کرتی تھی جو سب قوتوں کو چلاتی ہے اور کائنات کے قائم رکھنے سے تھکتی نہیں۔ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝ اور سب سے یعنی سب طاقتوں سے بالاتر اور ان پر حاکم ہے۔ ان لہروں سے دل میں

آواز پیدا ہوتی تھی جیسے ریڈیو میں ہوتی ہے اور ان کا قلب سب سن لیتا تھا اور
اس کو یہ دہرا دیتے تھے۔ اس لئے قرآن پاک کی سورۃ البقر۔ میں ہے آیت ۹۷
قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ
لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ کہہ دو (اے پیغمبر) لوگوں میں سے جو
شخص بھی جبریل کا دشمن ہو وہ ہوا کرے۔ یہ قرآن اسی نے خدا کے حکم سے تمہارے
دل میں ڈالا ہے۔ تا کہ پہلی باتوں کی تصدیق ہو اور مومنوں کو ہدایت کرو اور خوشخبری دو۔

سورۃ الشعرا۔ آیات ۱۹۲ الغایت ۱۹۴۔ وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ
الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ
مِنَ الْمُنْذِرِينَ۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝

اس میں شک نہیں کہ یہ قرآن کائنات کے پیدا کرنے والے نے معتبر روح (قوت) کے ذریعہ تمہارے دل پر سلیس عربی زبان میں اتارا تاکہ تم خدا کے عذاب سے ڈراؤ۔

اس شکل مشین کے دل میں تمام احکامات جو کائنات کا پیدا کرنے والا دینا چاہتا تھا بذریعہ اس معتبر خبر رساں ایجنسی کے پہنچاتا تھا جو احکام ٹھیک ٹھیک پہنچنے میں غلطی نہیں کر سکتی اس لئے اس کو امین کہا گیا ہے کہ وہ احکام پہنچانے میں کوئی خیانت نہیں کرتی تھی بلکہ بالکل صحیح صحیح پیغام پہنچاتی تھی۔ صحیح پیغام پہنچنا اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب کہ اس شخص میں جس کو پیغام دیا گیا اس کو صحیح طرح سمجھنے کی قابلیت ہو ورنہ روح الامین تو پیغام پہنچائے مگر جس

کو پیغام پہنچایا جائے وہ اس کو نہ سمجھے تو سارا معاملہ ختم ہو جائے۔ اس لئے ان ٹھیک ٹھیک لہروں کو وصول کرنے والی مشین بھی مکمل ہونی ضروری تھی تاکہ اس کے قلب پر ٹھیک نقش بن جائیں اور وہ بھولے نہیں اور پھر لوگوں کے سامنے اس کو ٹھیک ٹھیک دہرا دے یہ ریڈیائی مشین بالکل مکمل تھی اور اس نے نظام قدرت سے آگاہ ہونے پر ان احکامات کو انسان تک صحیح الفاظ میں پہنچا دیا۔ اس کی تصدیق قرآن پاک کی آیات کو سمجھنے سے ہوتی ہے کہ یہ کلام ایک معمولی انسان کا نہیں ہے بلکہ یہ الفاظ جو قرآن پاک کے ہیں یہ کوئی خاص قوت دل میں پیدا کر کے اس مشین کے منہ سے نکلواتی تھی۔ قرآن پاک کی زبان میں اور رسول کی روزمرہ کی زبان میں جو حدیثوں میں ہے بہت فرق ہے۔ یہ فرق اس قسم کا نہیں ہے جو ایک شاعر کی شعروں میں اور اس کے روزمرہ کے کلام میں ہوتا ہے بلکہ اس فرق کو اہل زبان ہی سمجھ سکتے ہے لیکن ہم مفہوم کو سمجھ کر فرق سمجھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق کے واسطے کہ یہ کلام رسول اللہؐ نے دل سے نہیں گھڑا بلکہ بذریعہ وحی قلب پر اترا ہے۔ ان آیات سے ہوتی ہے۔

سورۃ الشوریٰ آیت ۳۔ كَذٰلِكَ يُوحِيْ اِلَيْكَ۔ آية ۷۔ وَ
كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى۔
آية ۵۲۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔

سورۃ النجم۔ آية ۴۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ یعنی یہ قرآن سوائے اس کے کچھ اور کم و بیش نہیں ہے جو پیغمبر کے دل پر ڈالا گیا اور اس کی

تصدیق ہیں کہ روح الامین نے صحیح صحیح پہنچایا سورۃ النجم - آیت ۱۰ ہے
فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی - اور اپنے بندہ کو سب بتا دیا
جو بتانا چاہتا تھا - یہ سب احکام بذریعہ ان لہروں کے جو ہر جگہ موجود بڑی
قوت میں پیدا ہوتے ہیں جس کو شَدِیْدُ الْقُوٰی سورۃ النجم میں کہا گیا ہے
پہنچے تھے - لیکن جب یہ ریڈیو مشین رب العالمین کو بالکل ٹھیک ثابت ہو
گئی اور اس نے اپنے مکمل ہونے کو ثابت کر دیا تو بنانے والے نے اس کا
درجہ اور بلند کیا اور اس میں جو قوت ٹیلی وژن کی پہلے سے ہی دے رکھی تھی
وہ اس پر ظاہر کر دی کہ نہ صرف الفاظ دل پر سُنے بلکہ دل کی آنکھوں سے نظام
قدرت کے راز بھی دیکھے اور ان قوتوں سے پوری طرح آگاہ ہو جائے جو نظام
قدرت کے واسطے استعمال ہوتی ہیں جن کو ملاء اسفل کہا جاتا ہے اور ان قوتوں
سے یعنی ملاء اعلےٰ سے بھی پوری واقف ہو جائے جن قوتوں کے ذریعہ ابتدا کی
گئی جن کے ذریعہ اور تحلیل سے یہ اعلےٰ درجہ کی مشین جس کو کائنات کہتے ہیں
بنائی جو اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کی گھڑی سے بھی بہتر کام کر رہی ہے - ان قوتوں
کو کسی اور انسان کی روح نے نہیں دیکھا تھا نہ کسی روح کو اس عروج کا درجہ
ملا تھا نہ اس میں یہ طاقت ہوئی تھی کہ وہ ان قوتوں کو اور ان کے اصل کاموں کو
اور مدارج کو دیکھ سکے - یہ خوبیاں صانع قدرت نے اس ہی مشین میں بنائی
تھیں اور ان قوتوں کو جو ٹیلی وژن کا کام کرتی ہیں اس مکمل انسانی مشین میں روشن
کر دیں - اور اس مکمل انسان نے ان قوتوں کے ذریعہ تمام کائنات کا اور اس
کے ساخت کے اصولوں کا مشاہدہ کیا اور جس قدر نبی پہلے آچکے تھے ان کو جو

کچھ بتایا گیا تھا وہ سب اس پر روشن کر دیا گیا۔ اس لیئے قرآن پاک کی آیات سے جو آگے دی جاتی ہیں اس روح کو جو کمال ہوا اور عروج ہوا وہ ظاہر ہے

سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت ۱۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَاط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہ

بڑی شان ہو اللہ کی جو اپنے بندہ کو رات میں مسجد الحرام سے (خانہ کعبہ سے) دور کی (مسجد اقصلٰی لے گیا جس کے احاطہ کو ہم نے متبرک کیا ہے تاکہ ہم اپنی نشانیوں میں سے کچھ اسکو دکھائیں اللہ بے شک سب سنتا اور دیکھتا ہے۔

سورۃ النجم۔ آیت ۱۸۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی

یقیناً اس نے اپنے بڑے رب کی نشانیوں میں سے نشانیاں دیکھیں۔

سورۃ النجم۔ آیت۔۱۱۔ مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ہ

اس کے دل (قلب نے) دھوکا نہیں دیا اس میں جو اس (رسول اللہ صلعم) دیکھا۔ رسول اللہ کی روح نے جس میں تجلی وژن کی بہت بڑی قوت تھی رات کے سفر میں یعنی جس وقت جسم خواب میں تھا اور اس میں انسانی جسم کی ضروریات مثل نیند کے ضروری تھیں تمام کائنات کا دورہ کیا اور قدرت کے کرشموں کا نظارہ کیا۔ پہلے مسجد اقصلٰی تک جاکر وہاں تمام بنی اسرائیل کے نبیوں کے حالات اور ان کی تبلیغ کا مرکز دیکھا اور ان کو جو روحانیت ملی تھی وہ دیکھی اس کے بعد صانع قدرت کے کاموں

میں سے کچھ دیکھے۔ یہ عروج اس روح کو ہوا جو اور کسی روح کو نہیں ہوا تھا۔
روح انسانی اگرچہ روح خداوندی کا جز ہے اس لئے اس میں تمام صفات
موجود ہوتے ہیں لیکن جسم میں مقید ہو جانے سے اس کی سب قوتیں محدود
ہوتی ہیں یہ اپنی صفات کا پوری طرح اظہار نہیں کر سکتی انسان کی قوت
بصارت اور قوت سماعت۔ قوت تخیل بوجہ جسمانی ساخت کے محدود ہیں۔
ہم بہت سی آوازیں نہیں سن سکتے چونکہ یا تو لہریں ہوا میں بہت بڑی ہو
جاتی ہیں یا بہت چھوٹی اور ہمارے کانوں کی قوت سے باہر ہیں۔ ہمارے
جسم کے آرپار گیسے Rays نکل جاتی ہیں مگر ہماری آنکھ جسم کے اندر
کا حال نہیں دیکھ سکتیں حالانکہ فوٹو پلیٹ پر ان کا اثر ہوتا ہے اور جسم کے اندر
کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ دماغی قوت بھی انسان کی محدود ہے اور ہر شخص میں
جدا ہوتی ہے جیسے اوپر کہا گیا لیکن صانع قدرت بعض جسم کی ساخت میں
یہ قوتیں دوسروں سے بہتر دیتا ہے اس لئے ان کی روح کو اپنے اظہار کا بہتر
موقع ملتا ہے اور جب روح اپنی صفات خداوندی قائم رکھتی ہے اور
جسمانی خواہشات کی تابعدار نہیں بنتی اور ان پر قابو پا لیتی ہے تو
اس میں کثافت نہیں آتی۔ اس لئے یہ روح جسم پر حاوی ہو کر
جسمانی مشین سے وہ کام بھی لیتی ہے جو جسم کی ساخت میں
موجود ہیں مگر وہ روحیں ان سے کام نہیں لے سکتیں جو خود جسمانی
خواہشات کا شکار ہو جاتی ہیں۔ یہ قوت روح میں زندگی کے اندر
ہی پیدا ہو جاتی ہیں۔

مرنے کے بعد روح سب دیکھے گی

مرنے کے بعد یعنی روح کو جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد ان حدود سے آزادی ہو جاتی ہے اور سب کچھ دیکھتی ہے لیکن اسکے عروج اور زوال کا دارومدار اس پر ہے کہ اس نے اس زندگی میں کوئی کثافت تو اپنے اندر پیدا نہیں کری - روح کو وہ سب باتیں دکھائی جائیں گی جو اس کے جسم نے دنیا میں کیں یا جو الفاظ بولے چونکہ یہ سب اس نورانی پردہ پر ثبت ہو جاتے ہیں جو ہر جگہ موجود ہے - سورہ انبیاء - آیت ۲۹ - كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ہم نے کل باتیں مسل میں محفوظ کر دی ہیں - اور كِرَامًا كَاتِبِيْنَ یعنی یہ قوتیں جو اس کام کے واسطے صانع قدرت نے بنائی ہیں لکھ دیتی ہیں - انسان نے مادہ دنیا میں پیدا ہوئی چیزوں سے اخذ کر کے اس کو فلم بنایا جس پر آدمی کی حرکتیں اور آواز ثبت ہوتی ہیں لیکن صانع قدرت نے اس قوت کو ہر جگہ پھیلا رکھا ہے جس پر یہ فلم تیار ہو جاتا ہے اس لئے انسانی روح ان سب کا مشاہدہ خود کرے گی -

جنت اور دوزخ کہاں ہیں اور کب تک رہینگے

قیامت کیسے آئے گی

جنت اور دوزخ کی بابت کلام پاک میں آیا ہے - سورۃ ہود - آیات ۱۰۷، ۱۰۶

خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ ط اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ٥ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ ط عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ۔ وہ (یعنی گناہ گار) رہیں گے اس میں (دوزخ میں) اس وقت تک جب تک کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین قائم رہیں گے سوائے اس کے کہ تیرا رب اس میں کوئی تبدیلی کرے۔ تیرا رب اپنی مجوزہ باتوں کو پورا کرتا ہے۔

اور وہ جو نیک اور اچھے لوگ ہیں وہ جنت میں اس وقت تک رہینگے جب تک آسمان (یعنی جو کچھ زمین سے اوپر ہے) اور زمین قائم رہیں گے بجز اس کے کہ تیرا رب اس میں کوئی ترمیم کردے۔ یہ خوشی ان کو مسلسل حاصل رہے گی (یعنی اس میں توقفات نہ ہوں گے جیسے دنیوی زندگی میں خوشی و آرام کے مواقع گاہے گاہے آتے ہیں)

سورۃ آل عمران۔ آیت ۱۳۳۔ وَسَارِعُوْآ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ٥ اللہ تعالےٰ سے معافی مانگنے میں جلدی کرو اور جنت کے حاصل کرنے میں تیزی کرو جس کی چوڑائی دنیا کے اور جو کچھ دنیا کے اوپر ہے اس کی برابر ہے جو پرہیزگاروں کے واسطے بنائی گئی ہے۔

ان آیات سے یہ باتیں ظاہر ہوتی ہیں

(۱) جنت اور دوزخ اس وقت تک رہیں گے جب تک کہ دنیا اور جو

دنیا سے اوپر آسمانوں میں ہے باقی رہے گا اور اسی وقت تک جنت اور دوزخ میں لوگ باگ رہیں گے جس وقت یہ کائنات فنا ہو جائیگی جنت اور دوزخ بھی فنا ہو جائیں گے۔ یعنی قیامت تک ہی یہ سب چیزیں معہ جنت اور دوزخ کے رہیں گے۔

(۲) جنت کی چوڑائی اس قدر ہے جتنی کہ دنیا اور آسمانوں کی جس کے معنی ہوئے کہ جنت اس سے باہر نہیں ہے یعنی دنیا اور آسمانوں میں ہی جنت ہے۔ اس سے باہر جنت نہیں ہے۔ آسمانوں سے مطلب اس تمام لاانتہا علاقہ سے ہے جو دنیا سے اوپر چاروں طرف دنیا کے ہے چونکہ دنیا مثل گیند کے گول ہے۔ لہذا جنت اور دوزخ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور ان کے ساتھ ان کی بقا اور فنا ہے۔

سورۃ رعد۔ آیت ۴۸۔ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ط ایک دن یہ دنیا دوسری دنیا میں اور آسمان دوسرے آسمانوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور اللہ کے سامنے لائے جائیں گے جو واحد اور قہار ہے (یعنی جس کے حکم کو روکا نہیں جا سکتا) اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب یہ کائنات سب فنا ہو جائے گی اور سوائے اللہ کے کچھ باقی نہ رہے گا تو اللہ تعالیٰ از سر نو دوسری کائنات پیدا کرے گا چونکہ آسمان اور زمین تو اپنی مقررہ میعاد میں ختم ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۹۹۔ میں جو پہلے نقل کی جا چکی ہے یہ فرمایا ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس خدا

نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس میں یہ بھی طاقت ہے کہ وہ دوبارہ ایسی کائنات ازسرِ نو بنا دے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کے واسطے ایک میعاد مقرر کی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ اب سائنس بھی یہ مانتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ ہر قسم کی انرجی Energy ختم ہو کر صرف ایک Heat Energy باقی رہ جائے گی اور یہ ساری کائنات ختم ہو جائے گی۔ لیکن ساتھ میں دنیا کے خاتمہ کو سائنس بالکل اسی طرح مانتا ہے جو قرآن پاک میں دیا ہے۔ ابھی تک سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے چونکہ دنیا مغرب سے مشرق کی طرف گھومتی ہے لہٰذا سورج مشرق سے نکل کر مغرب کی طرف کو جاتا معلوم ہوتا ہے۔ دنیا کی یہ گردش یعنی مثل لٹو کے چکر لگانا سورج کی کشش اور اپنے محور پر گردش کی وجہ سے ہے۔ سورج خود بھی اسی طرح گھومتا اور چکر لگاتا ہے اگر سورج کی گردش میں فرق آجائے تو دنیا کی گردش میں بھی تبدیلی ہو جائے گی۔ چونکہ سارے ستارے محض آگ کے بگولے ہیں اور ان میں حدت اس سے لکھو کھا گنی زیادہ ہے جو حدت ہم دنیا میں آگ کی بھٹی میں پیدا کرتے ہیں اور یہ سب گول دائرہ پر گھومنے سے گول ہیں۔ ہمارا سورج بھی ایک چھوٹا سا ستارہ ہے اور اس میں حدت بھی دوسرے ستاروں سے کم ہے۔ ہر ستارہ کا مادہ پہلے تو سکڑتا جاتا ہے جس سے آگ کا بگولہ چھوٹا ہوتا جاتا ہے پھر ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ سکڑنے کی حد پہنچ جاتی ہے اور اندر سے زور پڑ کر وہ ایک دم بہت پھیل جاتا ہے اس کو Nova یعنی نیا ستارہ کہتے ہیں۔ ہمارے سورج

میں ابھی یہ نوبت نہیں آئی لیکن سائنس داں آدمیوں کے خیال کے مطابق
سورج میں ایسے اثرات پیدا ہوتے جاتے ہیں کہ وہ کسی دن بہت پھیل
جائے اور Red Star بن جائے۔ اگر ایسا ہوا تو سورج اتنا پھیل جائے
گا کہ ہماری دنیا تک آجائے۔ اس حالت میں عطارد اور زہرا سیارے جو دنیا
اور سورج کے درمیان میں اڈر رہے ہیں وہ سورج میں فوراً فنا ہو جائیں گے اور
اور سورج دنیا کو مغرب سے نکلتا معلوم ہوگا اور دنیا کا سارا مادہ روئی کے
گالے کی طرح اڑے گا اور پھر سب بھاپ بن جائے گا۔ جب سورج دوبارہ
سکڑے گا تب عطارد۔ زہرا اور دنیا کا مادہ دوبارہ شکل اختیار کرے گا۔ لیکن
ان تین سیاروں کے ختم ہو جانے سے اور سورج کے اس قدر وسیع ہو جانے
سے باقی سیارے بھی درہم برہم ہو جائیں گے اور ان کی چالیں بدل جائیں
گی۔ اس طرح نظام شمسی سب ختم ہو کر از سر نو ظہور میں آئے گا۔ ہماری دنیا
اور نظام شمسی کی یہ قیامت اسی طرح ہے جیسے کہ کلام پاک میں ہے۔ اصول
سب موجود ہیں اگرچہ ان کی تشریح کی اللہ تعالےٰ نے ضرورت نہیں سمجھی
نہ ایسی جامع کتاب میں جیسا کہ قرآن پاک ہے دی جا سکتی تھی چونکہ یہ
تو قیامت تک انسان کی رہبری کرے گا خواہ انسان علم میں کسی قدر ترقی
کرے یا جاہل رہے۔ یہ ان لوگوں کا بھی رہبر ہے جن کا علم بہت محدود ہے
اور جو انہی باتوں پر قائم ہیں جو اب سے ایک ہزار سال قبل بعض مسلمانوں
نے یونانیوں اور اوہام پرست عیسائیوں سے حاصل کر کے لکھے تھے باوجود
ترقی کے زمانہ کے علوم حاصل کر چکے ہیں۔

ہماری دنیا میں دن چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے لیکن دنیا سے باہر یہ دن نہیں ہوتا

ہماری دنیا جو ایک دفعہ سورج کے سامنے گھومتی ہے اور اس سے رات اور دن پیدا ہوتا ہے اس عرصہ کو ہم ایک دن کہتے ہیں اور اس عرصہ کے چوبیس حصہ کر کے ہر ایک حصہ کو ایک گھنٹہ کہتے ہیں۔ کبھی دن بڑا ہوتا ہے کبھی رات لیکن مجموعی وقفہ چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے۔ ۲۳ مارچ کو جب سورج برج حمل میں آتا ہے دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں اس کے بعد سے دن بڑھنا اور رات چھوٹی ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ ۲۳ جون کو سب سے بڑا دن ہوتا ہے اور پھر دن گھٹنا شروع ہو جاتا ہے حتےٰ کہ جب سورج ۲۳ ستمبر کو برج سنبلہ میں ہوتا ہے دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں اور پھر دن اور گھٹتا ہے حتےٰ کہ ۲۳-۲۴ دسمبر کو دن سب سے چھوٹے ہوتے ہیں اور رات سب سے بڑی۔ پھر ۲۵ دسمبر کو دن بڑھنا شروع ہوتا ہے اور سورج کی روشنی زیادہ وقت رہنی شروع ہوتی ہے۔ جس قدر سورج پرست ہیں وہ اس تاریخ کو سورج کی پیدائش کا دن مانتے ہیں اور اوہام پرست مذاہب میں اس کو اپنے پیشواؤں کی پیدائش کی تاریخ دے دی گئی ہے۔ گوتم بدھ کی پیدائش بھی بدھ مذاہب والوں نے یہی قرار دی ہے اور ان کی والدہ بھی ہاتھی کی سونڈھ پیٹ پر رگڑنے سے حاملہ ہوئیں۔ دیوتا آسمانی ہاتھی کی

شکل میں خواب میں نظر آیا اور سونڈھ پیٹ پر رگڑ دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت بھی عیسائیوں نے ۲۵ دسمبر پیدائش کا دن گھڑ لیا حالانکہ کوئی تاریخی ثبوت پیدائش کے دن کا نہیں سوائے اس گھڑے ہوئے قصے کے کہ ایک [illegible] دیکھا گیا لیکن اس پر بھی حاشیہ بندیاں کی گئی ہیں چونکہ مصر میں سورج پرستی تھی اور وہاں دیوتا کی پیدائش کا دن ۲۵ دسمبر تھا جب کہ سورج زیادہ وقت رہنا شروع ہوا اور دن بڑھنا شروع ہوا اس لئے ان عیسائیوں نے جنہوں نے اسکندریہ میں عیسائی مذہب کی تشکیل کی ۲۵ دسمبر حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا دن قرار دیا تاکہ سورج پرست حضرت عیسیٰ کو بجائے دیوتا کے آسانی سے مان لیں۔ بعض مفسرین قرآن نے اس تاریخ کو سچ مان کر تفسیر لکھ دی اور یہ لکھ دیا کہ حضرت مریم کے واسطے اس غیر موسم میں خاص طور پر اللہ تعالےٰ نے کھجور کے ٹھنڈے درخت کو ہرا کر دیا اور اس میں کھجوریں ایک دم پکی پکی لگا دیں یہ عیسائی مذہب کی کتابوں میں نہیں ہے لیکن ان مفسرین نے اپنی جدت طبع آزمائی ہے اور عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع دے دیا ہے جو قرآن پاک سے کہیں ثابت نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا کیا زمانہ تھا

فرشتے اور روحیں اللہ تعالےٰ تک ایک دن میں پہنچتے ہیں جو ہمارے پچاس ہزار سال کی برابر ہے

ہمارا دن دنیا کے اپنے مرکز پر گھومنے سے اور سال دنیا کے ایک چکر

سے جو سورج کے چاروں طرف کرتی ہے پیدا ہوتے یا شمار کیئے جاتے ہیں لیکن دنیا سے باہر یہ دن ہمارے چوبیس گھنٹہ کا نہیں ہوتا۔ ہر سیارہ کا دن جدا ہے۔ ہر ستارہ کی گردش کی میعاد جدا ہے۔ چونکہ کائنات بہت وسیع ہے اس کی کوئی شمار ہمارے دنوں سے نہیں ہوتی سورۃ المعارج آیت ۴

مِنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ۝ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝

فرشتے اور روحیں اللہ تعالےٰ تک ایک دن میں پہنچتے ہیں جو تمہارے پچاس ہزار سال کی برابر ہوتا ہے۔ اس آیت سے کائنات کی وسعت جو اللہ تعالےٰ نے اب سے پونے چودہ سو سال قبل بتائی ظاہر ہے اس زمانہ میں کوئی اس کی وسعت سے آگاہ نہ تھا۔ ہم بذریعہ سائنس یہ جانتے ہیں کہ بجلی اور روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل چلتی ہیں اور دنیا کے گرد ایک سیکنڈ میں سات چکر لگاتی ہے چونکہ روشنی اور بجلی بھی طاقتیں ہیں اور ایک ور طاقت میں لہریں پیدا ہونے سے یہ چلتی ہیں لہٰذا اس سے اندازہ پچاس ہزار سال کا کیا جائے۔ چونکہ قوتوں کو مذہبی زبان میں ملائک کہا گیا ہے اس لیئے یہ ملک جو ان قوتوں کی تاثیر اور خاصیت رکھتے ہیں یہ اس قدر عرصہ میں اللہ تعالےٰ تک پہنچتے ہیں۔ ان سے زیادہ تیز چال صرف انسان کی نگاہ کی اور اس سے بھی تیز چال خیال کی ہے۔ عربی زبان کے محاورہ میں ایسے الفاظ جیسے پچاس یا ستر سے مراد بہت تعداد کے لیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا پچاس ہزار سے مطلب لاتعداد ہے جو شمار نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ قرآن پاک سلیس عربی

میں عربی محاوروں کے ساتھ اتارا گیا ہے جس سے وہ فصیح اور بلیغ ہو گیا ہے
اس لئے ہم کو عربی لحاظ سے پچاس ہزار سال کے معنی بہت بڑی میعاد لینا
ہے جو پچاس ہزار سال سے بہت زیادہ ہو سکتی ہے۔ جیسے کہ بلیس کروڑ
سال جو لوگ معراج جسمانی ایک پل کی سمجھتے ہیں ان کو فرشتوں کی اس
رفتار کو اور اس آیت کو سمجھنا چاہئے۔ فرشتہ جو کہ روح ہے اور خاص کر
جبریل کو روح کہا گیا ہے وہ اس قدر عرصہ اللہ تعالےٰ تک پہنچنے کا فاصلہ
کے لحاظ سے لیتا ہے تو جسم کس قدر عرصہ لے گا۔ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں
کہ یہ نیلی نیلی چھتری آسمان نہیں ہے اور قرآن پاک میں جو سبع سمٰوٰت
ہیں وہ سات سیاروں کی بلندی سے مطلب ہے اور سبع طرائق ان
راستوں سے مطلب ہے جن پر یہ ساتوں سیارے جن میں چاند اور سورج
بھی شامل ہیں چلتے نظر آتے ہیں۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ۔ یعنی
قسم آسمان کی جس میں بہت راستے ہیں سے مطلب ان راستوں سے ہے
جن میں بے شمار ستارے۔ نیبولا۔ کامٹ گھومتے ہیں کُلٌّ فِیْ فَلَكٍ
یَّسْبَحُوْنَ سب آسمان میں چکر لگاتے ہیں۔ چونکہ قرآن پاک صابی لوگوں
سے بھی مخاطب ہے جو کہ بہت بڑے نجومی تھے اور ان کے یہاں پانچوں
سیاروں اور سورج و چاند کی پرستش ہوتی تھی اور ان کی چالوں کا آدمی
کی زندگی پر پورا اثر سمجھتے تھے۔ انہی سے برہمنوں نے یہ علم حاصل کیا تھا
بابل اور کالدیہ میں بڑی بڑی رصدگاہیں بنی تھیں اور پانچ سیاروں کی
پرستش کے واسطے پانچ منزلہ عمارت بنائی جاتی تھی جس کو زہرہ زیارت

کہتے تھے۔ ہر منزل کے کمرہ کا رنگ اس سیارہ کے رنگ کے مطابق ہوتا تھا
جس کی پرستش کے لئے یہ بنا ہو۔ آثار قدیمہ جو عراق میں برآمد ہوتے ہیں اور
ان کی کتابیں اینٹوں پر لکھی ہوئی جو برآمد ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ وہی
لوگ علم نجوم کے موجد اور ماہر تھے اور اہل ہنود سے بہت قبل انہوں نے
اس علم میں ترقی کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ہر سیارہ میں قوت کشش ہے
جس سے وہ دنیا کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کشش کا اثر انسان کی پیدائش
اور اس کے جسم پر ہوتا ہے۔ لہذا وہ بھی آدمی کی پیدائش کے وقت جو برج
مشرق میں طلوع ہو رہا ہو اس کو کنڈلی مان کر اگلے گیارہ برجوں کو گیارہ گھر
مزید میں یعنی کل بارہ برجوں میں تقسیم کرتے تھے اور جس جس برج میں جو
سیارہ اور سورج اور چاند ہوتے تھے ان سے انسان کی زندگی پر اثرات قائم
کرتے تھے۔ مثلاً زحل کا رنگ نیلا سمجھا جاتا ہے اس لئے اگر یہ سیارہ اس
برج میں ہوتا تھا جو پیدائش کے وقت طلوع ہو رہا ہے تو یہ آدمی کالے رنگ
کا اور منحوس سمجھا جاتا تھا۔ اگر چاند اس میں تھا تو آدمی گورا اور خوبصورت لیکن
بیوقوف سمجھا جاتا تھا۔ اگر زہرہ ہوتا تھا تو آدمی خوبصورت اور عاشق مزاج۔ اگر
مشتری ہوتا تو آدمی عقلمند اور سمجھدار۔ اگر عطارد ہوتا تو عالم فاضل علم کا شوقین
اگر مریخ ہوتا تو آدمی کے رنگ میں سرخی ہوتی اور یہ لڑنے والا اور بہادر سمجھا جاتا
اگر سورج ہوتا تو یہ سب پر حاوی ہوتا۔ انہی سے برہمنوں نے سیکھا ہے جس
کی شہادت تاریخ دیتی ہے۔ برجوں کی جو شکلیں آج کل رائج ہیں یہ اس
زمانہ میں یعنی حضرت عیسٰے سے چار ہزار سال قبل کے کتب خانہ عراق میں موجود

ہیں۔ بعض برج ایسے جانوروں کے ناموں کے ہیں کہ جن کا وجود ہندوستان
میں نہیں ہے اور یہ نام عراق سے لیئے گئے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ صابئین
میں سے جو نیک ہوں گے وہ بھی بخشے جائیں گے اور آسمان پر برجوں کا بھی ذکر
ہے۔ یہ برج کوئی قلعہ کے برجوں کی طرح نہیں ہیں۔ بلکہ ستاروں کے گچھوں کو
آسمان کی گولائی پر جو دنیا کی گولائی کے چاروں طرف ہے بارہ حصوں میں تقسیم
کر دیا ہے اور ہر حصہ کے ستاروں سے ایک شکل خیالی مان لی گئی ہے۔ یہ بارہ
برج اس راستہ گول پر ہیں جن میں سیارہ گھومتا نظر آتا ہے لیکن ہر برج کے
ستارے ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر ہیں۔ ایک سے دوسرے ستارہ
تک ہزاروں سال میں روشنی پہنچتی ہے۔ قرآن پاک میں علم فلکیات کا سبق
دینا ضروری نہ تھا ورنہ تو دنیا بھر کے سبق دیئے جاتے صرف یہ اشارہ دینا
کافی تھا جس قدر دیا گیا تاکہ صابئی مذہب والے جو علم فلکیات سے اس زمانہ
کے لحاظ سے دنیا میں سب سے زیادہ عالم تھے وہ بھی سمجھ جائیں کہ ان سیاروں
میں ہی کشش نہیں ہے اور صرف یہ ہی انسان کی زندگی پر اثر نہیں کرتے
بلکہ ان کو بنانے والی اور ان کو بھی گردش دینے والی اور قوت ہے جو ساری
کائنات کو قائم کئے ہوئے ہے وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا اور اس کو قائم
رکھنے میں تھکتی نہیں۔ اصل قوت وہ قوت ہے جو ان سیاروں اور ستاروں
اور کل کائنات کو گھما رہی ہے۔ بغیر اس طاقت کی مدد کے سب سیاروں
کا گھومنا بند ہو جائے اور کل کائنات درہم برہم ہو جائے۔ پرانے زمانہ کے
نجوم کے لحاظ سے چاند دنیا سے قریب تر ہے لہذا چاند کا فاصلہ پہلا آسمان

پھر زہرہ کا فاصلہ دوسرا آسمان ۔ عطارد کا فاصلہ تیسرا آسمان ۔ سورج کا فاصلہ چوتھا آسمان سمجھا جاتا تھا ۔ یہ نجومی دنیا اور سورج کے درمیانی سیارگان کو پہلے لیتے تھے بعد میں مریخ کو پانچواں آسمان مانتے تھے حالانکہ مریخ دنیا سے بعض وقت بہت قریب آجاتا ہے لیکن جب وہ سورج کے دوسری طرف دنیا سے ہوتا ہے تو وہ زیادہ فاصلہ پر ہوتا ہے اس لئے اس کو پانچواں آسمان مانا جاتا ہے اور مشتری چھٹا اور زحل ساتواں حضرت عیسیٰ کی بابت جو چوتھے آسمان پر جانے کا قصہ ہے اس کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بابت جو باب لکھا جائے گا اس میں دیا جائے گا ۔ اس وقت یہ بتانا کافی ہے کہ دنیا سے باہر یہ دن اور سال نہیں ہے جو ہماری دنیا کی گردش سے ہوتے ہیں اور ہماری شمار کے واسطے جہاں تک دنیا کا تعلق ہے یہ کافی ہیں لیکن دنیا سے باہر نہ شمار میلوں سے ہوتی ہے نہ دنوں سے نہ سالوں سے ۔ اگر کل کائنات کو لیا جائے تو اس کے دن کی شمار کیا ہو سکتی ہے جب کہ سورج کا سال پچیس کروڑ سال ہے تو ہمارے اس عالم کی گردش کا تخیل بھی ہم نہیں کر سکتے جو کہکشاں کے دائرہ کے اندر ہم کو نظر آتا ہے جس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک روشنی اپنی مذکورہ بالا رفتار سے دو لاکھ سال میں جاتی ہے اور ان نیبولا کے دور کا حال جن کی روشنی ہم تک بیس کروڑ سال میں آتی ہے ہم کہاں جان سکتے ہیں وہ کس مرکز کے گرد گھومتے ہیں کوئی نہیں جانتا ۔ لہذا اس کائنات کی یہ وسعت ہے ۔

معراج روحانی یا جسمانی

یہ غور کرنے کی بات ہے کہ رسول اللہ صلعم کے جسم کو اس وسعت میں کس طرح گھمایا جاسکتا تھا۔ بہرحال جسم مبارک رسول اکرم صلعم کا ایک انسان کا جسم تھا جو مادہ کا بنا ہوا تھا اور اسی طرح دنیا میں آیا جس طرح اور انسانوں کے جسم آتے ہیں اور اسی طرح بڑھا اور اسی طرح فوت ہوا۔ قرآن پاک میں اس لئے اللہ تعالےٰ نے فرمادیا کہ کہہ دو اے پیغمبر لوگوں سے کہ میں تم ہی جیسا ایک بشر ہوں یعنی جس طرح تم مٹی سے سورۃ المومنون کے مطابق بنے ہو اسی طرح میں بھی ہوں اور میرا جسم بھی ویسا ہی جیسا تمہارا اسی طرح میں کھاتا پیتا سوتا ہوں جیسے تم صرف فرق یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ کو مقرر کیا ہے کہ تم تک میرے ذریعہ احکامات پہنچا دے اور جس طرح مجھ سے پہلے جس قدر نبی آئے سب فوت ہوگئے اسی طرح میں بھی فوت ہو جاؤں گا۔ قرآن پاک کی ان آیات سے ثابت ہے کہ رسول اکرم صلعم کے جسم اقدس میں بھی وہ محدودی تھی جو اور انسانوں کے جسم میں ہوتی ہے اور یہ جسم اور معمولی آنکھیں ان نورانی چیزوں کا مشاہدہ نہیں کرسکتیں جو معراج کے موقع پر آنحضرت صلعم کو کرایا گیا۔ اس لئے معراج جو رسول اللہ صلعم کو ہوئی وہ روحانی معراج تھی نہ کہ جسمانی معراج۔ معراج روحانی سے یہ مطلب ہے کہ کسی اور روح کو وہ راز الٰہی جن سے اس نے کائنات پیدا کی ہے اور اس کے مدارج معلوم نہیں ہوئے اور نہ ارواحوں سے ایسا تعلق پیدا ہوا جو

رسول اللہ صلعم کی روح کو اسی دن سب علم مشاہدہ سے دیا گیا۔ رسول اللہ صلعم
کی روح مبارک کو وہ عروج یعنی بلند مرتبہ حاصل ہوا جو دیگر انبیا کو بھی
حاصل نہ ہوا تھا بغیر اس عروج کے وہ آخری نبی نہ ہو سکتے تھے نہ ان کا مذہب
مکمل ہو سکتا تھا۔ ان کی روح مبارک میں یہ قوت دے دی گئی کہ وہ
اس رات کے بعد سے تمام راز الٰہی سے واقف ہو گئی یہ عروج اگر جسمانی ہوتا
تو وہ اس رات کے بعد ختم ہو جاتا۔ لیکن درحقیقت یہ عروج روح کو حاصل
ہو گیا اور روح میں جذب پیوست ہو گیا اور بجز ذات الٰہی کے سب قوتوں
کو اور ان اصولوں کو جن پر وہ کام کرتی ہیں دیکھ لیا۔ پہلے تو مثل ریڈیو کے
تمام آوازیں سنتے تھے اس کے بعد سے بطور ٹیلی وژن کے بھی مشاہدہ کرنے
لگے۔ لیکن یہ پیغامات خواہ دل میں بطور آواز پیدا ہوتے یا بطور شکل صرف
وہی پیغامات ہوتے تھے جو وہ قوت پہنچانا چاہتی تھی جس نے تمام قوتوں
کو اور مادہ کو پیدا کیا ہے۔ جب پیغام کا وقت ختم ہو جاتا تھا تو رسول اکرم معمولی
انسان ہو جاتے تھے اگرچہ دنیا میں سب سے زیادہ عقل مند آدمی تھے
جن میں ہر قسم کی خوبیاں موجود تھیں اور ہر قسم کا خداداد علم بوجہ ذہانت
کے موجود تھا۔ کتابیں پڑھ کر یہ علم حاصل نہیں ہوا تھا بلکہ صانع قدرت
نے یہ ایسی مکمل انسانی مشین بنائی تھی جس میں ہر قسم کی ذہانت اور عقل
مندی اور فرقان موجود تھا۔ چونکہ جسم کو اور دماغ کو نہایت عمدہ بنایا تھا
اس لئے اس روح کو جو اس جسم میں تھی پوری جولانی اور ترقی کرنے کا موقع
ملا۔ اللہ تعالےٰ کسی بیوقوف کو نہ پیغمبر بناتا ہے نہ ولی نہ بیوقوف آدمی اللہ

کو سمجھ سکتا ہے نہ سمجھا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلعم کو انسانی زندگی کے ہر پہلو سے آگاہ کر دیا گیا تھا اور ان کی معرفت ہر پہلو کے واسطے قانون انسان کو پہنچایا۔ کم عقل آدمی اگر قانون کو سمجھ بھی لے تو بھی اس میں قانون بنانے کی عقل نہیں ہوتی۔ کن وجوہات کی بنا پر قانون بنایا گیا یہ ایک عقل والا ہی سمجھ سکتا ہے اور قانون بنانے والا ہر باریک سے باریک حالات کو مدنظر رکھ کر تب قانون بناتا ہے۔ جس شخص کی معرفت انسان کی زندگی کے ہر شعبہ پر قانون بنایا گیا اس کی ذہانت اور عقل مندی کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ معراج جسمانی اول تو عقل کے خلاف ہے لیکن اگر ہوتی بھی تو خانہ کعبہ سے مسجد اقصا تک لے جانے کا کیا مقصد۔ اس راستہ میں رات کے وقت معمولی آنکھوں سے کیا دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر جسمانی معراج مانی جائے تو جسم کی سب محدود قوتوں کو بھی ماننا لازمی ہو جائے گا اور جسم ان محدود حالتوں میں جو اس کی ہیں کیا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ روح کو عروج ہے تو اس میں لا انتہائی قوت پیدا ہو سکتی ہے لیکن جسم کے اوپر جانے اور پھر نیچے آنے کا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔ روحانی عروج سے تو انسان میں دائمی قوت حاصل ہو سکتی ہے اور جسمانی عروج تو ایک کھیل ہو کر رہ جائے گا۔ جسمانی عروج کا خیال مسلمانوں میں عیسائیوں سے پیدا ہوا چونکہ عیسائی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھ جانا مانتے تھے اور وہ مسلمان جو عیسائی مذہب سے مسلمان ہوئے وہ اپنے پرانے خیالات لے کر اسلام میں داخل ہوئے اور دوسرے مسلمانوں کے خیالات پر بھی اثر ڈالا۔ لہذا جب مسلمان حضرت عیسٰی کو معہ جسم کے آسمان

پر جانا ماننے لگے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان بھی رسول اللہ صلعم کو آسمان پر جسمانی حالت میں جانا اور لوٹ کر آنا نہ مانیں۔ ایک غلط چیز اور غلط اعتقاد کی بنا پر دوسرا غلط خیال بھی ماننا پڑا۔ جو مسلمان اس اعتقاد میں عیسائیوں کے غلط اعتقاد کی وجہ سے پڑ گئے وہ خدا کا وہ خیال جو اسلام نے پیدا کیا ہے بھول گئے۔ اسلام میں اللہ تعالےٰ لامحدود ہستی ہے جو لامکان ہے اور ہر جگہ موجود ہے کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں وہ موجود نہ ہو اس کو ایک محدود ہستی ایک محدود مقام پر ساکن ماننے لگے۔ آسمان کو خواہ کتنا ہی وسیع مانیں تاہم وہ محدود جگہ ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک کی آیات کو یا تو بھول گئے یا اپنے کو صحیح مان کر قرآن کی آیات پر تاویل لگانے لگے اور خلاف از عقل معنے سمجھنے لگے اور خدا کی لامحدود ہستی کو ایک چھوٹی محدود ہستی بنانے لگے اور بغیر جدید علوم کو سمجھے ان کا حوالہ دینے لگے جن کے بالکل متضاد ان کے خیالات ہیں۔

نوٹ:- ایک صاحب نے جدت طبع فرمائی اور کتاب میں لکھ دیا کہ براق بجلی کا گھوڑا تھا چونکہ براق برق سے بنا ہے اور جب ایروپلین اوپر اڑتا ہے تو ہم کو یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ براق اسی طرح اڑا۔ ان صاحب نے نہ تو ایروپلین کے اڑنے کے اصول کو سمجھا نہ وہ برق یا برقی قوت سے واقف معلوم ہوتے ہیں نہ برقی قوت کی رفتار سے نہ آسمان سے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کو مکانیت دے کر محدود کر دیا اور کلام مجید کی آیات اور ان حدیثوں کو جو ان آیات کے مطابق ہیں نظر انداز کر دیا۔ ہمارا مطلب کسی کے اعتقادات پر اعتراض کرنا نہیں۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنے اعتقاد پر قائم رہے لیکن بعض جگہ جو ہم دوسروں کے اعتقادات کو یہاں بیان کرتے ہیں اس سے ہرگز منشاء ان کے اعتقاد پر اعتراض نہیں بلکہ ہمارا منشاء اسلام کو اصل حالت میں پیش کرنا ہے اور امید ہے کہ جو لوگ پہلے دوسرے خیالات رکھتے تھے وہ ان خیالات پر جو ہم آیات قرآنی کے تحت موجودہ علوم کے نظریہ

(بقیہ صفحہ ۱۴۴ پر)

قرآن پاک کی مفصل ذیل آیات پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا حال معلوم ہوگا

سُورَۃ الاعراف - اٰیۃ ۷ - وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ۝

ہم کبھی کسی جگہ سے غیر موجود نہیں ہوتے

سُورَۃ ق - اٰیۃ ۱۹ - وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

اللہ تعالےٰ شہ رگ سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے

سُورَۃ واقعۃ اٰیۃ ۸۵ - وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَٰكِنْ لَا تُبْصِرُونَ

اللہ تعالےٰ اس سے زیادہ قریب ہوتا ہے بہ نسبت تمہارے اگرچہ تم نہیں دیکھ سکتے

سُورَۃ النساء اٰیۃ ۱۲۶ - وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا

اور تحقیق اللہ تعالےٰ ہر چیز کو گھیرے ہوتے ہے یعنی ہر چیز میں موجود ہے

سُورَۃ البقر - اٰیۃ ۱۱۵ - وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں۔ تم جسطرف کو بھی منہ کرو اللہ تمہارے سامنے موجود ہے۔ بیشک اللہ ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز کا اسکو علم ہے

سُورَۃ البقرہ - اٰیۃ ۲۳۵ - وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۝

اور یہ سمجھ لو کہ اللہ کو سب معلوم ہے جو تمہارے دل میں ہے اور اسکا خیال رکھو

سُورَۃ الانعام - اٰیۃ ۱۰۳ - لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ

بقیہ نوٹ:- پیش کرتے ہیں غور اور توجہ فرمائیں گے خواہ وہ ان کو مانیں یا نہ مانیں۔ چونکہ ہم اس اصول سے جو رسول اللہ صلعم نے اختیار کیا تھا آگے نہیں جا سکتے کہ اصلیت کو پیش کریں خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ ہم اسکا بھی دعوےٰ نہیں کرتے کہ یہ ہمارے خیالات ہی درست ہیں اور دوسروں کے غلط۔

وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔ اس کو آنکھ نہیں دیکھ سکتیں لیکن وہ نظر کو دیکھتا ہے وہ خیال سے بالاتر ہے لیکن ہر بات سے باخبر ہے۔

سُورَۃ حدید۔ ایۃ ۴۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ

اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو

سُورَۃ البقرہ۔ ایۃ ۱۸۶۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ

اور جس وقت میرے بندے تجھ سے میری بابت دریافت کرتے ہیں

میں قریب ہوتا ہوں۔

اللہ تعالےٰ جب انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے تو رسول اللہ کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب تھا۔ پھر ایک سواری پر سوار کرا کے آسمان پر لے جانے کے کیا معنی۔ اگر اللہ ایک خاص مقام پر جس کو آسمان سمجھا جائے ہے تو پھر اللہ تعالےٰ کیوں کہتا ہے کہ میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہوں۔ شہ رگ سے زیادہ قریب انسان کے قریب کیا ہے اس کو سمجھنا چاہیئے۔ شہ رگ تو محض جسم میں ایک نالی ہے جس میں ہو کر خون سارے جسم میں دوڑتا ہے اگر اس نالی کو کاٹ دیا جائے تو خون جسم میں دوڑنا بند ہو جائے تو آدمی مر جائے۔ لہذا شہ رگ سے زیادہ قریب تو خون ہے جو اس میں دوڑتا ہے اگرچہ یہ نالی تمام جسم کو خون پہنچاتی ہے اور خون سے بھی زیادہ قریب وہ قوت ہے جو خون کو دوڑاتی ہے اگر یہ قوت جو خون کو دوڑاتی ہے غائب ہو جائے تو باوجود اس کے کہ خون بھی موجود ہو اور نالی بھی ٹھیک ہو خون بہنا بند ہو جائے گا اور آدمی مر جائے گا۔ مردہ جسم میں بھی شہ رگ اور خون موجود ہوتا ہے

لیکن خون حرکت نہیں کرتا چونکہ اس میں حرکت دینے والی قوت نہیں ہوتی اس قوت کے بغیر انسان کے جسم میں روح نہیں رہتی اور روح ہی اس قوت کا اظہار ہے۔ لہذا انسان کی روح شہ رگ سے بھی زیادہ انسان کے قریب ہے اور اللہ تعالےٰ جب فرماتا ہے کہ میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہوں تو مراد انسان کی روح سے ہے چونکہ روح انسانی روح خداوندی کا جزو ہے۔ سورۃ السجدہ آیت ۹۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ ۔ انسان کو موضوں شکل میں بنا کر اس میں اللہ تعالےٰ نے اپنی روح میں سے روح پھونک دی۔ انسان کا جسم انسان نہیں ہے وہ تو صرف جسم ہے اور مردہ حالت میں لاش کہلاتا ہے اگرچہ اس کے سب اعضا ٹھیک ہوتے ہیں تاہم وہ انسان نہیں ہوتا بلکہ صرف اس کی لاش ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جسم اور روح مل کر انسان ہوتا ہے۔ بغیر روح کے انسان نہیں ہوتا۔ لہذا ایک زندہ انسان میں شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک جو شے ہے وہ روح ہے جو خدا کی روح میں سے روح ہے۔ لہذا انسان کی روح جب اپنے اوصاف پر پورا غور کرے اور خداوندی صفات کو اپنے اندر سمجھ کر ان پر پوری عامل ہو جائے تو اس کو قرب الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی اس خدا سے جو ہر جگہ موجود ہے ملحق اور وابستہ ہو جاتی ہے اور اس کو تمام راز جو کائنات کی تخلیق میں پنہاں ہیں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس کے درجے ہوتے ہیں کہ کون روح کس قدر ترقی کرتی ہے جو روح ترقی کرتی ہے وہ اس کا عروج ہے اور جو نیچے کو گرتی ہے وہ اس کا زوال ہے۔ روح کے عروج کو معراج کہتے ہیں

یعنی روح کی بلند مرتبہ کی - نزول نیچے آنے کو کہتے ہیں جب روح کسی چیز کو جسم میں پہنچائے تو وہ نزول ہے یا بلند پایہ سے نیچے مرتبہ کی طرف آئے وہ نزول ہے - رسول اللہؐ کی روح مبارک کو وہ عروج حاصل ہوا جو کسی اور روح کو نہیں ہوا تھا - اس معراج یا عروج کی حالت میں ان کی روح مبارک نے سب رازوں کا علم حاصل کر لیا اور وہ رسول اللہؐ کا یعنی جسم اور روح کو ملا کر جو شخصیت رسول اللہؐ کی تھی اس کا جزو بن گیا جس طرح کسی چیز کا علم اس انسان کا جزو بن جاتا ہے جو اس علم کو حاصل کر لیتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اس لئے جسم کے کسی جگہ جانے کی ضرورت اللہ کی تلاش میں نہیں - اللہ اس کے اندر خود موجود ہے وہ اس کی تلاش اپنے دل کے اندر کرے -

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار - جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

دوسری آیات جو اوپر دی گئیں ان سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ بذات خود نہ کہ صفات کی وجہ سے ہر جگہ موجود ہے - اللہ تعالےٰ بیمار کے زیادہ نزدیک ہوتا ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو اس کے قریب بیٹھے ہوں گرچہ وہ اللہ تعالےٰ کو نہیں دیکھ سکتے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ آدمی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا چونکہ اللہ کے کوئی جسمانیت یا مکانیت نہیں ہے - اس لئے سورۃ الانعام آیت ۱۰۳ میں فرماتا ہے - لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ اس کو نگاہ نہیں دیکھ سکتی لیکن وہ نگاہ کو دیکھتا ہے - وہ خیال سے بالاتر ہے لیکن ہر چیز

سے باخبر ہے۔ اللہ تعالیٰ لطیف ہے یعنی اس کے جسمانیت یا مادیت نہیں ہے اس لئے انسان کی عقل سے بالاتر ہے۔ جو چیز عقل سے بالاتر ہو اور خیال میں بھی نہیں آسکتی اس کو آنکھ کیسے دیکھ سکتی ہے جو صرف مادہ کو دیکھنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ جب تک کسی چیز پر روشنی پڑ کر لوٹ کر آنکھ میں شعاع نہ آئے آدمی نہیں دیکھ سکتا۔ شعاع صرف مادہ پر پڑ کر ہی واپس ہوتی ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ۝ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے یعنی ہر چیز میں خود موجود ہے۔ اور تم جس طرف کو بھی منہ کرو اللہ تمہارے سامنے موجود ہے یعنی اس کی ذات ہر طرف اور ہر جگہ ہے۔ جہاں تم ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارے جسم میں موجود ہے۔ جس وقت میری عبادت کرنے والے یعنی مجھ کو یاد کرنے والے میری بابت دریافت کریں تو میں ان کے قریب موجود ہوتا ہوں۔ ان آیات سے اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو جو قرآن پر ایمان لایا صاف ظاہر کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں وہ نہ ہو۔ بعض لوگوں نے تاویل کر دی کہ وہ اپنے علم کی وجہ سے ہر جگہ موجود ہے نہ کہ بذات خود۔ یہ خیال بعید از عقل اور آیات متذکرہ بالا کے خلاف ہے اور اسلامی اعتقاد کے مطابق وہ ہر جگہ موجود ہے۔ ہر چیز کا اس کو علم ہے اور ہر چیز پر پورا قادر ہے۔ اس وقت ہم اس کی ہر جگہ موجودگی پر تبصرہ کر رہے ہیں آگے چل کر اس کے علم اور قدرت پر تبصرہ کریں گے جب ہم وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ کی تشریح کریں گے جس کی بنیاد ہم نے شروع ہی سے قائم کی ہے۔

سورۃ النجم آیت ۱۱ - مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی
پیغمبر کے دل نے اس میں دھوکہ نہیں کیا جو اس نے دیکھا

اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ آنکھ نے دھوکا نہیں کیا بلکہ قلب نے دھوکا نہیں کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو کچھ معراج میں رسول اللہؐ نے دیکھا وہ آنکھ سے نہیں بلکہ قلب سے دیکھا یعنی روحانیت کے ذریعہ دیکھا۔

اس کی تصدیق کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ فرماتے ہیں۔ هُوَ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَوْ اَنَّكُمْ وَلَیْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَی الْاَرْضِ لَهَبَطَ عَلَی اللّٰهِ۔ کہ اگر تم ایک ڈوری پھینکو تو وہ بھی خدا پر گرے گی۔ پھر رسول اللہؐ ان آیات اور اس حدیث کے خلاف یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ معراج جسمانی ہوئی۔ یہ محض قیاس آرائیاں رسول اللہؐ کی محبت کے جذبہ میں کی گئی ہیں کہ معراج جسمانی تھا۔ لیکن اس سے اللہ کی شان گھٹتی ہے اور اس کی ذات محدود ہوتی ہے جو اسلام کے خلاف ہے اور اوہام پرست عیسائیوں کے عقیدہ کا نتیجہ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت امہانیؓ بنت ابوطالب سے حدیثیں ہیں کہ رسول اللہؐ کو معراج رویا میں ہوئی نہ کہ جسمانی۔ رسول اللہؐ اس رات کو حضرت امہانی کے مکان میں سو رہے تھے اور ان کو رات کو وہیں سوتے برابر دیکھا گیا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ رسول اللہؐ کی نہایت چہیتی بیوی تھیں جو ہر بات رسول اللہؐ سے دریافت کرتی تھیں یہ ناممکن تھا کہ ایسے اہم معاملہ کے متعلق دس سال کی ازدواجی زندگی میں حضرت عائشہؓ نے رسول اللہؐ سے

سوالات نہ کئے ہوں اور انہوں نے نہ بتائے ہوں۔ جب ان کا کہنا ہے کہ معراج رویا میں ہوئی تو بحث باقی نہیں رہتی سوائے ان اعتقادات کے جو عیسائیت سے آئے۔ حضرت عائشہ کا جو علم تھا وہی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ۔ حضرت عمر خطاب رضؓ و حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہونا چاہیئے۔ جو حضرت عائشہ کو معلوم ہوا وہی حضرت فاطمہ رضؓ۔ حضرت حفصہ رضؓ کا ہوگا اور یہ تینوں ان تینوں حضرات سے وابستہ تھیں۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے حضرت عائشہ رضؓ سے اختلاف نہیں کیا۔ امام حسن بصری جو معراج کی حدیث کے راوی ہیں مانتے ہیں کہ رویا قرآنی آیت معراج کے متعلق ہے۔ [illegible]

ہر چیز اللہ کی ہے اور اسکو ہر چیز کا علم ہے خواہ وہ کیسی ہی پوشیدہ ہو

که پنهان دل ہمیں جز دوست ||| ہر چه بینی بدانکه مظہر است

سورۃ طٰہٰ - ایۃ ۶- لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی۔ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی

"اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور دنیا میں اور انکے درمیان میں اور زمین کے نیچے یعنی اندر۔ وہ تمام بھیدوں کو اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ چیز کو جانتا ہے"

اللہ کی ملکیت میں ہر چیز ہے اور وہ مالک ہے تو یہ ملکیت کس قسم کی ہے۔ ایک ملکیت اس قسم کی ہوتی ہے کہ ایک آدمی کا مکان ہے جس میں وہ رہتا ہے اور اس میں فرنیچر مال و اسباب برتن وغیرہ سب اس کے ہیں۔ اس قسم کی ملکیت کے معنی ہیں کہ اس شخص کو ان چیزوں کے استعمال

کرنے کا پورا اختیار ہے اور ان کو بیع و رہن و ہبہ یا اور طرح منتقل کرنیکا اختیار ہے کہ دوسرے کی ملکیت میں دیا ہے اور ساتھ میں یہ بھی اختیار ہے کہ ان چیزوں کو توڑ دے اور خراب کر دے۔ لیکن یہ چیزیں اس کے جسم سے علیحدہ ہیں۔ ان چیزوں کو تباہ کرنے میں وہ صرف ان کی صورت تبدیل کر سکتا ہے مکان کو کھنڈر کر سکتا ہے برتنوں کو کچل کر ان کے ٹکڑے کر سکتا ہے مگر مادہ موجود رہتا ہے۔ وہ بالکل تباہ نہیں ہوتا۔

دوسری ملکیت اس قسم کی ہے جیسے کوئی شخص کسی زمین کا مالک ہو۔ وہ اس کو فروخت کر سکتا ہے یا خود اس سے کام لے سکتا ہے لیکن اسکو تباہ نہیں کر سکتا اگرچہ خراب کر سکتا ہے۔

تیسری ملکیت اس قسم کی ہے جیسے انسان کا اپنا جسم۔ انسان اپنے جسم کے ہر عضو کا اس وقت تک مالک ہے جب تک وہ زندہ ہے۔ چاہے اپنے کسی عضو کو کاٹ دے یا توڑ دے اسکو اختیار ہے۔ لیکن ہر عضو میں تکلیف یا چوٹ یا زخم سے سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر ذرا سا بھی کچا ناخن ٹوٹ جائے یا کٹ جائے تو سارے جسم میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس تکلیف کے احساس اور جسم کی ملکیت اس وقت تک ہوتی اور رہتی ہے جس وقت تک کہ انسان زندہ ہو۔ مرتے ہی لاش کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور تکلیف کا احساس ختم۔

اللہ کی ملکیت کس قسم کی ہے

ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ملکیت کیسی ہے۔ اگر یہ سب چیزیں

مثل مکان - فرنیچر - برتن - زمین کے اس کی ملکیت ہیں تو یہ سب اس سے باہر ہیں اور اس کا جزو نہیں ہیں اگرچہ اس کو ان پر کلی اختیار ہے - اس کے ماننے سے ہم اللہ کو محدود کر دیں گے اور یہ خیال ہمارا ان آیات قرآنی کے متضاد ہوگا جو اوپر دی جا چکی ہیں اور ہم نے اللہ کی ہستی کو ہر جگہ موجود ہونے کے ثبوت میں دی ہیں - نتیجہ میں ہم کو یہ ماننا ہے کہ یہ سب چیزیں اسی کا جزو ہیں اور اس سے باہر نہیں ہیں - اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کا جزو کس طرح ہیں - صوفیائے کرام میں دو بڑے خیالات ہیں ایک گروہ وجودیہ ور دوسرا شہودیہ ہے - اور ایک گروہ ایجادیہ ہے وہ بھی صوفیا میں گردانا جاتا ہے اگرچہ ان سے اہم اصول میں جدا ہے - ہم اس تفریق میں فی الحال نہیں پڑتے کہ 'ہمہ اوست' 'ہمہ از اوست' اور 'ہمہ با اوست' میں کیا فرق ہے اور ان میں کون اعتقاد ٹھیک ہے - اس وقت سرسری طور پر یہ بتا دیتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم رحمت اللہ علیہ وجودیہ خیالات رکھتے تھے اور 'ہمہ اوست' کے مسئلہ پر یقین رکھتے تھے - اگر ہم اللہ تعالےٰ کی ملکیت کل کائنات پر اس طرح مانیں جیسے ایک انسان کی اپنے جسم پر ہوتی ہے تو یہی ہمہ اوست ہوتا ہے - آدمی کا جسم آدمی نہیں ہوتا نہ آدمی کے ہاتھ - انگلیاں - ناخن - بال - آنکھ - ناک - منہ دانت - زبان - پیٹ - پیر - اندرونی اعضاء مثل دماغ - دل - جگر - آنتیں - معدہ وغیرہ جدا جدا آدمی کہے جا سکتے ہیں - اگرچہ یہ سب چیزیں مل کر انسان کا جسم بنتا ہے تاہم سارا جسم بھی انسان نہیں - یہ جسم بذات خود کوئی قوت نہیں رکھتا خواہ اس کے اعضاء سب ٹھیک ہوں لیکن نہ ہاتھ کچھ لکھ سکتا ہے

نہ اور کوئی کام کر سکتا ہے نہ پیر چل سکتا ہے نہ آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ زبان بول سکتی ہے نہ پیٹ کچھ ہضم کر سکتا ہے جب تک کہ انسان کے جسم میں روح نہ ہو اور وہ روح ان اعضاء کو کام کرنے کا حکم نہ دے۔ میرا ہاتھ اس وقت جو قلم سے کام لے رہا ہے یہ طاقت ہاتھ میں بغیر اس روح کے نہیں ہے جو یہ کام ہاتھ سے لے رہی ہے۔ اسی طرح روح ان قوتوں پر بھی غالب ہے جو انسان کے ہر عضو میں جدا جدا ہے۔ مثلاً ہاتھ میں طاقت لکھنے کی۔ بوجھ اٹھانے کی۔ چیزیں بنانے کی ہے۔ پیر میں طاقت انسان کے سارے جسم کو اٹھانے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کی ہے۔ آنکھ میں طاقت روشنی کو دیکھنے کی ہے۔ ناک میں سونگھنے کی۔ دماغ میں خیالات پیدا کرنے کی۔ دل میں خون کو پھینکنے کی غرض کہ ہر عضو میں جدا جدا طاقت ہے۔ لیکن یہ سب طاقتیں روح کے ماتحت اور تابعدار ہیں جب تک روح ان اعضاء کو کام کرنیکا حکم نہ دے یہ قوتیں ان اعضاء میں غیر محرک رہتی ہیں اور وہ اعضاء رہتے ہیں۔ اگرچہ یہ اعضاء جدا جدا آدمی نہیں نہ ان میں جدا جدا انسان کی سب خاصیتیں ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی انسان سے جدا نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی کم ہو تو انسان مکمل انسان نہیں۔ ان میں سے ہر چیز انسان کی ہے اور انسان کو اس پر پوری ملکیت حاصل ہے اگر وہ ان میں سے کسی عضو کو اپنے کسی فعل سے خراب یا معطل کرتا ہے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے اور اس میں سے مکمل ہونے کی خوبی جاتی رہتی ہے۔ سارا جسم بھی انسان نہیں ہوتا جسم اور روح مل کر انسان ہوتا ہے۔ ہم نہ صرف روح کو انسان کہہ سکتے ہیں چونکہ

وہ تو اس کی روح ہوتی ہے نہ جسم کو انسان کہہ سکتے چونکہ جسم میں بغیر روح کے وہ خاصیت نہیں ہوتی جو ایک انسان میں ہوتی ہے۔ دونوں یعنی جسم اور روح مل کر انسان ہوتا ہے اور اس میں انسان کی خاصیت ہوتی ہے۔ اور یہ زندہ انسان اپنے سب جسم کا مالک ہے۔ ہر عضو پر اس کو پورا اختیار ہے۔ اسی طرح یہ کائنات اللہ سے جدا نہیں ہے جس طرح انسان کا جسم انسان سے جدا نہیں۔ جس طرح انسان کے ہر اعضاء کو انسان نہیں کہا جا سکتا نہ اس میں انسان کی خاصیت ہوتی ہے اسی طرح نہ کل کائنات اللہ ہے نہ ہر چیز فرداً فرداً خدا ہے۔ اگر کل کائنات کو مثل ایک آدمی کے مانا جائے تو بھی کائنات مثل جسم کے ہوتی ہے اور تمام قوتیں جو کائنات کے بنانے قائم رکھنے اور چلانے میں کام آتی ہیں وہ مثل ان قوتوں کے ہیں جو جسم کو نطفہ سے لے کر آدمی تک بنانے۔ پھر اسکو نشو و نما دینے بڑا کرنے۔ ہاضمہ دینے۔ ایٹموں کو جسم کے جوڑے رہنے۔ خون بنانے۔ بلغم صفرا۔ سودا بنانے۔ فضلہ غذا سے علیحدہ کرنے۔ فضلہ جسم سے خارج کرنے۔ ناخن۔ بال بڑھانے۔ اعصاب میں قوت دینے وغیرہ وغیرہ میں کام آتی ہیں کائنات کو بنانے اور قائم رکھنے میں تقریباً وہی قوتیں استعمال ہوتی ہیں جو انسان کے جسم کو بنانے اور قائم رکھنے میں استعمال ہوتی ہیں ان کو سائنس کی زبان میں مختلف قسم کی انرجی Energy کہتے ہیں اور مذہبی زبان میں ملائک۔ انسان کے جسم میں Energy ایک اعلےٰ پیمانہ کی ہے مثلاً قوت تخیل۔ قوت تفکر۔ قوت ایجاد۔ قوت شناخت وغیرہ دوسری انرجی اس سے ذرا نیچے درجہ پر

ہے مثلاً قوت بصارت۔ قوت سماعت۔ قوت چھونے کی۔ قوت محسوس کرنے کے وغیرہ۔ اور قوتیں ان سے اور نیچے درجہ کی ہیں۔ مثلاً پٹھوں کی طاقت۔ قوت ہاضمہ۔ قوت اخراج فضلہ۔ ہاتھ پیر کی طاقت وغیرہ۔ ان قوتوں کے مدارج ہیں اسی طرح ان قوتوں کے مدارج ہیں جو کائنات کو بنانے میں اور قائم رکھنے میں کام آرہی ہیں۔ صوفیاء ان کو ملاء اعلیٰ اور ملاء اسفل کہتے ہیں اور قرآن پاک میں ملائکہ اور روح کہا گیا ہے۔ جبریل کو روح جبریل۔ روح الامین اور روح القدس کہا گیا ہے۔ جو ملائکہ مقربین ہیں وہ قوتیں ہیں جن میں روحانیت مثل قوت تخیل۔ قوت حافظہ۔ قوت ایجاد۔ قوت شناخت ہیں وغیرہ جیسے انسان میں ہوتی ہیں۔ لیکن جس طرح انسان کو انسان بنانے کے واسطے انسان کی روح ضروری ہے جو انسان کے جسم کی تمام قوتوں سے کام لے اور جسکی یہ تمام قوتیں ماتحت ہوتی ہیں چونکہ بغیر روح کے حکم کے انسان کے جسم کا کوئی عضو کام نہیں کر سکتا اور اعضاء کی قوتیں بغیر روح کے حکم کے اعضاء کو کام نہیں کرنے دیتیں۔ اسی طرح کل کائنات میں ایک روح مجموعی ہے جو تمام کائنات کی قوتوں سے کام لیتی ہے اور کائنات کے اعضاء یعنی دنیا۔ سورج۔ چاند۔ سیارگان۔ ستارے۔ نیبولا۔ شہاب ثاقب۔ ہوا۔ پانی وغیرہ سے کام لیتی ہے۔ بغیر اس روح کے حکم کے یہ اعضاء ہل نہیں سکتے چونکہ وہ قوتیں جو ان کو محرک کرتی ہیں وہ سب اس روح کی تابعدار ہیں جو ان پر حاکم ہے۔ ان اعضاء میں جو مخلوق ہے مثلاً زمین پر آدمی۔ جانور۔ درخت۔ پہاڑ۔ دریا وغیرہ وہ اس طرح ہیں جیسے انسان کے جسم کے اعضاء میں ہڈی۔

گوشت - پوست - رگیں - خون اور خون کے جراثیم - مادہ تولید وغیرہ وغیرہ ہوتے ہیں - ہر عضو انسان کا مثل دنیا کے ہے اور اس میں تقریباً وہ سب مادہ موجود ہے کہ جو دنیا میں ہے اور کل جسم میں وہ تمام مادہ اور طاقتیں اور قوتیں موجود ہیں جو کائنات میں ہیں اور انسان کی روح اس روح کا جزو ہے جو کل کائنات کی روح ہے - لہذا انسان ایک چھوٹا سا نمونہ کل کائنات کا ہے - اور اس میں سب چیزیں جو کائنات میں ہیں موجود ہیں - جیسے انسان اپنے تمام جسم کا مالک ہے اور جسم کے اعضاء اس سے جدا نہیں ہیں اسی طرح کل کائنات معہ اجسام و مختلف قوتوں کے اور کل کائنات کی روح کے مل کر مثل ایک انسان کے ہے اور کل کائنات پر کائنات کی روح حاوی ہے اور تمام اعضاء کائنات کے اس روح کے ماتحت ہیں اور بغیر اس کے حکم کے جنبش نہیں کر سکتے اور جو عضو جنبش کرے وہ اس کے حکم سے اور اس کے علم سے کرتا ہے کوئی بات کائنات کی اس سے پوشیدہ نہیں اگر اس روح کو ہم خداوندی روح کہیں تو درست ہے - چونکہ انسان میں جو روح ہے وہ اللہ کی روح کا جزو ہے اللہ خود فرماتا ہے - وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي اور پھونک دی اس میں (آدمی کے جسم میں) ہم نے اپنی روح میں سے روح لہذا کل کائنات یعنی کائنات کی روح اور وہ قوتیں جو کائنات میں قوتوں کی حیثیت سے قائم ہیں یعنی لطیف ہیں ان میں مادیت نہیں ہے جن کو ملائک و روح کہتے ہیں اور کل مادہ مل کر کائنات ہوتی ہے جس طرح انسان کی روح انسان کا جسم اور جسمانی طاقتیں مل کر انسان ہوتا ہے - اس لئے اللہ تعالیٰ

کو ہر چیز کا علم ہوتا ہے اور اس لئے وہ ہر شے پر قادر مطلق ہے چونکہ سب چیزیں اسی کا جزو ہیں اور اس سے باہر نہیں ہیں اس کا علم ہر چیز کا اسی طرح ہے جیسا کہ آدمی کو اپنے جسم کا علم ہوتا ہے اور جس طرح آدمی اپنے اعضاء کا مالک ہے اور ان پر قدرت رکھتا ہے اسی طرح کائنات کا جسم اور قوتیں اور روح مل کر جو انسان کامل کی طرح کائنات ہے وہ اپنے سب اعضاء کی مالک ہے اور ان پر قدرت رکھتی ہے اور ان سب کا اس کو علم ہے۔ اس انسانِ کامل کو صوفیاء شخصِ اکبر کہتے ہیں۔

اللہ کا علم و قدرت

سورۃ لقمان - آیت ۱۶ - یٰبُنَیَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ۝

اے میرے (لقمان کے) بیٹے اگر رائی کے دانہ کی برابر بھی وزن ہو اور رائی وہ پہاڑ کے پتھر کے اندر یا آسمانوں میں یا زمین کے اندر چھپا ہو تو اللہ اس کو باہر نکال لائے گا۔ چونکہ اللہ تعالےٰ تمام باریک سے باریک رازوں کو جانتا ہے اور ان سے باخبر ہے۔

سورۃ الانعام - آیت ۵۹ - وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝

اللہ کے پاس غیب کے خزانہ کی کنجیاں ہیں جس کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین پر ہے اور اسکے اندر ہے اور سمندر کے اندر ہے۔ کوئی پتہ بغیر اس کے علم کے نہیں گرتا۔ کوئی دانہ زمین کی گہرائی کے اندھیرے میں یا زمین پر ہری یا خشک چیز ایسی نہیں جو اللہ کے یہاں مسل میں درج نہ ہو۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اللہ تعالےٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اور اللہ تعالےٰ ہر بات جانتا ہے اور بڑی حکمت والا یعنی بڑا عقلمند ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

اللہ کو وہ سب معلوم ہے جو تمہارے دل میں ہے۔

چونکہ سب کائنات اللہ کا جزو ہے اس لئے اللہ کو ہر چیز کا علم ہے ہر چیز پر قدرت ہے اور اللہ ہر جگہ موجود ہے۔ کوئی شے اس سے باہر نہیں ہے اور نہ باہر سے آئی۔

ہر چیز کے خدا کا جزو ہونے میں قدرتاً نفیس مزاج آدمی کو تامل ہوتا ہے چونکہ اس کا دل یہ گوارا نہیں کرتا کہ وہ کھاد جیسی ناپاک شے کو خدا کا جزو سمجھے اور اس کی طبیعت اس خیال کو مکروہ سمجھ کر ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتی۔ صوفیا کے طبقہ میں اس لئے شروع میں سالک یا مجذوب کو یہ سبق نہیں دیا جاتا۔ لیکن جب انسان اس پر غور کرے کہ کھاد اسی فضلہ سے بنتا ہے جو انسان کی غذا کا حصہ ہوتا ہے۔ جب انسان غذا کھاتا ہے تو اس غذا کے بعض اجزاء

کو جسم اپنے میں جذب کر لیتا ہے اور وہ اجزاء جو جسم میں شامل نہیں ہوتے
ان کو جسم بطور فاضل چیز کے خارج کر دیتا ہے۔ لیکن یہ فضلہ ہوتا اسی غذا
کا جزو ہے جو انسان مزے مزے کے ساتھ کھاتا ہے خواہ انسان کی غذا
میں مشک و زعفران پڑی ہے۔ خواہ گھی کی سرغن ہو۔ خواہ چنے کی روٹی ہو فضلہ
سب میں سے بنتا ہے اور چونکہ فضلہ میں وہ اجزاء باقی ہوتے جو انسان
کے جسم میں تحلیل نہیں ہوتے اس لئے وہ ان اجزاء کا مرکب ہے جن کے
اس مقدار میں ملنے سے جس میں یہ مرکب ملا ہوا ہے انسان کو بدبو محسوس
ہوتی ہے اور انسان کے جسم کے لئے غیر ضروری اشیاء اس میں باقی رہ
جاتی ہیں۔ اگرچہ غذا میں مشک و زعفران ملائی گئی ہوتا ہم فضلہ میں بدبو
ہونی لازمی ہے۔ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہر چیز خواہ مفرد ہو یا مرکب وہ
ایٹموں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اور ایٹم بجز بجلی کی قوت کے کچھ نہیں۔ خوشبو اور
بدبو کا دار و مدار اس پر ہوتا ہے کہ یہ ایٹم کس مقدار میں ایک دوسرے سے ملے
ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی کھاد جب مٹی میں مل جاتا ہے تو اس میں سے خوشبودار
گلاب کا پھول نکلتا ہے جس کی خوشبو ہر طرف مہکتی ہے۔ چھچھوندر جو کہ بدبودار
چوہا ہے لیکن اس کو انگریزی میں مشک ریٹ کہتے ہیں۔ اس کی ناک میں
اور کچھ گوشت و خون میں مشک کی خوشبو ہوتی ہے اس لئے جعلساز
مصنوعی مشک اس کے خون اور ناک کے گوشت سے بناتے اور فروخت
کرتے ہیں۔ ہرن کے نافہ میں مشک ہوتا ہے اور یہ جگہ اس کے قریب ہوتی
ہے جہاں فضلہ اس کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس لحاظ سے کہ ہر چیز کی

اصلیت صرف بجلی کی قوتوں کی گردش ایک دوسرے کے گرد ہے اور کچھ نہیں جب نفیس مزاج آدمی اس سے واقف ہو جاتا ہے اس کو سمجھ لے تو اس کے دل سے کراہیت جاتی رہے گی بغیر سمجھے تو نہیں جا سکتی

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب

موت کیا ہے۔ انہیں اجزاء کا پریشان ہونا

لہذا اللہ تعالےٰ ہر چیز کا مالک اس طرح ہے جیسے آدمی اپنے جسم کا مالک ہے اور جس طرح آدمی کو اپنے جسم کے ہر حصہ کا علم ہے اسی طرح اللہ کو ساری کائنات کا علم ہے اور جس طرح آدمی کا کوئی حصہ اس سے جدا نہیں اسی طرح کائنات کا کوئی حصہ اس سے جدا نہیں جس طرح انسان کے جسم کے اعضاء جدا جدا انسان نہیں اسی طرح کائنات کے حصے خدا نہیں۔

منصور حلاج اور انا الحق

منصور حلاج نے جس وقت انا الحق کہا وہ صحیح بھی تھا اور غلط بھی تھا صحیح اس لئے تھا کہ وہ بھی خدا کا جزو تھا اور خدا سے جدا نہیں تھا اور غلط اس لئے تھا کہ اس میں وہ تمام صفات جو اللہ تعالےٰ میں ہیں نہیں تھیں۔ اللہ تعالےٰ قادر مطلق ہے منصور کو کوئی اختیار اپنے جسم سے باہر نہ تھا جسم کو بھی وہ دوسروں سے نہ بچا سکا۔ اللہ کا علم لا محدود ہے منصور کا علم بہت محدود تھا۔ اللہ ہر جگہ موجود ہے منصور ایک محدود جسم تھا اور ایک محدود جگہ تھا۔ اس لئے منصور غلط تھا اور اپنے کم علم کے جذبہ میں بول اٹھا اور چند صفات کی

وجہ سے اپنے میں مکمل صفات سمجھنے گا۔

ایکہ در ہیچ جانداری جائے — بوالعجب ماندہ ام کہ ہر جائی

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق — ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

منصور کی روح خداوندی روح کا جزو تھی اور منصور کو اللہ کے عشق میں فنا ہو جانے سے سوائے اللہ کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ وہ جس چیز پر نظر ڈالتا تھا اس کو وہ اللہ کا ظہور نظر آتا تھا وہ اس شعر کا مصداق حال تھا جو اوپر لکھا گیا ہے۔

کہ بچشمان دل مبیں جز دوست — ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست

انسان کی یہ کیفیت اللہ کی محبت میں آجاتی ہے اور وہ اپنے آپ میں اور اللہ میں کوئی فرق نہیں سمجھتا بلکہ ہر چیز کو اللہ سمجھتا ہے۔ وہ اس حالت میں اللہ کے مظہر میں اور اللہ میں فرق سمجھنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ انسان کی انگلی یا ہاتھ کو انسان سمجھنے لگتا ہے اس کو ان میں فرق نہیں معلوم ہوتا اور اس کا جذبہ اس کو دوسرے خیال کی طرف نہیں آنے دیتا۔ وہ سمجھتا ہے۔

من نور ذاتِ حقتم ای صاحب بصیرت — در صورتم اگرچہ از خاک آفریدہ

اگر روح کا جوش کم ہو تب اگلی منزل پر پہنچتا ہے۔ اس وقت آدمی جاننے لگتا ہے کہ اگرچہ وہ سمندر میں سے آیا ہوا قطرہ ہے اس طرح سمندر کا جزو ہے لیکن سمندر نہیں ہے۔

انسان کی روح کو بہت سے علوم اللہ تعالٰے نے دیئے ہیں لیکن بہت سے علوم روح کو حاصل نہیں نہ اس میں وہ قدرت ہے جو پیدا کرنے والے میں ہے ہم نے اوپر وہ چند قسم کی ترقیاں بیان کی ہیں جو انسان نے جنگلی پن سے لیکر

اب تک علوم کے حصول میں کی ہیں لیکن روح میں طاقت نہ تو اپنے ٹکڑے کرنے کی ہے نہ اپنی روح میں سے دوسری چیز میں روح پھونکنے کی ہے نہ کسی چیز کو بلا چیز کے پیدا کرنے کی ہے جس کو ابداع کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ بَدِیعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔ نہ جانور بنا سکتا ہے نہ پھل پھول۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وَلَا یُحِیطُونَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ یعنی جس قدر اللہ نے علم دے دیا اس سے زیادہ علم نہیں ملتا۔ اسلئے انسان کی محدودی جسم عقل۔ ذہانت۔ علم۔ قدرت سب میں ہے۔ ایک محدود چیز اپنے آپ کو لامحدود نہیں کہہ سکتی۔ ہاں یہ کہہ سکتی ہے کہ میں لامحدود کا جزو ہوں قطرہ یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ سمندر کا جزو ہے لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ سمندر ہے اگرچہ قطرہ میں وہ سب خاصیتیں ہیں جو سمندر کے پانی میں ہیں لیکن قطرہ میں موج نہیں اور نہ وہ طاقت نہ وہ وسعت جو سمندر میں ہے۔

تصوف میں مدارج ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ آدمی بھٹک جاتا ہے جیسے کم پڑھا آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کو بہت علم حاصل ہو گیا۔ لیکن جو آدمی زیادہ تعلیم یافتہ ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ ابھی تو بہت علوم ہیں جن کو میں نے حاصل نہیں کیا اور اگر تمام عمر بھی علوم کے حاصل کرنے میں گزار دوں تو بھی ایک علم بھی پوری طرح حاصل نہیں کر سکتا۔ دنیا کے علوم حاصل کرنا درکنار۔ کم تعلیم یافتہ آدمی اپنے آپ کو عالم سمجھتا ہے اور چاہتا کہ سب اس کو عالم سمجھیں لیکن جب علوم میں ترقی کرتا ہے تو اس کو اس میں شرم آنے لگتی ہے کہ لوگ اس کو عالم سمجھیں اس کو اپنے علم کی وجہ اپنی کمی

تعلیم محسوس ہونے لگتی ہے اسی طرح عابد و زاہد کی حالت ہے خواہ اس کا طریقہ جذبہ کا ہو خواہ سلوک کا اس کو بتانے والے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اس کو آگاہ کر دیتا کہ وہ کیا ہے اور اس کو بھنور میں پھنسنے سے بچاتا ہے۔ اور انسان آگے بڑھتا ہے پھر اپنی حقیقت سمجھتا ہے اور اپنے آپ میں اور اللہ میں فرق سمجھنے لگتا ہے اور اس کا علم وسیع ہوتا ہے اس کی روح ترقی کرتی ہے۔

تصوف میں شروع میں اسی طرح تعلیم دی جاتی ہے جیسے اور کسی قسم کی تعلیم ہوتی ہے۔ پڑھنے لکھنے کی تعلیم ا ب ت ث سے شروع ہوتی ہے تصوف کی تعلیم میں پہلے تو پاک صاف رہنا سکھایا جاتا ہے پھر خیالات کو منتشر ہونے سے روکنا اور ایک طرف کو پورا مستغرق ہونا سکھایا جاتا ہے۔ پھر اس کو پابندی صوم و صلوٰۃ سکھائی جاتی ہے تاکہ وہ ایک راستہ پر چلنا سیکھ جائے اور جس طرح فوج میں قواعد ضروری ہوتی ہے بغیر اس کے کوئی شخص اچھا افسر نہیں ہو سکتا اس لئے اطاعت اور فرمانبرداری میں صوفی کو تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے، تب اس میں محبت کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے۔ بغیر محبت کے کوئی شخص اپنے اوپر جبر دوسروں کی خاطر نہیں کرتا اور نہ اس میں کسی کام کے کرنے کا شوق پیدا ہو سکتا ہے۔ لہذا ہر چیز کے حصول کے واسطے اس کے حاصل کرنے کی محبت ہونی چاہیئے۔ جب تک آدمی کسی کام میں منہمک نہ ہو وہ اس کو حاصل نہیں کر سکتا اس لئے اللہ کو معلوم کرنے کا شوق اس میں محبت کے درجہ پر ہونا ضروری ہے۔ پھر جب یہ شوق کافی ہو جاتا ہے تب وہ اللہ کو معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے اپنے بتانے والے یعنی پیر کا تابعدار ہو جاتا ہے۔ پیر اپنی تابعداری کے بعد

رسول اللہ کی تابعداری سکھاتا ہے۔ اس شوق میں صوفی اپنے اندر ان خوبیوں کو پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے جو رسول اللہ میں تھیں۔ اس کو رسول اللہ سے اس قدر محبت ہو جاتی ہے کہ وہ ہر اس کام کے کرنے کی کوشش کرتا ہے جو رسول اللہ نے کیا چونکہ اس کو ہر وہ کام بہت عمدہ اور پیارا ہوتا ہے۔ جب وہ رسول میں اس طرح فنا ہوتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ خود فنافی اللہ تھے تب وہ ترقی کر کے فنافی اللہ ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص فنافی اللہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جبتک کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات پر پورا قابو نہ پالے اور ہر شخص کیساتھ محبت نہ کرنے لگے اور یہ نہ سمجھنے لگے کہ یہ سب اللہ کا جزو اور اس کا مظہر ہے۔ جو میں ہوں وہ یہ ہے۔ مجھ میں اور اس میں کوئی فرق نہیں "میں" کو بھول جاتا ہے وہ ہمہ اوست سمجھنے لگتا ہے اور ہر چہ بینند بداند ہمہ اوست۔ اس وقت نفس امارہ پر قابو پاتا ہے اور اللہ اور اس کی مخلوق کی محبت میں سرشار ہو جاتا ہے اور خلق اللہ کی خدمت اپنا شعار بنا لیتا ہے دنیوی جھگڑوں قصوں سے بالاتر ہو جاتا ہے غم اور خوشی اس کے دل سے نکل جاتی ہیں ہر واقعہ پر خوش اور فارغ رہتا ہے چونکہ وہ مشیئت ایزدی اس کو سمجھتا ہے۔ غصہ۔ بغض۔ حسد۔ لالچ۔ شہوت۔ غیبت۔ تکبر وہ اپنے آپ سے علیحدہ کر دیتا ہے۔ کسی سے بری طرح نہیں بولتا۔ ہر ایک سے محبت کرنا اور ہر امداد چاہنے والے کی امداد کرنا اس کی عادت اور خاصیت ہو جاتی ہے اور یہ سمجھتا ہے دل بدست آور کہ حج اکبر است۔ کسی قسم کے جذبات سوائے محبت الٰہی کے اس میں باقی نہیں رہتے۔ جب یہ عروج انسان اپنی روح میں پیدا کر لیتا ہے تو اس میں تمام صفات الٰہی آ جاتی ہیں اور شیطان

اس سے بھاگ جاتا ہے۔ اس شخص کی روح پر بہت باتیں آشکارہ ہو جاتی ہیں اور وہ اللہ میں فنا ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کے دل و دماغ میں سوائے اللہ کی صفات کے کوئی خیال نہیں آتا۔ یہ خیالات اس کی طبیعت میں اس قدر پیوست ہو جاتے ہیں کہ وہ ان صفات کا مجسمہ بن جاتا ہے۔ وہ اپنی انفرادی حالت کو بھول جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس کل کا جزو سمجھنے لگتا ہے جس کا ظہور سب چیزوں میں ہے جو نظر آتی ہیں اور ان میں جو نظر نہیں آتیں اور انسان کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ اس کے دل کی آنکھیں انہیں دیکھتی ہیں اس کے دل کے کان ان کی آواز سنتے ہیں۔ اس کی روح اس روح سے جو کائنات کی روح ہے ملحق ہو جاتی ہے۔ اس کے کان یعنی دل کے کان اللہ کے احکام سنتے ہیں اس کی آنکھ اللہ کا جلوہ دیکھتی ہے اس کا دماغ سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں سوچتا۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ سب مشیت ایزدی سمجھتا ہے اور اس کو منظور کرنا اور اس پر سر تسلیم خم کرنا اس کا شیوہ ہو جاتا ہے۔ جب آدمی اس طرح سے اپنی خم کیفیت کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ میں جذب کر دیتا ہے اس کی مخلوق سے محبت کرنے لگتا ہے تب اللہ تعالےٰ، اس پر راز افشار کر دیتا ہے۔ اس وقت اس کو اللہ تعالےٰ معلوم ہو جاتا ہے کہ کون ہے اور کیا ہے اور وہ خود کیا ہے۔ اس پر یہ راز کہ ظاہر بھی وہی باطن بھی وہی۔ اول بھی وہی اور آخر بھی وہی افشار ہو جاتا ہے۔ اس کی روح دوسری روحوں سے اور ملائک سے تعلق پیدا کر لیتی ہے جسمانی خواہشات پر پورا قابو پا لیتا ہے اور شیطان اسکو بہکا نہیں سکتا اسلئے اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات اسکی روح میں کافی نمایاں ہو جاتی ہیں۔

روح - روح الامین - روح القدس - جبرئیل ملائکہ

یہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ روح النسانی میں اور ان قوتوں میں جو النسان کے جسم کو بنانے اس کو قائم رکھنے اسکو نشوونما دینے میں استعمال ہوتی ہیں کیا فرق ہے - وہ بھی انرجی کی شکلیں ہیں اور روح بھی ایک خاص قسم کی انرجی ہے - لیکن ان شکلوں میں انرجی کی جو جسم کو بناتی اور قائم رکھتی ہیں نہ تو ذہانت ہے نہ قوت ارادہ وہ تو مثل مشین کے کام کرتی ہیں اور وہ ان کاموں سے زیادہ نہیں جانتیں جو ان کے سپرد ہیں - ملائکہ نے اسی وجہ سے النسان کی اطاعت قبول کی تھی - لیکن روح النسانی میں ذہانت حافظہ - یاداشت - تفکر - معلومات - ایجاد - قدرت کے راز کا علم وغیرہ موجود ہیں ان کی وجہ سے النسان نے بہت قسم کی انرجی پر اپنی حکومت قائم کر لی - موت - یعنی ایک شکل کا خاتمہ اور اس سے دوسری چیز میں جانا - النسان کے جسم کو اور اس کے لیے جو مختلف قسم کی انرجی درکار ہے اس کو واقع ہوتی ہے - روح فنا اس معنی میں نہیں ہوتی کہ وہ کوئی اور شکل اختیار کر لے - روح تو جسم سے آزاد ہو کر بھی روح رہتی ہے لیکن جسم مرنے کے بعد دوسری شکل اختیار کرتا ہے اور وہ قوتیں جو جسم میں ہیں وہ بھی دوسری شکل اختیار کرتی ہیں - اس لئے ان کو موت ہے - سورۂ عنکبوت - آیت ۵۷ -

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ - ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝ تمام جاندار موت کا مزا چکھتے ہیں اور اس کے بعد ہمارے پاس واپس آتے ہیں - نفس سے مراد روح النسانی نہیں ہے بلکہ وہ قوتیں ہیں جن کی وجہ سے سانس

چلتا ہے۔ لہذا جاندار شے۔ اور جب یہ قوتیں موت کا مزاج پکڑ لیتی ہیں تو روح انسانی اللہ کے پاس واپس جاتی ہے چونکہ یہ روح تو اللہ تعالےٰ نے اپنی روح میں سے پھونکی تھی اس لئے اس جسم کے خاتمہ کے بعد جس میں اللہ کی روح ہے یہ اپنے اصل کی طرف واپس چلی جاتی ہے۔

ملائکہ اور روح میں یہ فرق ہے کہ لفظ ملائکہ تو عام قوتوں کے لئے استعمال ہوا اور روح خاص خاص ملائکہ کے واسطے جس طرح لفظ انسان جس میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں خواہ وہ گورے ہوں یا کالے۔ پڑھے لکھے ہوں یا جاہل ترقی یافتہ ہوں یا جنگلی۔ امیر ہوں یا غریب۔ لیکن روح خاص قسم کے ملائکہ ہیں جو اس وجہ سے مقربین بارگاہ خداوندی کہلاتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالےٰ نے دیگر ملائکہ سے زیادہ علم دیا ہے اور ان کے واسطے خاص کام مقرر کئے ہیں جس طرح اللہ تعالےٰ نے اپنی روح میں سے روح انسان کے جسم میں پھونک دی ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ نے اس کل کائنات میں بھی مختلف روحیں رکھی ہیں جو اس کل روح کا جزو ہیں جو تمام کائنات کی روح ہے۔ ان ملائکہ کو اس وجہ سے خصوصیت ہے کہ یہ مثل انسانی روح کے سمجھ دار ہیں اور ان کا تعلق یعنی ان کا کام روحوں سے کام لینا اور ان کو پیغام پہنچانا اور دوسری انرجی سے کام لینا ہوتا ہے یہ مادہ کے اندر مادہ کی شکل میں ظاہر نہیں ہوتیں۔ قرآن پاک میں وہ نام چند ملائکہ کے دیئے ہیں جو عبرانی زبان میں انبیاء بنی اسرائیل نے دیئے تھے۔ چونکہ رسول اللہؐ کو بنی اسرائیل سے بہت واسطہ پڑا اور وہی مختلف قسم کے سوالات رسول اللہؐ سے کرتے تھے اسلئے ان کو سمجھانے کیلئے

اللہ تعالےٰ نے وہی نام ملائکہ کے قرآن پاک میں استعمال کئے جن سے بنی اسرائیل اور ان کی وجہ سے عرب واقف تھے۔ اگرچہ قرآن اللہ تعالےٰ نے سلیس عربی زبان میں اس لئے اتارا کہ رسول اللہؐ خود بھی سمجھ سکیں اور وہ لوگ یعنی عرب جن سے وہ مخاطب ہو کر اللہ کا پیغام پہنچائیں وہ اللہ کے پیغام کو سمجھ سکیں اور اس پر عمل کریں۔ موسوی مذہب میں شریعت موجود تھی اور یہود بھی اللہ کے ماننے والے تھے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے بھی موسوی شریعت قائم رکھی اور انجیل میں بھی فرشتوں کے وہی نام تھے جو انبیاء بنی اسرائیل نے لکھے تھے۔ انجیل میں جبریل کا نام کئی جگہ آیا ہے۔ چونکہ علاوہ عربوں کے بنی اسرائیل اور نصاریٰ کو بھی قرآن پاک میں مخاطب کیا گیا اس لئے ان کے سمجھانے کے لئے وہی نام استعمال ہوئے جن ناموں سے وہ اللہ تعالیٰ کی خاص خاص قوتوں کو سمجھتے اور پہچانتے تھے۔ عبرانی زبان میں ”ئیل“ اللہ کو کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام اللہ نے اسرائیل یعنی اللہ کا دوست تجویز کیا اس لئے ان کی اولاد اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ اسی طرح۔ جبرئیل۔ میکائیل ہیں جو قرآن میں ہیں ان کے علاوہ عزرائیل اور اسرافیل بھی عبرانی نام ہیں ان سب کا مفہوم بنی اسرائیل سمجھتے تھے یہ اللہ کی طاقتوں کے نام ہیں جیسا کہ ہر ایک کے آخر میں ئیل کے لفظ سے ظاہر ہے۔ بنی اسرائیل بھی جبرئیل کو پیغام بر ہی مانتے تھے لیکن حضرت دانیال نے میکائیل کو بنی اسرائیل کا دوست لکھ دیا اور جبرئیل سے ڈرا دیا۔ اس کی وجہ سے بنی اسرائیل رسول اللہؐ کے زمانہ میں جبرئیل سے ڈرتے تھے اور میکائیل کو اپنا دوست اور

مربی سمجھتے تھے۔ حالانکہ حضرت عیسےٰؑ کے زمانہ میں کچھ بنی اسرائیل جبرئیل کو ہی پیغام بر مانتے تھے جیسا کہ انجیل میں ہے۔ چونکہ یہود اور نصاریٰ دونوں اور خاص کر یہود ایک پیغمبر کی آمد کے منتظر تھے جس کی پیشین گوئی حضرت موسےٰ کی پانچویں کتاب دترونامی میں ہے اس لئے ایک فرقہ یہود کا تو رسول اللہؐ سے سوالات کر کے یہ اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ آیا درحقیقت یہ وہی رسول ہیں یا نہیں جن کا وعدہ ہے دوسرا فرقہ مخالف تھا اور سوالات کا منشا جھٹلانا تھا نہ کہ تحقیق کرنا۔ دونوں فرقوں کے سوالات جدا تھے لہٰذا ان کے جوابات اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل کی کتابوں سے دیئے جن پر ان کو یقین تھا کہ وہ صحیح ہیں قرآن پاک کی بہت آیتیں بنی اسرائیل اور اہل کتاب سے مخاطب ہیں لہٰذا ملائکہ کے نام وہی لئے گئے جن سے یہ دونوں واقف تھے۔ چونکہ اہل عرب جو بت پرست تھے وہ تو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے اس لئے وہ الفاظ نہیں استعمال کئے گئے تاکہ ان الفاظ سے وہی پرانا تخیل قائم نہ رہے اور تخیل کا بڑا اثر مذہب پر پڑتا ہے۔ اسی غلط تخیل کی وجہ سے ہی وہ مسلمان جو دوسرے مذہب سے اسلام میں داخل ہوئے اور اپنے تخیل ساتھ لائے انہوں نے مسلمانوں میں بہت فرقے بنا دیئے۔ اس لئے مسلمانوں کا تخیل خدا۔ فرشتوں۔ آسمان معراج حضرت عیسےٰؑ کا آسمان پر اٹھانا وغیرہ کے بارے میں دوسروں کے تخیل کے زیر اثر ہے۔ ہم پیشتر اس کے کہ روح۔ ملائکہ۔ جبرئیل۔ وحی وغیرہ پر تبصرہ کریں یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ قرآن پاک کی وہ آیتیں جن میں ان کا ذکر ہے ایک جگہ دے دیں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس جگہ تقریباً سب ہی آیتیں دی جاتی ہیں لیکن

ممکن ہے کہ کوئی سہواً رہ گئی ہو۔ اگر کوئی اس جگہ دینے سے رہ گئی ہو گی تو وہ مثل ان کے ہی ہو گی کوئی مزید بات اس میں نہ ہو گی۔ دو ایک جگہ ہم نے ان الفاظ کو جو پہلے آچکے ہیں اور بجنسہ دوسری آیات میں ہیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ہم نے ان الفاظ کو بہ ترتیب الفاظ دیا ہے نہ کہ بہ ترتیب سور تہا قرآن

آیات قرآن پاک

سورۃ البقرہ۔ آیت ۹۷۔ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ کہہ دو جو دشمن ہو جبرئیل کا وہ ہوا کرے تحقیق وہی تو ہے جو تمہارے دل میں قرآن اللہ کے حکم سے ڈالتا ہے جس سے پرانی احکامات کی تصدیق ہوتی ہے اور مسلمانوں کے واسطے ہدایت اور خوشخبری۔

سُوْرَۃُ البقرۃ۔ ایۃ ۹۸ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكَالَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ

جو اللہ کا اس کے فرشتوں کا اس کے رسولوں کا جبرئیل کا میکائیل کا دشمن ہو ہوا کرے اللہ اس کا دشمن ہے جو اللہ سے انکار کرے۔

سُوْرَۃُ الشعرا۔ ایۃ ۱۹۲۔ وَإِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یقیناً یہ (قرآن) رب العالمین نے اتارا ہے

〃 〃۔ ایۃ ۱۹۳۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ

اس کے ساتھ روح الامین آئی۔

سُورۃ الشعراء - آیۃ ۱۹۴ - عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ

تیرے دل پر تاکہ تو لوگوں کو سمجھائے

" " ۱۹۵ - بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ

سلیس عربی زبان میں

سُورۃ النحل - آیۃ ۱۰۲ - قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ

سچائی کے ساتھ کہہ دو کہ پاک روح لائی ہے تیرے رب کے پاس سے اسکو (قرآن)

سُورۃ البقرہ - آیۃ ۲۵۳ - وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

ہم نے اس کو پاک روح سے مضبوط کیا

سُورۃ الشورٰی - آیۃ ۵۲ - وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا

اور ہم نے یہ وحی تیرے پاس اپنے حکم سے روح کے ذریعہ بھیجی

سُورۃ النحل - آیۃ ۲ - يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ

مِنْ عِبَادِهٖ - وہ اپنے فرشتہ کے ساتھ اپنا روح (قرآن) اپنے حکم

سے بھیجتا ہے اپنے جن بندوں پر چاہے۔

سُورۃ بنی اسرائیل - ۸۵ - وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ

مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ - تجھ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں (یعنی روح کی

لائی ہوئی شئی کی بابت) کہہ دے روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے

سُورۃ المؤمن - ۱۵ - رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ

مرتبہ سے زیادہ بلند صاحب حکومت اپنے حکم سے وحی اپنے جس بندگ

پر چاہے بھیجتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو سمجھائے۔

سُورۃ التحریم۔ ۱۲۔ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا۔ اور مریم بنت عمران جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی اس میں ہم نے روح پھونک دی۔

سُورۃ المریم۔ ۱۷۔ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا

پھر ہم نے اسکے پاس اپنا فرشتہ بھیجا جو اسکو شکل آدمی کے ٹھیک معلوم ہوا

سُورۃ انبیاء۔ ۹۱۔ وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا

اور وہ جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی اسکے اندر ہم نے اپنی روح پھونکی

سورۃ ال عمران۔ ۴۲۔ وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ

دیکھو فرشتوں نے کہا اے مریم تجھ کو خدا نے چنا اور پاک کیا

سُورۃ ال عمران۔ ۴۵۔ إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ۔ دیکھو فرشتوں نے کہا کہ اے مریم تجھ کو اللہ بشارت دیتا ہے اپنے لفظ کی۔

سُورۃ النساء۔ ۱۷۱۔ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ

عیسےٰ مسیح ابن مریم سوائے اللہ کے لفظ (حکم) کے اور کچھ نہیں جو اس نے مریم کو عطا کیا اور اس کی روح اس کے پاس گئی

سُورۃ المائدہ۔ ۱۱۲۔ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ

اور ہم نے اس کو پاک روح سے تقویت دی۔

سُورۃ السجدہ۔ ۹۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِن رُّوْحِهٖ

پس اس کو موزوں صورت میں بنا کر اللہ نے اس میں اپنی روح میں سے روح پھونک دی

سُورۃ الحجر۔ ۲۹۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ

اس کو موزوں شکل کا بنا کر اس میں میں نے اپنی روح میں سے روح پھونک دی

سُورۃ ص۔ ۷۲۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ

اس کو موزوں شکل کا بنا کر اسمیں میں نے اپنی روح میں سے روح پھونک دی

سُورۃ المجادلہ۔ ۲۲۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۔ اس نے ان کے دل میں یہ ایمان لکھ دیا

ہے اور ان کو اپنی روح سے تقویت دی۔

سُورۃ طٰہٰ۔ ۳۸۔ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰى

دیکھ ہم نے تیری ماں پر وحی سے پیغام بھیجا

" ۔ ۷۷۔ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى

اور ہم نے موسٰے سے وحی سے کہا

سُورۃ القصص۔ ۷۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰى

اور ہم نے موسٰے کی والدہ پر وحی کی

سُورۃ یوسف۔ ۱۰۹۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ

اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى

اور ہم نے تجھ سے پہلے سوائے مردوں کے کسی کو رسول نہیں بنایا۔ اور

وحی بھیجی۔ یہ شہروں کے رہنے والے تھے۔

سُورۃ النحل - ۴۳ } وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا
سُورۃ انبیا - ۷ } نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ

اور ہم نے تجھ سے پہلے سوائے مردوں کے کسی کو رسول نہیں بنایا نہ وحی بھیجی۔

سُورۃ النحل - ۶۸ - وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو سکھایا کہ وہ اپنا چھتہ پہاڑوں میں۔ درختوں میں اور آدمیوں کے مکانات میں لگائیں۔

سُورۃ مریم - ۱۱ - فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا

پس ذکریا اپنے کمرہ سے نکل کر اپنے لوگوں کے پاس آئے اور ان سے اشارہ سے کہا کہ اللہ کی بڑائی صبح اور رات کو کیا کرو۔

سُورۃ الانعام - ۱۹ - وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ

اور یہ قرآن مجھ کو وحی کیا ہے تاکہ میں اس سے لوگوں کو سمجھاؤں

" - ۱۰۶ - اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ

جو تیرا رب وحی سے سکھائے اس کا اتباع کر

سورۃ بنی اسرائیل - ۳۹ - ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ

یہ تجھ کو تیرے رب نے عقل کی باتیں سکھائی ہیں

سورۃ الزخرف - ۴۳ - فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ اِنَّكَ عَلٰی

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
پس اس وحی پر جو تجھے کی گئی قائم رہ۔ بیشک تو سچے راستہ پر ہے

سُوْرَةُ الشُّورٰی - ۳ - كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ

اس طرح وہ (اللہ) تیرے دل میں وحی کرتا ہے

سُوْرَةُ الشُّورٰی - ۷ - وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی - اور اس لئے ہم نے تیرے پاس وحی سے قران عربی زبان میں بھیجا تاکہ تو شہروں کی ماں کے لوگوں کو سمجھا سکے۔

سُوْرَةُ النَّجْمِ - ۴ - اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰی

یہ (قرآن) اس کے سوا نہیں ہے جو وحی سے دل میں ڈالا گیا۔

سُوْرَةُ النَّجْمِ - ۱۰ - فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی

پس (اللہ) نے اپنے بندے کے دل میں وہ ڈالدیا جو ڈالنا چاہتا تھا

سُوْرَةُ انبیا - ۱۰۸ - قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓی اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

کہہ دے۔ جو میرے پاس وحی سے آیا ہے وہ یہ ہے کہ تمہارا اللہ ایک ہے

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ - ۳۰ - وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً - اور دیکھو تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں دنیا میں اپنا خلیفہ بناؤں گا۔

سُوْرَةُ الْكَهْفِ - ۵۰ - وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ - دیکھو ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ جن تھا

سورۃ المعارج۔۴۔ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ

فرشتے اور روحیں اس کے پاس چڑھتی ہیں ایک دن میں جو تمہارے پچاس ہزار سال کی برابر ہے۔

سورۃ القدر۔۴۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ۔ اس میں ملائکہ اور روحیں اللہ کے حکم سے سب کاموں کیلئے اترتے ہیں۔

سورۃ النبا۔ ۳۸۔ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَةُ صَفًّا

دن جب کہ روحیں اور ملائکہ صفوں میں قطار باندھ کر کھڑے ہوں گے

سورۃ النساء۔ ۱۷۲۔ وَلَا الْمَلٰٓئِکَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ

اور نہ وہ ملائکہ جو اللہ کے قریب ہیں۔

ان آیات کو پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اللہ کا پیغام لانے والی قوت کو روح روح الامین۔ روح القدس۔ جبریل کہا گیا ہے۔ اور ملائکہ کے اوپر چڑھنے۔ اترنے۔ لین میں کھڑے ہونے کے ساتھ ساتھ روح کا بھی لفظ ہے جیسا سورتہا المعارج۔ القدر۔ النبا میں اوپر ہے

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ ملائکہ تو ایک جنس ہے روح جیسا کہ اوپر کی آیتوں سے معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلعم پر بھی روح پیغام پہنچاتی تھی اور حضرت مریم کے پاس بھی اللہ کی روح بشکل انسان آئی اور مریم کے اندر اللہ نے اپنی روح پھونک دی چونکہ اونہوں نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی اور اپنی روح اپنے

جس بندہ میں چاہے اس میں بھیج دیتا ہے تاکہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے۔ اور جس طرح جنس انسان میں ہم کہیں مسلمان تو یہ خاص جماعت انسان کی صفت ہوتی ہے۔ اسی طرح روح میں روح الامین۔ روح القدس ہیں اور جس طرح ایک مسلمان کا نام اللہ بخش ہو اس طرح خاص روح کا نام جس میں امانت اور قدس کی صفت موجود ہیں۔ جبرئیل ہے۔

لہٰذا بطور تشبیہ مختصراً لکھا جاتا ہے۔

مثال

جاندار = ملائکہ

انسان = روح

مسلمان انسان = روح الامین روح القدس

اللہ بخش مسلمان = جبرئیل

کافر یا نافرمان = ابلیس

سرزور نافرمان = جن

قرآن پاک میں کسی جگہ یہ نہیں ہے کہ پیغام زبانی پہنچایا جاتا تھا بلکہ بالکل صاف ہے کہ دل میں بذریعہ پاک روح کے جو امین بھی تھی یعنی پیغام پہنچانے میں خیانت نہ کرے بلکہ امانت کے ساتھ ٹھیک ٹھیک پیغام پہنچا دے پیغام پہنچایا جاتا تھا اور وہ روح الامین رسول اللہ کے جسم میں روح ہوتی تھی۔ اللہ تعالےٰ کا پیغام آدمیوں تک دو واسطوں سے پہنچتا تھا یعنی پہلے پاک روح امانت کے ساتھ رسول اللہ کو پیغام دے اور پھر رسول اللہ اس پیغام کو بجنسہ

امانت کے ساتھ آدمیوں کو پہنچایا ہیں۔ اگر دونوں واسطوں میں سے ایک بھی کمزور یا خراب ہو تو پیغام صحیح نہیں پہنچ سکتا۔ رسول اللہؐ کو سب لوگ امین کے لقب سے پکارتے تھے لہذا ان میں صفت امانت کی موجود تھی وہ خیانت نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس صفت کو کہ پیغام کو دل میں لفظ بلفظ یاد کر لیں اور بجنسہ دہرا دیں کہیں لغزش نہ کھائیں نہ کہیں یادداشت غلطی کرے اور حافظہ بھی ٹھیک ہو دارومدار اس پر تھا کہ رسول اللہؐ کو اللہ تعالےٰ نے ایسا کامل شخص بنایا تھا اور ان میں روح ایسی دی تھی جو امین بھی تھی یعنی جو پیغام آیا اس کو صحیح صحیح سمجھا۔ صحیح یاد رکھا اور صحیح دہرایا۔ اور روح القدس یعنی اتنی پاک بھی تھی کہ وہ اللہ تعالےٰ کی صفات قدسی اور پاکی اپنے میں رکھتی تھی یعنی جسم کی خواہشات سے وہ گندا اور پراگندہ نہیں تھی۔ اللہ جس کسی شخص کے سپرد یہ کام کرتا ہے اس میں اس قسم کی روح بھر دیتا ہے جیسا کہ سورۃ المومن آیت۔۱۵۔ میں ہے۔

ایک غلط خیال بعض مسلمانوں میں یہ ہو گیا ہے اور اس کی بنیاد پر بہت مضمون لکھ دی ہیں کہ سورۃ بنی اسرائیل۔۸۵۔ میں جو لفظ۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ہیں یہ انسان کی روح سے متعلق ہیں۔ اگر وہ کل رکوع پڑھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہاں روح سے مطلب اس پیغام سے ہے جو وحی سے آتا تھا نہ کہ انسان کی روح سے۔ روح کو امر جو کہا گیا ہے وہ بھی مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ہے۔ یعنی میرے رب کے حکم سے ہے۔

سورۃ الشوریٰ آیت ۵۲ اور سورۃ المومن آیت۔۱۵۔ سے روح اور امر کا معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ یہ سورۃ بنی اسرائیل میں نہیں بتایا گیا کہ انسان کی

روح جو ہے وہ امر ربی ہے بلکہ جو وحی نازل ہوتی تھی وہ امر ربی تھا۔ انسان کی
روح کی بابت تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ آیت ۹ و سورۃ الحجر آیت ۲۹
و سورۃ ص آیت ۷۲ میں صاف کہہ دیا ہے کہ انسان کو ٹھیک صورت میں بنانے
کے بعد اس میں ہم نے اپنی روح میں سے روح پھونک دی۔ لہذا انسان کی
روح اللہ تعالیٰ کی روح کا جزو ہے نہ کہ امر الٰہی۔ اگر اس معنی میں امر ربی حکم
الٰہی مانا جائے کہ اللہ نے اپنے حکم سے انسان کے جسم میں یہ روح داخل کی تو
کوئی مضائقہ نہیں لیکن یہ خدا کا جواب روح کی بابت ہی کیا مادہ کی بابت بھی
ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ ہم نے چاہا کن ' ایسا ہو جا' فیکون ' پس ایسا ہو گیا
اگر ہم روح انسانی کو عالم امر میں مانیں تو ہم کو تمام کائنات کو عالم خیال
ماننا پڑے گا کہ اللہ نے ایسا چاہا یعنی خیال میں پس سب ہو گیا۔ یعنی عالم خلق
محض عالم خیال ہو جائے گا جیسے روح عالم امر میں سے ہو گی لیکن یہ دونوں
باتیں غلط ہیں۔ یہ غلطی اس وجہ سے ہے کہ جب آیا۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ
تو بعض مفسرین یہ سمجھے کہ لوگ رسول اللہ صلعم سے روح انسانی کا سوال
کرتے ہیں کہ وہ کیا ہے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا۔ قُلِ الرُّوْحُ
مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ۔ اس لئے انہوں نے جواب بھی روح انسانی سے متعلق سمجھا
درحقیقت پورا رکوع ۱۰ سورۃ بنی اسرائیل کا وحی اور قرآن سے متعلق ہے لیکن
جن صاحبان نے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ سے مطلب روح
انسانی سے لیا ہے انہوں نے تمام رکوع کو نظر انداز کر دیا۔ خاص کر رَبِّیْ
کے بعد کے الفاظ اسی آیت کے ہیں۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

اور علم کا بہت تھوڑا سا حصہ تم کو پہنچایا جاتا ہے۔ یہ الفاظ اسی آیت کا آخر حصہ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کے بعد ہیں اور ان سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کیا کہہ رہا ہے۔ حضرت مریم کی بابت جو آیتیں ہیں ان میں پہلے ان کو جو خوشخبری دی گئی کہ اللہ نے ان کو منتخب کیا ہے اور پاک کیا دنیا کی تمام عورتوں سے اور دوسری خوشخبری بچہ کی کہ اللہ تم کو اپنا لفظ دے گا یعنی بغیر باپ کے اپنے حکم سے بچہ دے گا۔ یہ دونوں خوشخبریاں کسی خاص فرشتہ نے نہیں دیں بلکہ ملائکہ نے دیں۔ سورۃ آل عمران کی آیات ۴۲ و ۴۵ دونوں میں لفظ المَلٰٓئِکَۃ استعمال ہوا ہے۔ لہذا یہ بشارت دینے والی چند تو تیں تھیں چونکہ جمع کا صیغہ اللہ نے استعمال کیا ہے۔ لیکن اس بشارت کے بعد جب درحقیقت وہ حاملہ ہوئیں تو اس کی بابت سورۃ انبیاء آیت ۹۱۔ و سورۃ التحریم آیت ۱۲ میں فرماتا ہے۔ اَلَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا۔ فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی پس اس میں ہم نے اپنی روح پھونکدی اور سورۃ مریم آیت ۱۷ میں ہے۔ فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا پس ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو بھیجا جو اس کو بالکل آدمی کی شکل میں معلوم ہوئی۔ سورۃ النساء آیت ۱۷۱۔ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ج اَلْقٰهَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ عیسےٰ ابن مریم یہ ہیں جو اللہ کے رسول اور اس کے لفظ ہیں یعنی حکم سے پیدا ہوئے۔ جو مریم کی طرف اللہ نے بھیجا اور روح جو اس میں سے یعنی اللہ میں سے نکلی حضرت عیسےٰ کو پاک روح سے مدد دی۔ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ یعنی ان

کو اللہ نے پاک روح دے کران پر پیغام بھیجا۔ اللہ تعالےٰ انسانوں کو پیغام دینے
کے واسطے صرف مرد ہی بھیجتا رہا ہے جیساکہ سورۃ النحل آیت ۲۸۔ اور سورۃ انبیاءٗ
آیت ۷۔ میں ہے جو اوپر دی گئی ہیں لیکن جب پیغام دوسروں کو دینے کے
واسطے نہ ہو بلکہ جس کو پیغام بھیجا وہ مخصوص اس کے واسطے ہو تو اس میں یہ
تخصیص نہیں ہوتی کہ وہ مرد ہی ہو بلکہ عورت اور جانور بھی ہو سکتا ہے جیسے کہ
حضرت موسےٰ کی والدہ کو حضرت مریم کو وحی سے اطلاع دی اور جیسے شہد کی
مکھی کو سکھایا۔ وحی کے معنی سمجھنا ضروری ہے ورنہ لوگ باگ اس خیال میں کہ
وحی کیا چیز ہے طرح طرح کے خیالات دل میں پیدا کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی
والدہ کے دل میں یہ یقین ہو گیا کہ بچہ کے بچنے کی اور کوئی صورت سوائے اس کے
نہیں کہ اس کو دریا میں بہادیا جائے اور کوئی اس کو ضرور نکال لے گا۔ اس
اعتقاد کی وجہ سے انہوں نے بچہ کو دریا میں ڈال دیا ورنہ کون ماں ایسی ہوگی جو
بچہ کو دریا میں بہائے۔ یہ اس اعتقاد کی وجہ تھی جو ان کے دل میں پیدا ہوا جو
درحقیقت اللہ کی طرف سے دل میں یہ خیال پیدا کیا گیا۔ اسی طرح شہد کی مکھی
کے دل میں اپنی حفاظت کا یقین ہوتا ہے اور وہ اونچے درخت یا عمارت پر اپنا
چھتہ بناتی ہے یہ بات اللہ تعالےٰ نے اس کو سکھائی ہے۔ لہٰذا وحی وہ خیال اور
اعتقاد ہے جو اللہ تعالےٰ بذریعہ روحانیت کے کسی کے دل میں ڈال دئے اور
وہ شخص جس کے دل پر یہ خیال جمایا جائے وہ اس پر پورا یقین کرنے لگے۔ انبیاء میں
سے اکثر کے دل پر وحی ایسی ہوتی تھی کہ وہ ان کی ذات سے متعلق ہوتی تھی یا ان
کو کسی بات سے آگاہ کیا جاتا تھا لیکن جب یہ پیغام دوسروں کے واسطے ہوتا تھا

تو اس کے صحیح صحیح اور ٹھیک ٹھیک الفاظ دل پر اسی طرح ظاہر ہوتے تھے کہ نبی ان الفاظ کو بھول نہیں سکتا تھا اور دوسرے لوگوں کو پہنچا دیتا تھا۔ یہ رسالت ہوتی تھی۔ یہی بات تمام انبیاء کی بابت سورۃ المومن آیت ۱۵۔ میں ہے کہ ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے دل پر القا بذریعہ روح کے اپنے حکم سے کر دیتے ہیں تاکہ وہ دوسروں کو ہدایت کرے۔ لیکن رسول اللہ صلعم کے دل پر جبرئیل۔ روح الامین اور روح القدس نے قرآن اتارا جیسا کہ سورۃ البقر آیت ۹۷۔ سورۃ الشعرا آیات ۱۹۲ لغایت ۱۹۴۔ اور سورۃ النحل آیت ۱۰۲ سے ظاہر ہے۔ پیغام جو یہ روح دل پر القا کرتی تھیں وہ کلام پاک ہے۔ قرآن پاک سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جو اللہ نے دل میں ڈالا۔ وحی کو بتایا جا چکا کہ اللہ تعالےٰ ایک مضبوط خیال دل میں ڈال دے اور جس کے دل میں ڈالے اس کو اس خیال کی سچائی پر کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے پورا یقین ہو اور کوئی اثر اس اعتقاد میں تبدیلی نہ کر سکے۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۵۲ — وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور ہم نے یہ (قرآن) اپنے حکم سے تیرے دل میں روح کے ذریعہ بھیجا۔ پھر اس کی تائید میں سورۃ الشوریٰ آیات ۳ – ۷ سورۃ النجم آیات ۴ و ۱۰۔ سورۃ انبیاء آیت ۱۰۸ سورۃ سجدہ آیت ۲ میں جو اوپر دی گئی ہیں۔ ان تمام آیات کو پڑھنے کے بعد اور روح۔ روح الامین۔ روح القدس اور جبرئیل کو سمجھنے کے بعد یہ آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلعم کی روح مبارک میں دونوں صفتیں یعنی امین ہونے کی اور قدسی ہونے کی دی تھیں اسلئے وہ نہ صرف پیغام صحیح صحیح وصول کرتی تھی بلکہ صحیح صحیح اسکو یاد رکھتی تھی۔ اور صحیح صحیح اسکو لوگوں کے سنانے و سنادیتی تھی۔ رسول اللہ کو اس

بات کا بیحد خیال ہوتا تھا کہ انہوں نے پیغام صحیح اور پورا پہنچا دیا یا نہیں - روح جو کہ امین تھی وہ امانت کو پوری طرح انجام دینے کے واسطے بے چین رہتی تھی- اسی واسطے اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں مسلمانوں سے اس کی تصدیق کرائی کہ دیکھو میں نے تمہیں سب پیغام صحیح پہنچا دیا یا نہیں اور تم اس کی تصدیق اللہ کے سامنے کرو گے- جب مسلمانوں نے بیک آواز تصدیق کر دی تب اطمینان ہوا- قدس ہونے کی یہ ضرورت تھی کہ اگر روح میں ذرا بھی کثافت ہو تو اصل پیغام کو غلط معنوں میں سمجھ سکتی ہے چاہے لفظ یاد رہیں مگر مفہوم بدل سکتا ہے- لہذا اللہ کی طرف سے جو پاک بے نیاز ہے پیغام وصول کرنے والی روح بھی پاک ہونی چاہیئے- اس لئے رسول اللہ کی روح مبارک ہی روح القدس تھی وہ ان برائیوں سے پاک تھی جو روح میں جسم انسانی کے اندر رہنے سے آ جاتی ہیں اور نفسانی خواہشات اس میں کثافت پیدا کر دیتی ہیں- اسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی روح بھی روح القدس تھی- سورۃ البقر آیت ۲۵۳ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اور سورۃ المائدہ آیت ۱۱۲- اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ سے مطلب یہ ہے کہ ہم نے حضرت عیسےٰ کی روح کو پاکی دے کر مضبوط بنا دیا تھا- اس پاکی کی وجہ سے ان کی روحانیت بہت زبردست ہو گئی تھی- او ہام پرست عیسائیوں نے تثلیث کا مسئلہ گھڑ لیا اور باپ بیٹا اور روح القدس کو ملا کر خدا ماننے لگے- اور روح القدس کو ایک خاص جزو اللہ کا ماننے لگے- حالانکہ خود انجیل میں آیا ہے کہ روح القدس حضرت ذکریا میں آگئی حضرت ذکریا کی بیوی میں آگئی متعدد لوگوں کا ذکر ہے کہ جب ان پر روح القدس کا غلبہ ہوا

تو انہوں نے یہ کہا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ روح القدس اس معنی میں
لیتے تھے جن معنوں میں آج کل مسلمان لیتے ہیں کہ فلاں شخص میں بڑی روحانیت
ہے۔ یعنی جسمانی قوتوں کا غلبہ نہیں ہے بلکہ روح پاک صاف اور طاقت ور ہے۔
لیکن بعد میں عیسائیوں نے اس کے اور معنی لگا دیئے اور روح القدس کو تثلیث
کا ایک جزو بنا دیا اور بغیر اس کے خدا مکمل نہیں رہا۔ ان خیالات کا اثر وہ عیسائی جو
مسلمان ہوئے اپنے ساتھ لائے اور دوسرے مسلمانوں کے خیالات پر بھی اثر ڈالا
اس کی وجہ سے بعض مسلمان روح الامین۔ روح القدس میں فرق سمجھ کر روح القدس
کو ایک فرشتہ بشکل انسان سمجھنے لگے۔ قرآن پاک کی آیات سے معلوم ہو جائے گا کہ
اللہ نے قرآن رسول اللہ پر۔ جبرئیل۔ روح الامین۔ روح القدس۔ روح۔ وحی۔
کے ذریعہ نازل کیا۔ نزول کے معنے ہیں روحانیت سے جسمانیت کی طرف آنا اور
عروج کے معنے ہیں جسمانیت سے روحانیت کی طرف جانا۔ لہذا قرآن کا نزول
ان روحوں کے ذریعہ رسول اللہ کے جسم یعنی دل میں پیوست کر دیا گیا۔ اور پیغام
بر روح یعنی قوت کا نام جبرئیل یعنی اللہ کی قوت ہے۔ عیسائیوں کے خیالات
سے مسلمانوں پر یہ اثر ہوا کہ نہ صرف وہ ملائکہ کو انسانی شکل کا سمجھنے لگے بلکہ خود
خدا کو بھی محدود بشکل انسان سمجھنے لگے چونکہ عیسائی خیال کے مطابق انسان بشکل
خدا ہے۔ ان خیالات کا اثر لفظ فرشتہ سے بھی پڑا۔ چونکہ بہت سے مسلمانوں پر
مجوسی خیالات کا اور ان کی فارسی کتابوں کا اثر پڑا اور کم تعلیم یافتہ طبقہ مسلمانوں
کا دوسروں کی کتابوں سے موثر ہوا اور قرآن پاک کی آیتوں کا مطلب ان لوگوں کے
کے اعتقادات کی کتابوں کے تحت میں سمجھنے لگا۔ اسلام وہ مذہب ہے جس کی

بنیاد قانون فطرت اور کائنات کے بنانے والے کے سمجھنے پر ہے لہذا قرآن کی آیتوں کو جب غور سے پڑھا جائے تو وہ سب موجودہ سائنس کے مطابق ثابت ہیں۔ ان سب دلائل سے ثابت ہے کہ اس قوتِ کاملہ نے جس نے کل کائنات کو خاص اصولوں پر بنایا اور اس کے قائم رکھنے کے واسطے اصول بنائے اس قوت نے رسول اللہ کی روح کو جس میں تمام پاک صفات موجود تھیں ان اصولوں سے آگاہ کر کے یہ حکم دیا کہ وہ ان اصولوں کو دوسروں تک پہنچا دیں۔ ان اصولوں کو پہنچانے کے واسطے الفاظ مقرر کر دیئے گئے۔ وہ الفاظ قرآن پاک ہیں اور وہ اصول ان الفاظوں میں درج ہیں جس وقت اس قوت کاملہ نے حکم دیا۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ "پڑھ یعنی لوگوں کے سامنے اعلان کر اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون کے ٹکڑے سے۔ پڑھ۔ تیرا رب بہت کرم والا ہے۔ وہ جس نے قلم سے سکھایا۔ (لکھنا) اور انسان کو اس کا علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔" اس حکم سے جو ان کے دل میں آیا کہ وہ اللہ کو بالاعلان لوگوں کو سمجھائیں۔ وہ گھبرائے کہ یہ کس قدر مشکل کام ہے میں اگر یہ کام اپنے ذمہ لیتا ہوں تو اس کو کس طرح انجام دوں گا۔ حالانکہ اللہ تعالٰی کو ان کی روح شروع ہی سے جانتی تھی اور وہ اس کی عبادت غار میں جا کر تنہائی میں کیا کرتے تھے اور خدا کی وحدانیت پر غور کیا کرتے تھے۔ لیکن خود سمجھ لینا اور بات ہے اور دوسروں کو سمجھانا اور بات۔ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ وہ اس آیت کے آنے سے قبل اللہ کو نہیں جانتے تھے غلط ہے۔ رسول اللہ کو بچپن ہی سے خدا

کی پہچان تھی اور وہ غار میں جاکر تنہائی میں اس لیئے وقت صرف کرتے تھے کہ وہ
اللہ سے لوح لگائیں اور اس کو سمجھیں۔ خود تو سمجھ گئے تھے لیکن اللہ کی طرف سے
یہ ہدایت نہیں ہوئی تھی کہ وہ اوروں کو بھی سمجھائیں۔ اس آیت میں یہ ہدایت آئی
کہ تم ہمت سے کام لو اور اللہ کا نام لے کر لوگوں کو بتاؤ کہ اللہ کون ہے۔ یہ اپنی
کمزوری دولت سے واقف تھے اور کوئی کتابیں بھی نہیں پڑھی تھیں اس لئے
ان کی روح پر بڑا سخت بوجھ پڑا کہ ایسی بڑی ذمہ داری کو کیوں کر پورا کروں گا
بعض مولود خوان نے کم تعلیم یافتہ اور جاہل طبقہ کے واسطے قصہ گھڑ لیا کہ فرشتہ
نے دبوچا اور کہا پڑھ۔ رسول اللہ نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں کیسے پڑھوں پھر
فرشتہ نے اور زور سے دبوچا اور وہی کہا پھر انھوں نے وہی جواب دیا پھر فرشتہ
نے کہا کہ اللہ کے نام سے پڑھ تو یہ پڑھنے لگے۔ یہ قصہ دلچسپ بنایا گیا ہے لیکن
اقراء سے مطلب کسی کتاب کو پڑھنا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ تم اللہ کے احکام لوگوں
کو سناؤ۔ ان کے سامنے پڑھو یعنی وہ بیان کرو جو تمہارے دل میں اللہ ڈالے کہ
یہ کہو۔ عرب کی جو حالت تھی اس پر نظر ڈالتے ہوئے یہ کام آسان نہ تھا کہ اس قوم
کو جو جہالت سے بھری تھی سمجھایا جائے۔ اس وجہ سے اس حکم کے ملنے کے بعد
اور ذمہ داری کو لینے سے پسینہ آگیا اور آپ کانپ گئے۔ چونکہ روح میں سچائی تھی
اور ذمہ داری کو پورا کرنا خدا واسطے تھا نہ کہ نمود کی خاطر اس لئے اتنا بوجھ اٹھانا
آسان نہ معلوم ہوا۔ مگر حکم کی تعمیل لازمی تھی اور جب تعمیل حکم باوجود تمام مشکلات
کے کی تو اللہ تعالےٰ نے سینہ کو فراخ کیا اور وسعت دی تاکہ ہمت سے مقابلہ
کریں۔ اس کو اللہ تعالےٰ نے جتا دیا۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا

عَنْکَ وِزْرَکَ۔ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَہْرَکَ۔ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ۔

"کیا ہم نے تیرے سینہ کو چوڑا نہیں کیا اور تجھ پر سے بوجھ نہیں اتار دیا جس نے تیری کمر کو جھکا دیا تھا۔ اور تیرے ذکر کو یعنی تیری عزت کو بلند نہیں کیا"۔ اس کے بعد کی آیتوں میں اور ہمت افزائی کی۔

لہٰذا درحقیقت روح۔ روح الامین۔ روح القدس۔ جبرئیل ایک ہی چیزیں ہیں اور یہ اس قوت کے نام ہیں جو رسول اللہ صلعم کی روح میں مل جاتی تھی اور ان پر احکامات الٰہی آشکارا کرتی تھی اور ملائکہ یعنی قوتوں میں سے یہ خاص قوت تھی۔

مولانا جلال الدین رومی اور کائنات کی ساخت اور اصول کشش

من پاکباز عشقم ذوق فنا چشیدہ	آہوئے دشت ہویم از ماسوا رمیدہ
آئینہ پر صفاتم جام خدا نمایم	ہم عین و ہم جدایم اے مرد برگزیدہ
از جام عشق مستم مستانۂ الستم	بے پا و بے سر ہستم از قید تو رہیدہ

یہ فارسی کے اشعار اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار کرتے ہیں چونکہ زبان بہت آسان ہے اس لئے ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ الست بھی روزمرہ کی زبان میں آگیا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواحوں سے دریافت کیا کہ کیا میں تمہارا مالک نہیں ہوں۔ انہوں نے جواب دیا بے شک ہے۔ اس دن کو الست کا دن کہتے ہیں۔

موجودہ سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر ذرہ میں کشش ہے اور ہر ذرہ دوسرے

ذرہ کو کھینچتا ہے۔ اسی کشش کی وجہ سے بڑے بڑے اجسام بنے جس میں بہت سے ذرے شامل ہیں دراصل یہ کہنا چاہیئے کہ بہت سے ذروں کے ایک جگہ بوجہ کشش کے جمع ہو جانے سے بڑے اجسام بنتے ہیں۔ یہ معلومات موجودہ سائنس میں تھوڑے عرصہ سے ہوئیں۔ لیکن مسلمان صوفیا نے یہ تحقیق بہت عرصہ ہوا کی تھی جس کی بنیاد قرآن پاک کی آیات تھیں۔ پیشتر اس کے کہ اصل مضمون پر لکھا جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی کے چند اشعار دے دیئے جائیں جن سے یہ تصدیق ہوتی ہے کہ یہ کشش کا علم مسلمان صوفیاء کو بہت عرصہ سے حاصل تھا۔

۱۔ جملہ اجزائے جہاں زاں حکم پیش   جفت جفت و عاشقان جفت خویش

تمام اجزاء جہاں کے اس قانون قدرت کی وجہ سے۔ ایکدوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے عاشق ہیں۔

۲۔ ہست ہر جزوے بعالم جفت خواہ   راست ہمچو کہربا و برگ کاہ

ہر جزو عالم کا دوسرے جزو سے جڑنا چاہتا ہے۔ جس طرح کہربا اور گھاس کا پتہ جڑتا ہے۔

۳۔ آسمان گوید زمین را مرحبا   باتوام چون آہن و آہن ربا

آسمان زمین کو مرحبا کہہ کر کہتا ہے۔ کہ میں اور تم مثل لوہے اور مقناطیس کے ہیں۔

۴۔ گفت سائل چوں بماند ایں خاکدان   در میان ایں محیط آسمان

ایک سائل نے (عقلمند سے) دریافت کیا کہ یہ دنیا اس گول آسمان کے درمیان معلق کس طرح رہتی ہے

۵۔ ہمچو قندیل معلق در ہوا   نے بر اسفل مے رود نے بر علا

کہ مثل ایک غبارہ کے ہوا میں معلق ہے نہ نیچے گرتی ہے نہ اوپر کو جاتی ہے۔

۶۔ آں حکیمش گفت کز جذب سما — از جہات شش بماند اندر ہوا

اس عقلمند نے جواب دیا کہ آسمان کی چھ طرف سے کشش کی وجہ سے یہ ہوا میں معلق ہے۔

۷۔ چوں ز مقناطیس قبہ ریختہ — درمیان ماند آہنے آویختہ

جس طرح ایک مقناطیسی گولہ کے درمیان میں ایک لوہے کا ذرہ لٹکا رہے۔

۸۔ میل ہر جزوے بجزوے مے نہد — ز اتحاد ہر دو تولیدے جہد

ہر ذرہ دوسرے ذرہ سے ملنا چاہتا ہے اور دونوں کے ملنے سے تیسری چیز بنتی ہے۔

۹۔ ہر یکے خواہان دگر را ہمچو خویش — از پئے تکمیل فعل و کار خویش

ہر ذرہ دوسرے ذرہ کی شکل اپنے تلاش کرتا ہے تاکہ اپنے فعل کو اور اس کام کو جو اسکے سپرد ہے تکمیل کرے۔

۱۰۔ دور گردوں را ز موج عشق دان — گر نبودے عشق بفسردے جہاں

آسمانی کرہ جات کی گردش کو ایک کشش کی موج سمجھ۔ اگر یہ عشق یعنی کشش نہ ہوتی تو جہاں کب کا ختم ہو گیا ہوتا۔

۱۱۔ کے جمادے محو گشتے در نبات — کے فدائے روح گشتے نامیات

کسطرح بغیر کشش کے جمادات نباتات بنتی اور کس طرح نباتات حیوانات بنتی

۱۲۔ ہر یکے بر جا فسردے ہمچو یخ — کے بدے پران و جویاں چوں ملخ

ہر چیز سوکھ جاتی یا برف کی طرح پگھل جاتی۔ پھر ٹڈی کی طرح کیوں کر اڑتیں۔

۱۳۔ پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتے ست — مصطفٰے فرمودہ دنیا ساعتے ست

پس تم کو ہر لحظہ موت ہے اور پھر زندگی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا ایک ساعت کی ہے

۱۴۔ ہر نفس نو مے شود دنیا و ما — بے خبر از نو شدن اندر بقا

ہر لحظہ ہم اور دنیا دوسری چیز میں تبدیل ہوتے ہیں لیکن چونکہ مسلسل زندگی ہے اس لئے ہم ان تبدیلیوں

سے بے خبر ہیں۔

۱۵۔ عمر ہمچو جوئی نو نو میرسد مستمرے می نماید در جسد

انسان کی عمر مثل دریا کے ہے کہ اس کی زمین تو سالم رہتی ہے مگر ہر جگہ نیا نیا پانی برابر آتا ہے

ان اشعار سے ثابت ہے کہ مولانا روم اس اصول سے واقف تھے کہ دنیا خلا میں کیوں کر گھوم رہی ہے اور یہ اصل کُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ سے لیا تھا اور ہر چھ سمت بھی انہوں نے آسمان کی مانیں جن سے چھ طرف آسمان مانے اور چھ سیاروں کی کشش۔ اس اصول سے بھی بخوبی واقف تھے کہ ہر ذرہ بوجہ کشش کے دوسرے سے ملتا ہے اور دو مل کر تیسری چیز ہو جاتے ہیں اور ہر ذرہ اس کوشش میں ہے کہ تنہا نہ رہے بلکہ دوسرے سے ملے۔ اس راز سے بھی واقف تھے کہ کشش اور چکر کی وجہ سے کائنات قائم ہے۔ کشش سے چکر اور چکر سے مزید کشش پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس اصول سے کائنات کے بخوبی واقف تھے کہ ایک کی فنا سے دوسرے کی بقا ہے اور قرآن پاک سورۃ المومنون کی جو آیت تخلیق انسان کی پہلے دی جا چکی ہے اس کو خوب وضاحت سے ان اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا قرآن کے فلسفہ میں اور موجودہ سائنس میں فرق نہیں ہے بلکہ سائنس ابھی نا مکمل ہے اور صوفیا نے پورا وقت تحقیقات میں صرف کیا ہے اگرچہ وہ اپنی معلومات کو سائنٹیفک طریقہ سے نہیں بتا سکے نہ اس کی کوشش کی مگر مولانا رومی نے نہایت عقلیہ دلائل سے اصولوں کو ثابت کیا ہے۔

اب ہم کافی تفصیل کے ساتھ کائنات کی ساخت اور ان قوتوں کو جن سے کائنات بنی اور قائم ہے بیان کر چکے بغیر ان کے بتائے اصل مدعا سمجھایا نہیں جا سکتا تھا

نہ صرف کائنات کی ساخت بیان کی گئی بلکہ روح - ملائکہ - وحی - انسان کا جسم اور اس کے اندر قوتیں بھی بیان کی گئیں - ان کو سمجھانے کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کی اصلیت کو سمجھانے کی کوشش کریں گے۔

وحدانیت

ہم نے شروع میں لکھا تھا کہ کل فلسفہ کی بنیاد قرآن پاک کی اس آیت پر ہے۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بابت پانچ باتیں کہی ہیں کہ اول میں وہی تھا اور کچھ نہ تھا آخر میں بھی وہی رہ جائے گا اور کچھ نہ رہے گا اور وہی ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے اور ہر چیز کا اس کو پورا علم ہے۔ دنیا اور آسمانی کرہ جات کس طرح بنے یہ ہم نے قرآن پاک کی سورۃ انبیا کی آیت ۳۰ سے ثابت کیا ہے جو قرآن اور موجودہ سائنس دونوں کے مطابق ہے - لہٰذا دنیا کا مادہ اور تمام مادہ جو کائنات میں ہے وہ سب ایک ہی قسم سے بنا ہے - سائنس سے یہ ثابت ہو چکا کہ تمام مادہ جو کچھ ہے وہ ایٹموں کا مجموعہ ہے اور تمام ہر قسم کے ایٹم بجز بجلی کی قوتوں کی تیز گردش کی وجہ سے ایک ہیولہ بن جانے کے کچھ نہیں - اگر بجلی کی قوتوں کی گردش بند ہو جائے یا دونوں قسم کی بجلی ایک دوسرے سے اس قدر قریب ہو جائے کہ دونوں مل جائیں تو یہ سب کائنات ختم ہو جائے - سارے ایٹم غائب ہو جائیں - بجلی کی دونوں قوتیں کسبی اور قدرتی ہیں رگڑ لگنے سے پیدا ہوتی ہیں - یہ بھی ہم بتا چکے کہ لوہے کی سلاخ پر ایک تار باندھا جائے اور اس میں بجلی دوڑے تو وہ مقناطیس

ہو جاتا ہے اور اگر دو تار باندھے جائیں اور دونوں میں بجلی کی طاقت اس طرح دوڑائی جائے کہ ایک میں ایک طرف سے اور دوسرے میں دوسری طرف سے تو لوہا بجائے مقناطیس کے اس کا مخالف بن جاتا ہے یعنی بجائے قوت کشش کے اس میں قوت دفاع پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بجائے دوسرے لوہے کو کھینچنے کے دور پھینکنے لگتا ہے جیسے ایک مقناطیس کا قطب شمالی دوسرے کے قطب شمالی کو دور پھینکتا ہیں۔ لہذا جس قوت نے کائنات کے ہر بڑے جز سے لے کر ایٹم تک کے اندر ایک طرف کو گردش دے کر قوت کشش پیدا کر دی ہے اگر وہ ان سب کو دوسری سمت کو گھمائے یا کچھ کو ایک طرف اور کچھ حصہ کو دوسری طرف تو یہ سب کائنات ختم ہو جائے اور الکٹرون کی تیز گردش نے جو وہ پروٹون کے گرد کرتا ہے اس سے جو ہیولہ اختیار کیا ہے وہ سب ختم ہو جائے۔ بجلی کی دو قسم کی قوتیں یعنی اثبات Positive اور نفی Negative ایک دوسرے کی طرف کو دوڑتی ہیں اور جب آپس میں مل جاتی ہیں تو ان میں بجلی کی طاقت نہیں رہتی۔ طاقت تو صرف ایک کے دوسرے کی طرف دوڑنے سے ہوتی ہے۔ اسی کشش سے تمام بجلی کے کام لیے جاتے ہیں اور کام کرنے سے جمع شدہ قوت ختم ہوتی ہے اور مزید بنا کر ذخیرہ میں جمع کی جاتی۔ بادل سے بجلی زمین کی طرف دوڑتی ہے اور دوسری قسم کی زمین سے نکل اس کی طرف کو اور دونوں کی دوڑ سے شعلہ پیدا ہوتا ہے اور ہوا میں دھماکہ ہونے سے گرج ہوتی ہے۔ جس چیز میں ہو کر دنیا سے بجلی نکلتی ہے اگر وہ جاندار ہے تو مر جاتی ہے اگر عمارت ہے تو پھٹ جاتی ہے لیکن یہ دونوں قوتیں مل کر کیا شکل اختیار کرتی ہیں ابھی

تک کوئی نہیں جانتا - آیندہ جب اور ترقی علم کریئے گا تب معلوم ہو گا حضرت موسےٰ اور بنی اسرائیل کو خدا نے اپنی طاقت کا اظہار بجلی کی چمک اور کڑک سے کیا تھا - لہذا تمام مادہ صرف بجلی کی قوتوں کی گردش کا ظہور ہے اور جس طرح ایٹم بم پھاڑا جاتا ہے اس طرح بڑی قوت تمام کائنات کے ایٹموں کو پھاڑ سکتی ہے اور پھاڑے گی جس کی وجہ سے تمام بجلی کی قوتیں آپس میں مل کر مختلف قوتیں نہ رہیں گی بلکہ ایک اور شکل میں تبدیل ہو جائیں گی جس میں اب بھی تبدیل ہوتی ہیں - اب تو تھوڑی سی قوتیں تبدیل ہوتی ہیں لیکن ایک وقت ایسا آنے لگا کہ ایک دم ساری بجلی کی Positive قوت Negative سے مل کر تیسری شکل میں تبدیل ہو جائے گی اور نئے سرے سے اثبات اور نفی قوتیں بنی بند ہو جائے گی - ان قوتوں کا ظہور ایک قوت ہیں جس کا یہ جذبہ ہیں رگڑ لگنے سے ہوتا ہے اور یہ رگڑ دوسری قسم کی قوتوں کی گردش سے لگتی ہے - سورج کی کرنیں یعنی شعائیں جب دنیا کی طرف آتی ہیں تو دنیا کی گردش سے ان میں رگڑ پیدا ہوتی ہے اور بجلی کی قوت پیدا ہوتی ہے - سورج گرہن کے وقت جب سورج اور دنیا کے درمیان میں چاند آجاتا ہے تو سورج کی شعائیں دنیا کے اس حصہ پر نہیں آتیں جو حصہ گرہن کی وجہ سے چھپ جاتا ہے - سائنس دان اس وقت یہ معلوم کرتے ہیں کہ بجلی کی طاقت پر کیا اثر پڑا اور آیا ریڈیو کی آوازوں میں کوئی فرق ہوا یا نہیں سورج کے اندر جو کالے دھبے ہیں جب یہ دنیا کے سامنے آجاتے ہیں تو بھی بجلی کی قوتوں پر اثر ہوتا ہے - سورج کا مادہ دنیا کے مادہ کی طرح منجمد نہیں ہے اور چونکہ وہ مادہ سکڑ رہا ہے اس سے طاقت پیدا ہوتی ہے اور طاقت حدت کی شکل میں

ظاہر ہوتی ہے اور حدت کی طاقت فضاء میں پھیلی ہوئی طاقت جس کو ایتھر کہتے ہیں اس میں لہریں پیدا کرتی ہے جیسے ہمارے منہ سے طاقت نکل کر ہوا میں لہریں پیدا کرتی ہے اور وہ ہماری آواز ہوتی ہے - اسی طرح ایتھر میں لہروں سے روشنی کی شعاعیں پیدا ہوتی ہیں - روشنی درحقیقت ایک قوت کا ظہور ہے جو لہروں کے پیدا ہونے سے ہوتا ہے - اور ہمارے جسم میں قوت احساس اس ظہور کو دیکھ سکتی اور قوت بصارت اس قوت احساس تک شعاؤں کا اثر پہنچاتی ہے - اندھے آدمی میں قوت بصارت نہیں ہوتی یعنی مشین کا وہ پرزہ جس کو آنکھ کہتے ہیں خراب ہوتا ہے اگرچہ اس کی قوت احساس ٹھیک ہوتی ہے لیکن قوت احساس تک شعاؤں کی لہریں پہنچانے کا راستہ خراب ہو جاتا ہے - شعاعیں چونکہ قوت کی ایک شکل ہیں اس لئے ان میں حدت ہوتی ہے اور سورج کی شعاؤں میں مثل لکڑی یا کوئلہ یا بجلی کے تار کے روشنی اور حدت ایک ساتھ ہوتی ہے - آگ جلنے سے حدت اور روشنی دونوں ظاہر ہوتی ہیں - یہ دونوں قوتیں پھر اور کوئی شکل تبدیل کر سکتی ہیں - کوئلہ اور لکڑی کے جلنے سے وہ قوتیں جو ان کے اندر پنہاں ہیں - خارج ہوتی ہیں اور کوئلہ اور لکڑی محض راکھ رہ جاتے ہیں - یہی حشر سورج کا ہونا ہے - ریڈیم میں سے جب الکٹرون اور پروٹون خارج ہوتے ہیں تو بقیہ الکٹرون اور پروٹون سیسہ بن جاتے ہیں - تمام کائنات کے الکٹرون اور پروٹون اسی طرح مختلف تناسب میں مل کر نئی نئی شکلیں اختیار کرتے ہیں قوت کشش ان کو قریب لاتی ہے مگر بالکل قریب آکر فنا ہو جانے کی بجائے یہ اپنی قوت کشش کی وجہ سے گھومنے لگتے ہیں - لہذا تمام کائنات مثل ایک گھڑی کے کام کر رہی ہے

ایک پرزہ دوسرے کو اور دوسرا تیسرے کو چلاتا ہے اور بال کمانی پنڈولم کو گھماتی ہے اور فنر میں جو قوت اس کے لپٹنے سے ہے وہ اس کی کھلنے سے ظاہر ہوتی اور کام کرتی ہے اور سارے پرزوں کو چلاتی ہے۔ سوئیاں بھی گھومتی ہیں گھنٹے بھی بجتے ہیں۔ پنڈولم بھی چلتا ہے۔ فنر کی کمانی کو کنجی سے لپیٹا جاتا ہے اور کنجی کو گھمانے والی آدمی کی انگلیوں کی طاقت ہے اور انگلیوں میں طاقت بذریعہ ہڈی اور پٹھوں کے آتی ہے اور ان میں طاقت خون سے ہوتی ہے۔ خون نسوں کے ذریعہ آتا ہے جس کو دل پھینکتا ہے اور خون جگر۔ معدہ۔ پتہ اپنے فعل سے بناتے ہیں جو غذا سے معدہ پیدا کرتا ہے علےٰ ہذا القیاس۔ لہذا تمام کائنات کا ظہور اور قیام مختلف قسم کی قوتوں کے فعل سے ہے اور کائنات کا ایک چھوٹا نمونہ انسان ہے۔ بغیر جملہ قوتوں کے فعل کے یہ کائنات نہ تو بنتی اور نہ قائم رہ سکتی ہے۔

یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قوت Energy ضائع نہیں ہوتی بلکہ ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیل ہوتی ہے۔ دراصل قوت کی کوئی شکل نہیں۔ ہم شکل سے یہ مراد لیتے ہیں۔ کہ جب وہ ایک کام کرتی ہے تو ہم اس کے کام کو شکل دیتے ہیں یعنی اس کام کے نام سے موسوم کرتے ہیں جیسے بجلی کی روشنی یا پنکھا یا بوجھ اٹھانے کا آلہ وغیرہ یا مقناطیس۔ حدت۔ روشنی۔ کشش کیمیائی طاقت برقی وغیرہ وغیرہ۔ درحقیقت قوت ایک ہے صرف وہ مختلف طریقہ سے ظہور میں آتی ہے۔ انسان کے جسم میں جس قدر بھی قوتیں ہیں درحقیقت وہ ایک ہی قوت کا مختلف قسموں میں ظہور ہے۔ جس وقت تک یہ کائنات یعنی ایک بڑی قدرتی مشین چل رہی ہے اس وقت تک قوتیں مختلف معلوم ہوتی ہیں۔ چونکہ وہی قوت

مختلف طریقہ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ ایک بہت بڑی لاتعداد پوری طاقت رکھنے
والی طاقت نے جس کو اس بڑی مشین بنانے اور چلانے کی عقل اور قدرت ہے
اور جو ہر جگہ ہمیشہ سے موجود ہے اپنے ایک چھوٹے سے حصہ کا یہ اظہار کیا اور
کوک بھر کر چرخی گھما دی جس وقت تک یہ چرخی اس کوک کی وجہ سے گھوم رہی
ہے مختلف پرزے مختلف کام کر رہے ہیں اور قوت نے مختلف شکلیں اختیار کر
رکھی ہیں جس وقت کوک ختم ہوئی یا کنجی دوسری طرف کو گھومی تو اس وقت یہ ساری
مشین چورا چورا ہو جائے گی اور ساری قوتوں کا ظہور مختلف شکلوں میں ختم ہو
جائے گا۔ اس چرخی کو اس طرح چلاتے رکھنا اور اپنے ایک چھوٹے سے جزو کو اس
طرح ظاہر کئے رہنا صرف اس لاتعداد قدرت پر منحصر ہے جس نے یہ چرخی چلائی
اس نے کہا "کن" پس یہ سب ہو گیا۔ کن کا کہنا تھا کہ ایک سوئچ کھلا اور جیسے
سوئچ کھلتا ہے بجلی کی روشنی آجاتی ہے پنکھا چلنے لگتا ہے ریڈیو بولنے لگتا ہے۔ اسی
طرح لفظ "کن" نے حرکت پیدا کر کے مختلف شکلیں قوت کی پیدا کر دیں اور پھر
قوتوں کو حرکت دی تو مادہ پیدا ہو گیا۔ پھر مادہ کو مختلف شکلیں دیں۔ پھر مادہ
کی چیزوں میں سے پانی بنایا اور ہوا بنائی۔ پھر مادہ میں تھوڑی نشو و نما کی
جان دی جس سے نباتات بنائی۔ پھر مختلف قسم کے جانور بنائے
جن میں مادہ اور روح دونوں دیا۔ اس کے بعد انسان بنایا۔ جس کا
جسم مادہ کا اور ان قوتوں کا بنایا جو اس کو نشو و نما دیتی ہیں جن کی
تفصیل ہم انسان کی تخلیق کے تحت دے چکے ہیں پھر اس میں اپنی روح
میں سے روح پھونک دی۔

نزولات

(۱) لہذا پہلے ایک بہت بڑی لاتعداد قوت ۔ ہر جگہ موجود تھی یعنی جب کسی جگہ کا تعین نہیں تھا اور نہ تعداد کا وہ ہمیشہ سے قائم تھی اور اس میں مکمل عقل یعنی Intelligence تھی۔

(۲) اس قوت میں بوجہ مکمل ذہانت کے جو اس کا اصل جوہر تھا علم کا ظہور ہوا

(۳) علم اور ذہانت نے اسکی اس قوت کا اظہار کیا کہ یہ جو چاہے وہ کرے۔

(۴) اس کے بعد اس نے ارادہ کا ظہور کیا۔

(۵) جب مکمل طاقت میں ذہانت ۔ علم ۔ ہر بات کی قدرت اور ارادہ ظاہر ہوئے تو اس نے اپنے ایک بہت چھوٹے حصہ کو تجویز کیا کہ اس کو مختلف شکلوں میں ظاہر کروں۔

(۶) اس میں سے ایک حصہ کو معہ ان تمام صفات کے جو اس میں تھیں اور اس کا جوہر تھیں بدستور رکھا۔ اس کا نام اللہ کی روح ہے اور اس میں قدس کی صفت یعنی پاکی ہے اور تمام صفات جو اللہ تعالےٰ کی قرآن پاک میں ہیں جن کو اللہ کے نام اصطلاح میں کہتے ہیں وہ سب صفات اس میں ظاہر کر دیں۔ چونکہ جب تک تنہا تھا تو ان صفات کی ضرورت نہ تھی لیکن ارادہ مختلف شکلوں میں ظہور کا کیا تو ان صفات کا اظہار لازمی تھا۔

(۷) اس چھوٹے سے جزو میں سے جو نمبر ۵ پر ہے ایک جزو کو ملاء اعلےٰ کی شکل یعنی کام دیا۔ اس جزو کو وہ علم اور صفات نہیں دیں جو اس حصہ کو دی تھیں جس کو اللہ

کی روح کہا گیا ہے لیکن پھر بھی اطاعت فرمانبرداری پاکی جو کام ان کے سپرد ہے اس کو کرنے کے لیے ہر وقت مستعد اور اس قدر عقل کہ دوسری اور شکلوں سے جنکا ذکر نیچے آتا ہے کام لیں۔

(۸) ملاء اسفل یعنی وہ قوتیں جن کی ذریعہ سے کائنات کا ظہور کیا اور جو کائنات کے قائم رکھنے اس میں تغیر و تبدیلی کرنے میں کام آتی ہیں۔ ان کے سپرد جو کام ہے اس سے زیادہ ان کو علم نہیں۔

(۹) اللہ کی روح کو مختلف جسموں میں بھیجنے کی تجویز کی۔

(۱۰) ایک حصہ اس چھوٹے حصہ کا جس کا ذکر (۵) میں اوپر آیا ہے ایک شکل میں بنایا اور اس میں سے بجلی کی قوتیں ظاہر کیں۔

(۱۱) بجلی کی قوتوں سے ایک بہت بڑا نیبولا بنایا جو بشکل روشنی کے بادل کے تھا

(۱۲) دوسری قوتوں کے ذریعہ نیبولا کو چکر دیا اور اس کے ٹکڑے کئے۔

(۱۳) ہر ایک ٹکڑے میں سے ایک ایک عالم بنا جس کو Universe کہتے ہیں۔

(۱۴) جس عالم میں ہم رہتے ہیں جس میں بڑے بڑے ستارے ہیں اور جو کہکشاں کے ستاروں سے محیط ہے یہ اس نیبولا کا ٹکڑا ہے اور اس کے گھومنے سے اس کے ٹکڑے ہوئے جو ستارے ہیں اور سورج بھی ایک ستارہ ہے۔ سورج کے مادہ میں سے سیارے جس میں دنیا شامل ہے بنے اور دنیا میں سے حصہ ٹوٹ کر چاند بنا۔

اس تمام واقعہ کو سورۂ انبیاء کی آیت ۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے اور یہ بیان اب سے پورے چودہ سو سال قبل ہوا تھا جب کہ کسی دوسری

مذہبی کتاب میں اور نہ سائنس میں تھا۔ سائنس نے ترقی تو تین سو سال گزشتہ میں کی ہے۔ یہ آیت اور اس کے معنی پہلے دیئے جا چکے ہیں۔

(۱۵) سیاروں میں جاندار اشیاء پیدا کیں اور دنیا میں نباتات حیوانات بنائے کے بعد اللہ نے اپنا خلیفہ انسان پیدا کیا ہے جس کو ہر چیز پر حاکم مقرر کیا اس لیئے اپنی روح میں سے روح اس میں پھونک دی جس کی وجہ سے انسان میں وہ تمام صفات آگیئں جو خدا کی روح میں ہیں۔ جب یہ صفات آگیئں تو جملہ قسم کی قوتوں پر جن کو مذہبی زبان میں ملائکہ کہا ہے انسان کو حکمران بنایا اور جتنے جانور اور زمین۔ پہاڑ۔ درخت پانی وغیرہ دنیا میں ہیں سب اس کے ماتحت کر دیئے۔ سخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض جمیعاً منہ

(۱۶) انسان کا جسم مادہ کا ہے یعنی وہ مادہ جو بجلی کی قوتوں کی گردش کی وجہ سے ظہور میں آیا ہے اور اس کا ایک بڑا جزو مٹی ہے۔ لیکن روح نہ ملاء اعلےٰ نہ ملاء اسفل ہے نہ بجلی کی قوت بلکہ یہ ان سب سے بالاتر ہے جیسے اوپر بیان ہوا۔

(۱۷) مختلف قسم کی قوتیں ایک چیز کو فنا کر کے دوسری چیز بنائی ہیں یعنی اس کو بقاء میں لاتی ہیں۔

(۱۸) جس قدر چیزیں مادہ کی ہیں وہ بنتی بگڑتی رہتی ہیں۔ انسان بھی اس طریقہ سے جو سورۃ المومنوں آیت ۱۲ لغایت ۱۶ میں دیا ہے بنتا ہے اور جب اس طرح کیمیائی قوتیں اس کو بنا دیتی ہیں تب اللہ تعالےٰ اپنی روح اس میں پھونک دیتا ہے۔

(۱۹) مادہ کی ہر چیز اپنی میعاد پر ختم ہو جاتی ہے۔ انسان کے جسم کے پرزے بھی کچھ عرصہ میں خراب ہو جاتے ہیں اور مشین کام کرنا بند کر دیتی ہے اس وقت روح تو اپنے اصل کے پاس جاتی ہے اور جسم میں بجائے ان قوتوں کے جو اس کے اعضاء کو جوڑے ہیں دوسری مخالف قوتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ جو اعضاء کو منتشر کر دیتی ہیں اور جو ایٹم جڑ کر جسم بنتا ہے وہ ایٹم منتشر ہو جاتے ہیں

یہ سب مدارج ہم نے نزول کے بتاتے ان میں کسی قدر فرق ان مدارج سے ہے جو بعض لوگوں نے صوفیاء کرام سے سن کر لکھے ہیں۔ ہمارا نظریہ سائنٹیفک طریقہ سے آیات قرآنی کو ثابت کرنا ہے اسلئے اختلاف تھوڑا لازمی تھا۔ صوفیا کرام نے ایک چیز کو صحیح مان کر بغیر دلائل کے اس کی بناء پر فلسفہ بنایا جس میں زیادہ تر اشارہ ان کی روحانی ترقی میں جو مشاہدات ہوتے وہ ہیں لیکن سائنس کے طالب علم کو ہم اس طرح نہیں سمجھا سکتے لہذا یہ مدارج سائنٹیفک طریقہ پر قائم ہیں۔ اب ہم قرآن پاک کی چند آیات کا مطلب سمجھانا چاہتے ہیں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ نور کے معنی روشنی لے جاتے ہیں اور قرآن کی آیت سورۃ نور سے بھی ثابت ہے کہ روشنی ہی لی گئی ہے لیکن بعد میں اللہ تعالےٰ خود فرما دیتا ہے کہ یہ مثال کے طور پر سمجھایا گیا ہے۔ اگر آیات اور نور کی تفصیل کی جاتی تو وہ ہر زمانہ کے آدمیوں کے واسطے ہونی چاہیے تھی اور ایسی ہوتی جو ہر طبقہ کا آدمی سمجھ سکے اور معنے لگا لے اس لیے اسی قدر کافی تھا جو آیت میں ہے۔ اب بھی بعض لوگ جن کا علم کم ہے وہ اللہ کو مثل سورج کے مانتے

ہیں اور جیسے اس کی روشنی ہر طرف جاتی ہے اسی طرح اللہ کی روشنی ہر طرف جاتی ہے۔ جب ان سے دریافت کیا جائے کہ اللہ کی روشنی جو آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے آپ کو بھی نظر آنی چاہیے جیسا آپ کہتے ہیں کہ سورج کی روشنی پھیلتی ہے۔ اس پر وہ جانتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی جواب نہیں لیکن انہی میں سے بعض جو ذرا زیادہ عقل رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی علم کی روشنی ہے جو اس نے کائنات کو دے رکھی ہے۔ یہ جواب غالباً سب کے واسطے کافی نہ ہو چونکہ علم کی روشنی تو صرف چند سینوں میں ہے اور اللہ کی روشنی ہر ایک کے واسطے ہے۔ اس لئے ہم کو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تمام کائنات کا نور کس طرح سے ہے۔ روشنی کو ہم پہلے بتا چکے کہ ایک قوت ہے جس کے نکلنے سے ایتھر میں لہریں پیدا ہوتی ہیں اور وہ شعاعیں بطور روشنی کے ہم کو نظر آتی ہیں۔ ہماری آنکھ کی ساخت صرف مادہ کو دیکھنے کے واسطے بنائی گئی ہے۔ غیر مادہ چیز یعنی روح یا قوت کو ہمارے جسم کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ جب کسی مادہ کی چیز پر روشنی کی شعاع ٹکرا کر لوٹے اور وہ ہماری آنکھ میں آئے تو وہ چیز ہم کو نظر آتی ہے یعنی روشنی کی شعاع ہماری آنکھ کی پتلی میں ہو کر گزرنے کے بعد ریٹینا پر اثر پیدا کرتی ہے اور پھر اس کا احساس ہمارے دماغ میں ہوتا ہے۔ اگرچہ ہم بغیر شعاعوں کی لہروں کے روشنی نہیں دیکھ سکتے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ قوت جو ایتھر میں لہریں پیدا کرتی ہے وہ موجود نہیں ہے یا اس کی روشنی موجود نہیں۔ ہوا میں لہریں پیدا ہونے سے ہم آواز سنتے ہیں۔ آواز کوئی شے بجز ہوا کی لہروں کے نہیں اور جو لہریں پیدا ہوتی ہیں وہ ہوا کا اتار چڑھاؤ ہے جیسے کنکری پھینکنے سے پانی

میں لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ پانی وہیں اپنی جگہ موجود رہتا ہے کہیں جاتا نہیں لیکن اس میں، دنچ پنچ پیدا ہو جانے سے لہر معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ہوا کی لہروں سے آواز کانوں میں آتی ہے۔ اگر ہوا میں لہر اس قدر چھوٹی ہو کہ وہ ہمارے کان پر اثر نہ کرے جیسے کسی چھوٹے کیڑے کے رینگنے سے بہت چھوٹی لہریں پیدا ہوتی ہیں یا لہر اس قدر بڑی ہو جائے کہ وہ ہمارے کان کی زد سے باہر ہے تو یہ دونوں ہم کو سنائی نہیں دیتیں۔ اسی طرح وہ شعائیں جو بہت چھوٹی ہیں جن کو ایکس رے x Ray یا انفرا رڈ infrared کہتے ہیں وہ ہم کو نظر نہیں آتیں جس طرح پانی یا ہوا میں لہر نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ پانی اور ہوا نہیں ہیں اسی طرح جس قوت میں موج پیدا ہونے سے روشنی کی شعاعیں ہماری آنکھ تک پہنچتی ہیں اور جو قوت کہ اس قوت میں لہریں اپنی طاقت سے پیدا کرتی ہے موجود ہیں خواہ لہریں اس پیمانہ کی ہیں کہ ہماری آنکھ میں گھسیں یا باہر رہیں بہت قسم کی شعاعوں کو ہماری آنکھ نہیں دیکھ سکتی لیکن وہ موجود ہیں اور ان سے روشنی ہوتی ہے جیسے ہمارے جسم کے آر پار x Ray نکل کر فوٹو کی پلیٹ پر اثر کرتی کسی کمرہ میں روشنی ہو اور آنکھ بند کر لی جائے تو بھی آنکھ میں کچھ شعائیں آنکھ کے غلاف میں سے ہو کر پہنچتی ہیں اور نیند میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ جب دنیا کا ایک حصہ سورج کی طرف ہوتا ہے تو اس حصہ پر روشنی ہوتی ہے یہاں تک کہ اس سمت میں آسمان پر بھی روشنی سورج کی اس قدر ہوتی ہے کہ ہم ستاروں کو نہیں دیکھ سکتے چونکہ ہماری آنکھوں کے اور آسمان کے درمیان سورج کی شعائیں ہوتی ہیں اور ان کی وجہ سے ہم کو ستارے نظر نہیں آتے لیکن جب یہ حصہ

سورج سے دوسری سمت ہو جاتا ہے تو ہم کو ستارے نظر آنے لگتے ہیں۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے سورج کی شعاعیں نہیں ہوتیں حالانکہ سورج بہت بڑا ہے اور آسمان کے اس حصہ پر جو ہم کو رات کو نظر آتا ہے شعاعیں جاتی ہیں اور سیاروں اور چاند پر پڑ کر ہم تک واپس آتی ہیں اس لئے ہم ان کو دیکھتے ہیں لیکن جب وہ کسی چیز پر پڑ کر واپس نہ لوٹیں تو وہ اندھیرے ہیں غائب ہو جاتی ہیں اور صرف نیلی شعاعیں سورج کی روشنی کی وہاں تک پہنچ کر ہم کو نیلا نیلا نظر آتا ہے جو درحقیقت سورج کی نیلی شعاعیں ہیں۔ ہر شخص کے تجربہ میں یہ آتا ہے کہ اگر وہ کسی کمرہ میں اندھیرے کی طرف پیٹھ کرے اور دروازہ کی طرف جس میں سے دن کی تیز روشنی آتی ہو منہ کرے اور اس دروازہ میں کوئی آدمی داخل ہو تو داخل ہونے والے کا چہرہ اس آدمی کو صاف نظر نہیں آئے گا جو پہلے سے بیٹھا ہے۔ اگر دروازہ پر پردہ ڈال دیا جائے تو باوجود روشنی کم ہو جانے کے آدمی کا جو داخل ہوا چہرہ صاف نظر آئے گا۔ اسی طرح اگر ایک آدمی کا منہ بجلی کی روشنی کی طرف ہے اور دوسرے کی پیٹھ۔ تو جس کی پیٹھ روشنی کی طرف ہے اس کا چہرہ وہ نہیں دیکھ سکتا جس کا منہ روشنی کی طرف ہے۔ لہٰذا ہماری آنکھ کسی چیز کو اس وقت تک نہیں دیکھتی جب تک کے روشنی اس چیز پر پڑ کر ہماری آنکھ میں واپس نہ آئے۔ اوپر کی دونوں مثالوں میں حالانکہ روشنی اسی قدر موجود تھی لیکن ایک شخص دوسرے کے چہرہ کو دیکھ سکتا تھا لیکن دوسرا پہلے کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔

سورۃ نور کی آیت ۳۵ بہت معنٰے سے بھری ہے اس کی تفسیر تو کتابوں میں پوری نہیں لکھی جا سکتی۔ امام غزالی رحمت اللہ علیہ نے اپنی کتاب مشکوٰۃ الانوار

میں صوفیانہ اعتقاد سے اس کی تشریح کی ہے اور نور۔ طاق۔ چراغ وغیرہ کی تشریح ان خفیہ معنی کو جو ان میں پنہاں ہیں ظاہر کر کے کی ہے۔ ہم چونکہ سائنٹیفک طریقہ سے ثابت کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہمارے استدلال جدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نور کو سمجھانے کے واسطے مثال دی ہے کہ جیسے طاق میں ایک لمپ ہو جو بغیر تیل کے اور بغیر آگ کے جلتا ہو اور اس طاق کے منہ پر ایک چمکدار آئینہ ہو جس میں روشنی بھی بغیر تیل کے ہو اور اس کی چمک مثل چمکدار ستارہ کے ہو۔ پھر فرماتا ہے۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَهْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اس طرح روشنی پر روشنی اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اس کو اس روشنی سے مستفید کرے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ جس قدر بھی ستارے یا نیبولا ہیں وہ سب روشن ہیں اور ان میں روشنی خود بخود ہے یعنی وہ تیل بتی سے جلا کر روشن نہیں کئے گئے یہ مثل بجلی کے بلب کے روشن ہیں اور قرآن پاک میں بجلی کے بلب کا خاکہ اس آیت میں کھینچ دیا ہے حالانکہ اس زمانہ میں کون یہ جانتا تھا اور رسول اللہ جس ملک میں رہتے تھے وہ تو علوم میں بالکل ہی گرا ہوا تھا۔

آگے چل کر آیت ۴۰ میں اندھیرے کا ذکر ہے کہ جیسے سمندر کے اندر ہوتا ہے۔ اگرچہ قرآن پاک کو بھی نور کہا گیا ہے سورۃ النساء آیت ۱۷۴۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۔ ہم نے تمہارے لئے نور (قرآن) بھیجا ہے جو ظاہر ہے۔ لہٰذا علم کی روشنی بھی ایک قسم کی روشنی ہے جو انسان کے دل و دماغ کو روشن کرتی ہے اور عالم آدمی اپنے علم کی روشنی میں وہ باتیں دیکھتا ہے جو جاہل کا دماغ نہیں دیکھ سکتا۔ جہاں کوئی چیز ہو گی تو روشنی ضرور ہو گی عدم وجود کا

اندھیرا بہت گھرا اندھیرا ہے۔ جب کوئی شے نہ ہوگی تو نہ اس میں خود روشنی ہو سکتی ہے نہ کسی اور کی روشنی پڑ کر واپس آ سکتی ہے۔ جتنے نیبولا اور جتنے ستارے ہیں ان سب میں روشنی اس قوت کی وجہ سے ہے جو ان کے مادہ کے سکڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جب مادہ سکڑتا ہے تو حدت پیدا ہوتی ہے اور حدت کا ظہور روشنی میں ہوتا ہے۔ دنیا میں بھی جس قدر ایٹم ہیں ان کے پھٹنے سے روشنی پیدا ہوتی ہے اور ہر چیز کے جلنے سے روشنی پیدا ہوتی ہے لہذا ہر چیز کی ساخت میں جو قوت پنہاں ہے وہ درحقیقت روشنی ہے۔ لہذا دنیا اور دنیا سے اوپر ہر سمت جو کچھ ہے اس کے اندر جو طاقت پنہاں ہے وہ سب اللہ ہی کی طاقت ہے یعنی اللہ ہے لہذا اس آیت سے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے مطلب یہ ہے کہ جو کچھ طاقت انرجی کائنات میں ہے خواہ وہ بشکل مادہ کے ظہور میں آرہی ہے خواہ وہ ظاہر نہیں ہوتی ہماری آنکھوں سے پنہاں ہے وہ سب اللہ ہے۔ اس قوت کا اندازہ انسان بمشکل سے کر سکتا ہے۔ ڈھائی تولہ کوئلہ کے اگر ایٹم توڑے جائیں تو اس میں سے اس قدر قوت یعنی انرجی نکلتی ہے کہ بڑے سے بڑے جہاز کو پندرہ بیس ہزار میل لے جاتے۔ ایک گرین ریڈیم میں سے پروٹون اور الکٹرون اس قوت سے خارج ہوتے ہیں کہ آدمی کو مار دیں۔ یہ قوت جو تمام کائنات میں موجود ہے اس کے آگے انسان کیا چیز ہے۔ لہذا جس قدر انرجی ایٹموں میں تمام کائنات میں ہے اور وہ روحیں اور قوتیں جو ایٹم میں نہیں ہیں اس سے باہر ہیں یہ سب اللہ کا جز ہیں اور کل قوت مل کر اللہ ہے اور اس کا اظہار وہ روشنی سے کرتا ہے۔ روشنی کے کوئی جسامت نہیں وہ تو

قوت کے ایٹم میں دھکا لگنے سے جو موجیں پیدا ہوتی ہیں ان کا اثر ہمارے دماغ پر بذریعہ آنکھ ہوتا ہے۔ ہم کو اپنی ساخت سمجھے بغیر اللہ کا علم نہیں ہو سکتا اور اس لئے رسول نے فرمایا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

لہذا ہماری ساخت ایٹموں سے ہے اور ایٹموں میں بجلی کی قوت پنہاں ہے اور بجلی کا ظہور روشنی سے ہوتا ہے۔ لہذا تمام نیبولا۔ ستارے۔ سیارے۔ میں جو روشنی ہے وہ مثل اس شیشہ کے ہے جو چمک دار لیمپ کے اوپر کہا گیا ہے اور اس کے اندر ایک بڑا اصل ذخیرہ روشنی کا ہے اور یہ سب روشنی یعنی اس ذخیرہ کی اور ستاروں اور نیبولا کی ملا کر خدا ہے اس میں وہ روشنی بھی ارواحوں و ملائکہ کی شامل ہے جو ہماری آنکھ میں نہیں آتی حالانکہ موجود ہے جیسا اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

اس آیت کے معنی ہیں کہ اللہ تعالے وہ ہے جو تمام کائنات کی قوت ہے اور کائنات اس کے ایک جزو کا ظہور ہے باقی قوت کا ظہور نہیں ہے لیکن وہ موجود اور سب پر حاوی ہے۔

رسول اللہ کی حدیث۔ ان اللہ سبعون الف حجاب من نورین وظلمت

یعنی ہمارے اور اللہ کے درمیان ستر ہزار پردے روشنی اور اندھیرے کے ہیں ستر ہزار سے مطلب معین تعداد نہیں بلکہ مطلب ہے لاتعداد حجاب ہیں۔ اللہ چونکہ نور یعنی قوت ہے اور ہم مادہ کی شکل میں ہیں لہذا ہماری مادیت اور اس قوت کے درمیان جس سے مادہ بنا لاتعداد مدارج ہیں اور ہم اللہ کو دیکھ نہیں سکتے چونکہ قوت کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی اس لئے سورۃ الانعام آیت ۱۰۳۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ

الخَبِیرُ ۝

اُس کو نگاہ نہیں دیکھ سکتی لیکن وہ نگاہ کو دیکھتا ہے۔ وہ خیال سے بالاتر ہے۔
لیکن ہر چیز سے باخبر ہے۔

سورۃ الاعراف آیت ۷ ۔ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ "ہم کبھی کسی جگہ
سے غیر موجود نہیں ہوتے"۔

یعنی اللہ ہر جگہ موجود بذات ہے اور اس کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی چونکہ ہماری آنکھ کے اور اس کی ذات کے درمیان لاتعداد پردے حائل ہیں۔ لہذا یہ قوت جس کا ظہور بعض وقت روشنی سے انسان کے لئے ہوتا ہے اور کل کائنات کے مادہ کا جز اس کا جزو ہے روشنی سے ہو رہا ہے جیسا اوپر بیان ہوا ہے۔ ہر جگہ موجود ہے اور ہمیشہ سے ہر جگہ موجود تھی اور اس کا علم جس کو چاہے اللہ تعالےٰ دیدے جیسے علم کی روشنی قرآن پاک کے ذریعہ پہنچائے سورۃ الانفعال - آیت ۲۴ -
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ "اور جانو کہ
اللہ آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان میں ہے"۔

سورۃ لقمٰن - آیت ۳۰ - إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ - بے شک اللہ اصلیت ہے - اور باقی جو کچھ ہے وہ اصل نہیں یعنی غیر اصل عارضی - سورۃ الرحمٰن - آیات ۲۶ و ۲۷
كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ "ہر چیز فنا ہو جائے گی سوائے تیرے رب کے چہرہ کے (یعنی خود رب کے) جو ہمیشہ باقی رہیگا"
سورۃ القصص - آیت ۸۸ - كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ "ہر چیز
سوائے اللہ کے چہرہ کے ہلاک ہوگی۔ چہرہ سے مطلب اصل حالت اللہ کی

ہمیشہ رہے گی اور ظہور سب ختم ہو جائے گا۔

ان آیات کے معنی سمجھنے کے بعد ہمارے اوپر اس آیت کا مطلب روشن ہو جاتا ہے جو سارے فلسفہ کی بنیاد ہے۔ پیشتر اس کی تشریح کریں کی اس قدر تشریح ضروری ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ سب تنزولات جو اوپر بیان ہوئے ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے اور اللہ تعالےٰ پھر اپنی اس اصل صورت میں باقی رہ جائے گا جو اس کی شروع میں تھی اور کوئی نزول نہیں ہوا تھا۔ اس وقت موت بھی فنا ہو جائے گی اور اللہ تعالےٰ کی صفات کا ظہور بھی ختم ہو جائے گا۔ جب کوئی چیز نہ رہے گی تو اللہ تعالےٰ کس پر رحم و کرم کرے گا اور کس پر غصہ نکالے گا اور کس کو جنت اور دوزخ میں ڈالے گا اور جنت اور دوزخ ہی باقی نہ ہوں گی تو ان میں کیا ڈالا جائیگا۔ اللہ کی وہ صفات جو اس کا جوہر ہیں یعنی اس میں قدرت کاملہ اور کامل علم اور عقل اس کے اندر باقی رہیں گے تاکہ اگر وہ چاہے تو دوبارہ نزول کرے۔ لیکن روحیں۔ فرشتے۔ قوتیں۔ مادہ سب ختم ہو جائیں گے معہ جنت اور دوزخ کے۔ سوائے اصل جنت کے جو تمام ارواحوں اور قوتوں کو حاصل ہوگی کہ وہ اپنے اصل میں مل جائیں۔

اصل میں مل جانا جنت اور اصل سے علیحدگی دوزخ ہے چونکہ علیحدگی بطور سزا کے ہے اور اس علیحدگی سے زیادہ کوئی سزا نہیں چونکہ جس کو یہ علیحدگی کی سزا ملے گی وہ جانے گا کہ مجھ میں میری غلطی کی وجہ سے کثافت آگئی اور اس لئے مجھ کو اصل سے جو پاک و صاف ہے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔

ساری بجلی کی قوت ختم ہو کر وہ ایک شکل اختیار کرے گی اور سب ایٹم

ختم ہوں گے یعنی مادہ ختم ہو گا۔ پھر یہ قوت اور دوسری قوتیں سب ایک اصل قوت میں مل جائیں گی۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

لہذا اول بھی اللہ تھا اور آخر میں بھی صرف وہی رہ جائے گا اور جو کچھ ظہور ہے وہ بھی وہی ہے اور جو کچھ قوتیں اور روحیں ہیں جو ظاہر نہیں ہیں اور اس لئے آنکھ سے پوشیدہ ہیں وہ بھی وہی ہے اور چونکہ یہ سب اس کے جزو ہیں اس لئے اس کو ہر چیز کا علم ہے

اسلام کے اور قرآن کے مطابق خدا کا تخیل یہ ہے کہ وہ اللہ لاتعداد قوت ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہے گی اور ہر جگہ موجود ہے اور وہاں بھی ہے جہاں جگہ کا تعین نہیں ہے یعنی اس کائنات سے باہر بھی جو لامکانیت ہے وہاں بھی اس کا وجود موجود ہے اور اس کا علم لامحدود ہے۔ اس کی طاقت لامحدود ہے۔ کل اشیاء اور روحیں اور قوتیں جو اس کائنات میں ہیں وہ اس کا جزو اور ظہور ہیں کوئی شے اللہ سے باہر نہیں اگر باہر ہوتی تو اللہ کی حد قائم ہو جاتی ہے لیکن اسلام میں وہ لاامکان ہے۔ اسلام کا تخیل اس سے بہت بالاتر ہے جو ان لوگوں کا ہے جن کو نیچری کہا جاتا ہے چونکہ نیچر تو اس کائنات کی حدود میں ہے اور نیچر ان قوتوں کو کہتے ہیں جو اس کائنات میں ردوبدل کرنے کے کام آتی ہیں اور کائنات کو قائم رکھتی ہیں لیکن یہ قوتیں اللہ کا

بہت چھوٹا جز ہیں۔ کائنات کی حد ہے اور کائنات سے باہر جو خلا سمجھا جاتا ہے وہ لاتعداد ہے جس کے اندر یہ کائنات چکر لگاتی ہے جس کیلئے قرآن پاک میں آیا ہے کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ لیکن چکر لگانے والی چیزیں بھی محدود اور جس دائرہ میں چکر لگاتی ہیں وہ بھی محدود ہے جتنا کہ وہ نیبولا جہاں سے ۰۰ہا کروڑ سال میں روشنی آتی ہے وہ بھی محدود اس کا فاصلہ بھی محدود جس حصہ فلک میں وہ چکر لگاتا ہے وہ بھی محدود لیکن ان سب حدوود سے باہر بھی لامحدود اللہ کا وجود موجود۔ Pantheists جو کل کائنات اور اسکی قوتوں کو ملا کر خدا مانتے ہیں وہی نیچری ہیں۔ یہ خدا کے ایک مظاہرہ کو خدا مانتے ہیں اسلام کا خدا اس ظہور سے جو کائنات کی حدود میں ہے بہت زیادہ ہے۔ امیر خسرو کا خیال ان کے اس شعر سے معلوم ہو گیا جو ان صوفیا کا بھی ہے جو ہمہ اوست کہتے ہیں۔

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

اللہ کے لئے لامکانیت یعنی لامحدودی اسلام کا تخیل ہے اس لئے وہ باطن بھی ہے یعنی ظاہرا کائنات کی حدود سے باہر جو علاقہ باطن ہے وہ بھی وہی ہے۔ ہمہ اوست سے مطلب یہ نہیں کہ جو کچھ کائنات ہے وہ خدا ہے جیسے نیچریوں کا خیال۔ اور شخص اکبر بھی خدا نہیں ہے بلکہ شخص اکبر کا تخیل بھی اللہ کو محدود کرتا ہے۔ اس لئے صوفیاء کرام نے لفظ ہمہ اوست استعمال کیا جس کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس میں حدود قائم نہیں ہوتے

اور لفظ ہمہ اوست میں "والظاھر والباطن" آجاتے ہیں۔ قرآن پاک کی آیات کو جن میں انسان کے اندر روح پھونکنا آیا ہے غور سے پڑھنا اور سمجھنا چاہیے۔ "نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي" پھونک دی اس میں ہم نے اپنی روح میں سے روح۔ ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اللہ کی روح میں اور اللہ میں کوئی فرق ضرور ہے اور یہی لفظ متعدد سورتوں میں استعمال ہوا ہے اس لیئے یہ ماننا پڑے گا کہ ان الفاظ میں خاص اہمیت ہے۔ اللہ تعالے یہ نہیں کہتا کہ ہم انسان کے جسم میں خود آ گئے بلکہ لفظ ہیں کہ ہم نے اپنی روح میں سے روح پھونک دی لہذا اللہ کی روح اللہ کا جزو ہوا جب ہی تو اللہ نے اس میں سے ایک جزو انسان میں پھونک دیا۔ انسان کی روح بھی انسان کا ایک جزو ہے یعنی جسم اور روح مل کر انسان ہے ورنہ جب تک دونوں چیزیں یکجا نہ ہوں اس وقت تک انسان نہیں ہوتا۔ لہذا اللہ کی روح جس میں سے انسان کی روح آئی وہ اللہ کا اسی طرح جزو ہے جیسا کہ انسانی روح انسان کا۔ اس لیئے اسلام کا تخیل اللہ کا بہت بلند ہے اور اللہ کو تمام حدود مکانیت و وقت سے بالاتر کرتا ہے۔ اس کی کوئی انتہا نہیں نہ کوئی ابتدا۔ اسلام کا تخیل اللہ کا یہ نہیں ہے کہ اس کی ذات تو محدود کسی جگہ ہے یا آسمان پر ہے لیکن اس کا علم اور قوت لامحدود ہے۔ یہ خیالات دوسرے مذاہب کے ہیں اور اگر کسی مسلمان میں یہ آئے ہوں تو وہ دوسرے مذاہب کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ اسلام کا اللہ وہ اللہ ہے جس کی ذات لامحدود۔ قوت لامحدود۔ علم لامحدود۔ اور یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور جو کچھ کائنات ہے یہ اس کا ظہور ہے

اور سب کائنات ختم ہو کر اس کا ظہور ختم ہو جائے گا اور پھر وہ ویسا ہی ہو گا جیسا ظہور سے قبل تھا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون کیا مطلب ہے

جب کوئی مرتا ہے تو مسلمان کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ جو قرآن کے الفاظ ہیں بے شک ہر چیز اللہ سے آئی اور اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جائے گی۔ یعنی ہر چیز درحقیقت اللہ کا مظاہرا ہے اور ختم ہونے پر اللہ میں پھر مل جاتا ہے یعنی ظہور ختم جس طرح پانی کا بلبلا پانی ہے اگرچہ اس کی شکل ہوا بھرنے سے تبدیل ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ مثال غلط ہے چونکہ بلبلے میں علاوہ پانی کے ہوا بھی ہوتی ہے اور کائنات میں سوائے اللہ کے کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے وہ اللہ کا ظہور ہے۔ بلبلہ سے ہوا نکلتی ہے تو وہ پھر پانی ہو جاتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پہلے خلا تھا اور بعد میں اس میں ایک قوت بھر گئی اور اس قوت سے اور اور چیزیں پیدا ہوئیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ سب خیالات اسلام کے خلاف ہیں۔ اسلام میں اَللّٰہُ الصَّمَدُ ہے اور صمد کے واسطے ہمیشگی لازمی ہے اور خدا کسی چیز یعنی خلا میں سے نہیں پیدا ہوا۔

اس خیال کو کہ یہ دنیا اور مادہ ہمیشہ سے ہے ایٹم کی ایجاد نے پاش پاش کر دیا چونکہ کل مادہ بجلی کی قوتوں کی تیز گردش کا ظہور ہے۔ اس کی اصلیت سوائے اس کے کچھ نہیں۔ اس لئے نہ اس میں اصلیت نہ ہمیشگی جو اللہ کی

صفات ذات ہیں۔ اور ایٹم کی ساخت سے ظاہر ہو گیا کہ کل کائنات کا مادہ سوائے بجلی کی قوتوں کے کچھ نہیں اور یہ بجلی ایک قوت ہے جو کسی بڑی قوت کا ظہور ہے بسبب ظہور کے ختم ہونے کا وقت ضرور آئے گا اور اس وقت صرف وہ اصل قوت باقی رہ جائے گی جس میں سے یہ سب ظاہر ہوا اور یہی معنے ہیں اس آیت کے کل شئ ھالک الا وجھہ کے۔

ابلیس۔ شیطان اور جن کیا ہیں

شیطان اور جن کو قرآن پاک کی آیتوں کے تحت سمجھنے کے لئے ان آیتوں کو جہاں شیطان اور جن کا تذکرہ اس طرح ہے کہ وہ کیا ہیں سمجھنا ضروری ہے پیشتر اس کے کہ ان آیات کو دیا جائے یہ دیکھنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلعم سے قبل دیگر مذاہب میں شیطان کا اور جنات کا کیا خیال تھا اور اس زمانہ کے آدمی ان الفاظ سے کیا سمجھتے تھے۔

ایران میں تو کائنات کے دو اصول تھے اور دونوں ایک دوسرے کے مخالف۔ ایک اصول یعنی قوت وہ تھی جو ہر اچھے کام کی ترغیب دیتی تھی اور خود سب بھلے کام کرتی تھی اس کا نام اُرمزد تھا اور دوسری قوت جو تمام برے کام کرتی اور برائی کی طرف رغبت دلاتی وہ اہرمن تھی ارمزد کائنات بنانے والی اور جان دینے والی بھی قوت تھی اس لئے اس کو روشنی سے تشبیہ دی جاتی تھی اور چونکہ روشنی کا ساتھ حدت سے ہے لہذا آگ سے تشبیہ دی جاتی تھی اور حدت چونکہ دنیا کو سورج سے پہنچتی ہے لہذا سورج تمام زندگی اور

خوبیوں کا باعث اور دیوتا تھا۔ روشنی کی عدم موجودگی سے اندھیرا اور سردی ہوتی ہے لہٰذا اہرمن اندھیرا سردی جو ہر برائی کی طرف ترغیب دے اور جان کو ضائع کرے لہٰذا روشنی زندگی اور اندھیرا موت تھا۔ جب روشنی نہ ہو تو اندھیرا ہوتا ہے اور اس کی حکومت ہوتی ہے لہٰذا ان دونوں اصولوں میں ضد تھی ایک اچھائی کی طرف اور دوسرا برائی کی طرف مائل کرتا تھا۔ ہم مجوسی اور زردشتی مذہب کے بقیہ اصولوں میں اس وقت نہیں جاتے چونکہ اس وقت صرف شیطان پر تبصرہ ہے۔ سمیر اور اکاد جو قومیں عراق میں قدیم زمانہ میں آباد تھیں ان میں بھی یہی خیال تھا اگرچہ نام جدا تھے۔ وہ بھی سورج کی قوت کو بڑھتے اور گھٹتے دیکھ کر اس سے یہی مطلب لیتے تھے جو مجوسیوں میں ہو گیا تھا۔ یہودیوں میں بھی بری ترغیب دینے والی قوت کو شیطان کہتے تھے اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کو بھی شیطان نے لالچ دینا چاہا۔ عراق کی پرانی قومیں جن کا اوپر تذکرہ ہوا جن۔ بھوت۔ پلیت اور بری ارواحوں کی قائل تھیں اور انسان کو جس قدر نقصانات اور بیماریاں ہوتیں وہ سب بری ارواحوں کی وجہ سے ہوتی تھیں۔ بادسموم کو بھی وہ بری ارواح میں سمجھتے تھے۔ چونکہ اس ہوا سے کھیتی کو نقصان ہوتا تھا۔ ان لوگوں میں طبابت نہیں تھی بلکہ جب کوئی بیمار ہوتا تھا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ کسی بری روح نے اس کو گھیر لیا ہے اور اس روح کو اگر بھگا دیا جائے تو آدمی اچھا ہو جائے ورنہ وہ روح آدمی کی جان لے لیتی ہے۔ اس لئے بجائے طبیبوں کے ان میں سیانے ہوتے تھے جو بری روح کو بھگاتے تھے اور اکثر جانور کو گرد گھما

کر بری روح بیمار پر سے اس جانور پر اتارتے تھے اور جب جانور کو بیمار کے گرد گھمانے یا بری روح کو بھگاتے تو کچھ منتر پڑھتے جاتے تھے۔ عراق میں پرانے مقامات کی کھدائی ہوئی اس میں سے یہ تصاویر بھوتوں کی نکلی ہیں اور منتر اور تعویذ نکلے ہیں۔ کہنے کو تو یہ اعتقادات اسلام سے قبل ختم ہو گئے تھے لیکن کچھ حصہ آبادی میں قائم تھے اور جو لوگ عراق کے مسلمان ہوئے ان میں وہ سیانے بھی جو یہ حرکتیں کرتے تھے ساتھ ساتھ ظاہری مسلمان ہوئے لیکن وہ اپنے ذریعہ کمائی کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ چونکہ جاہل مسلمان ان پر یقین رکھتے تھے اس لئے اپنی تجارت جاری رکھنے کے لئے انہوں نے منتروں کے الفاظ بدل دیئے مگر خیالات وہی رکھے۔ تعویذ کسی آیت کے اعداد و حروف جادی کے حساب سے نکال کر اس کے بنائے اور کہہ دیا کہ قرآن کی آیتوں میں بڑا اثر ہے اور ان کا وظیفہ وہ پڑھتے ہیں۔ جب آدمی بیمار ہوتا تو اس پر سے بکرا صدقہ کا اتار کر اس کے گوشت اور پوست کو یہ وظیفہ دان لیتے۔ جب تعویذ لکھا جاتا تو سفید مرغے کے خون سے اس میں زعفران ملا کر لکھا جاتا اور مرغے کا پلاؤ پکا کر اس پر نیاز کسی شہید کی دی جاتی۔ ہندوستان میں ماتا یعنی چیچک کی پوجا ہوتی تھی اور برہمن تھالی بجا کر ماتا کو خوش کرتا تھا اور بکرا بھینٹ چڑھایا جاتا تھا جو مسلمان ہندوں سے مسلمان ہوئے ان میں یہ اعتقاد پشتوں رہا غرض کہ دغابازوں نے اپنے حلوہ مانڈے کی غرض سے اسلام کو خوب بگاڑا اور اب تک یہ دغاباز گروہ بیوقوفوں کو طرح طرح ان کے اعتقادات پر غلط اثر ڈال کر ٹھگ رہا ہے۔ اسی گروہ میں ایک گروہ نوٹوں کے دو نوٹ بنانے والا ہے اور طرح طرح کی ایجادات موقع کے لحاظ

سے کرتا ہے۔ اصلیت اس کی عراق سے شروع ہوئی جہاں یہ مذہب تھا۔ اسلام نے اس مذہب کا خاتمہ کیا مگر دغاباز گروہ نے خفیہ راستہ سے مسلمانوں میں دخل حاصل کیا۔ جو طبقہ قرآن کو نہ سمجھتا تھا وہ قرآن کی آیتوں سے چھومنتر کا قائل ہوا اور ان کی وجہ سے جاہل طبقہ پورا الیقین کرنے لگا اور نتیجہ میں وہی ہوا کہ بری روح بصورت بیماری آنے لگی اور کسی چھوٹی سی مسجد میں بیٹھا ہوا ایک شخص تعویذ سے اپنے وظیفہ سے اور بکرے اور مرغے کے صدقہ سے اس بھتنے کو بھگانے لگا جو بطور بیماری آدمی پر سوار ہو گیا ہے۔ یہ چالاک گروہ طرح طرح کا پروپیگنڈا کر کے جاہلوں کو اور زیادہ جاہل رکھنا چاہتا ہے۔ علوم جدیدہ کا سخت مخالف ہے چونکہ وہاں پول کھلتی ہے۔ قرآن کو بامعنی نہیں پڑھنے دیتا کہ کہیں مسلمان اللہ کے احکامات سے واقف ہو کر اس کی تجارت میں حائل نہ ہوں۔

غرض کہ بھوت پلیت تو عرصہ سے چالاک دغابازوں نے مسلمانوں میں لاموجود کئے تھے کچھ لوگ جو طرح طرح کے بولی بولنا جانتے ہیں اور جانوروں اور ریلوے اسٹیشن پر جو بیک وقت مختلف لوگ بولتے ہیں ان کے بولنے کی مشق کر لی تھی انہوں نے غریب جاہل آدمیوں پر قرآن پاک میں چونکہ جن ایک مخلوق ہے اسکا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ اثر جما دیا کہ وہ جنات کو بلا دیتے ہیں اور ان سے باتیں کرتے ہیں۔ یہ باتیں اندھیرے میں ہوتی ہیں اور جن جو ان کے پاس آتا ہے اس کا نام یعقوب ہے اور وہ سریانی زبان بولتا ہے۔ چونکہ جاہل لوگ سریانی نہیں جانتے اس لئے یہ دغاباز لوگ اپنی مشق سے طرح طرح کی آوازیں نکالتے ہیں اور جاہل غریب سیدھے مسلمانوں کو خوب ٹھگتے ہیں۔ کم تعلیم یافتہ آدمی زیادہ جلد قابو

ہیں آتا ہے چونکہ وہ تو قرآن میں لفظ جن پڑھ چکا ہوتا ہے اور انسان کے ساتھ ساتھ قرآن پاک میں لفظ جن متعدد جگہ موجود ہے اور ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ یعنی جن کو بھی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے تو پھر کیوں نہ اعتبار کیا جائے۔ یہ کم تعلیم یافتہ طبقہ خود بھی شکار ہوتا ہے اور جاہل طبقہ کو اپنے پروپیگنڈہ سے شکار کراتا ہے۔

یہ تمہید اس لئے ضروری تھی کہ پڑھنے والے یہ سمجھ لیں کہ مسلمان کہاں کہاں سے طرح طرح کے خیالات لائے اور ان سب کا مل کر مجموعی اثر مسلمانوں پر کیا پڑا اور ان کی روزمرہ کی زندگی میں ان خیالات نے اسلام کے خلاف کیا عمل سکھائے۔

سورۃ البقر کی وہ تمام آیات پہلے دی جا چکیں جس میں انسان کی تخلیق۔ فرشتوں کی تابعداری اور ابلیس کی نافرمانی کا ذکر ہے۔ ان آیات سے ثابت ہے کہ ابلیس بھی ملائکہ میں سے ایک تھا۔ چونکہ اللہ تعالٰے نے سب ملائکہ کو حکم دیا تھا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں یعنی آدم کی فرمانبرداری قبول کریں۔ اور سب ملائکہ نے تو حکم کی تعمیل کی لیکن ابلیس نے نہیں کی۔ اور بجائے تابعداری کے الٹا آدم کو بہکا کر جنت کے آرام سے نکلوا دیا۔ سورۃ الحجر ایۃ ۲۷۔ وَالْجَانَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ

اور جنوں کو ہم نے انسان سے پہلے باد سموم کی تپش سے پیدا کیا

سورۃ الکھف۔ ۵۰۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ

ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سب نے کیا سوائے ابلیس کے۔ بے شک وہ جنوں میں سے تھا اور اس نے اپنے رب کا حکم توڑا۔

سورۃ ص -۷۴- اِلَّآ اِبلِیسَ ط اِستَکبَرَ وَکَانَ مِنَ الکَافِرِینَ -

ابلیس مغرور تھا اور وہ کافروں میں سے تھا۔

" -۷۶- خَلَقتَنِی مِن نَّارٍ وَّخَلَقتَهٗ مِن طِینٍ

تو نے مجھ کو (ابلیس کو) آگ سے پیدا کیا ہے اور انسان کو مٹی سے

سورۃ النسآء -۱۱۷- شَیطَانًا مَّرِیدًا

شیطان جو ہمیشہ کا باغی ہے۔

سورۃ الاعراف -۱۳- قَالَ فَاهبِط مِنهَا فَمَا یَکُونُ لَكَ اَن تَتَکَبَّرَ فِیهَا فَاخرُج اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِینَ

اللہ نے کہا یہاں سے جاتو یہاں تکبر نہیں کر سکتا اور نکل جا تو سب سے زیادہ ذلیل ہے۔

سورۃ طٰہٰ -۱۱۷- فَقُلنَا یٰاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوجِكَ

اللہ نے کہا اے آدم یہ شیطان تیرا اور تیری زوجہ کا دشمن ہے۔

" -۱۲۰- فَوَسوَسَ اِلَیهِ الشَّیطٰنُ

پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسے ڈالے

النسآء -۱۱۷- لَعَنَهُ اللّٰهُ -

اس پر اللہ کی پھٹکار ہو۔

البقرہ -۲۶۸- اَلشَّیطٰنُ یَعِدُکُمُ الفَقرَ وَیَامُرُکُم بِالفَحشَآءِ وَاللّٰهُ

يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا ط وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ٥

شیطان تم کو افلاس سے ڈراتا ہے اور فحش کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔
اور اللہ تم کو مغفرۃ کا اور اپنی نعمتوں کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ ہر جگہ موجود اور
سب کی خبر لینے والا ہے۔

سورۃ الاعراف ۱۴۔ ۱۷۔ شیطان نے اللہ سے کہا کہ مجھ کو قیامت تک کی
مہلت دے۔ میں ان پر آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے حملہ
کروں گا اور تو ان میں سے بہتوں کو ناشکرا پائے گا۔

" ۔ ۱۸۔ شیطان ان کے دل میں وسوسے ڈالنے لگا اور ان پر ان کا ستر
(شرم گاہ) ظاہر کرنے لگا جو ان سے چھپی تھی۔

ان تمام آیات کے پڑھنے سے معلوم ہو گا کہ ابلیس ملائکہ میں سے ایک
تھا چونکہ سب ملائکہ نے آدم کی اطاعت قبول کی سوائے اس کے۔ اور وہ
ایک جن تھا چونکہ اس نے نافرمانی کی اور وہ کافر تھا چونکہ اس نے حکم توڑا۔
اور اس کو اس بات کا غرور تھا کہ وہ آگ سے بنا ہے جب کہ آدم مٹی سے۔
وہ باغی اور ذلیل ترین مخلوق ہے اس نے عدول حکمی کی اس لئے اللہ کی لعنت
اس پر ہوئی اور اللہ نے آدم کو بتا دیا کہ یہ تمہارا دشمن ہے تم کو بہکائے گا۔
شیطان نے قیامت تک کی مہلت حاصل کر لی کہ وہ انسان کو بہکائے۔
اللہ تعالےٰ سورۃ الحجر۔ ۲۷۔ میں بتاتا ہے کہ ہم نے جنوں کو باد سموم کی طرح سے
پیدا کیا پھر کہتا ہے کہ جن کو ایسی آگ سے پیدا کیا جس میں دھواں نہ ہو۔
ظاہر ہے کہ باد سموم میں جو گرمی ہوتی ہے کہ وہ آگ سے پیدا ہوا اور انسان

کو ذلیل سمجھتا ہے کہ وہ مٹی سے بنا ہے۔

حالانکہ اللہ نے انسان کو اور جنوں کو عبادت کے لئے پیدا کیا تھا لیکن بہت سے جن اللہ کی عبادت نہیں کرتے اور باغی ہیں جیسے ابلیس۔

ابلیس کا کام انسان کے دل میں جھوٹے واعدے اور بری خواہشات پیدا کرنا ہے جیسا سورۃ النساء آیات ۱۱۹-۱۲۰ میں ہے۔

ان تمام باتوں کو سمجھنے کے بعد سائنٹیفک طریقہ سے سمجھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ جیسا ہم ملائکہ کے ذکر میں پہلے بتا چکے ہیں کہ ملائکہ مختلف قسم کی قوتوں یعنی انرجی کا نام ہے۔ اسی طرح ابلیس اور جن ان بری خواہشات یا قوتوں کا نام ہے جو اللہ سے بغاوت اور اللہ کے احکامات جو اس نے اپنی قدرت سے کائنات کے واسطے محبت اور انصاف کی بنیاد پر بنائے ہیں انکی عدول حکمی کریں یہ قوتیں انسان کے جسم میں موجود ہیں۔ انسان کا جسم تو مٹی کا ہے جیسا کہ انسان کی ساخت کے باب میں بیان ہو چکا ہے لیکن انسان کے جسم کو نشو و نما دینے اور اس کے جسم کے ایٹموں کو جوڑے رکھنے کے لئے بہت قسم کی قوتوں کی ضرورت ہے۔ ان قوتوں میں غصہ۔ غضب۔ تند مزاجی۔ آپے سے باہر ہو جانا۔ چغلی۔ برائی۔ جعلسازی۔ دھوکہ بازی۔ افترا پردازی۔ غیبت۔ عدول حکمی۔ خود غرضی وغیرہ ایسی بہت خواہشات انسان کے جسم میں موجود ہیں جن کا تعلق گرمی مزاج سے ہوتا ہے۔ قوتیں مٹی نہیں ہوتیں۔ قوتیں تو مثل حدت کے ہیں۔

لہذا انسان تین چیز کا مرکب ہے۔ اول مادہ جو کہ مٹی ہے۔ دوم وہ قوتیں جو جسم کے نشو و نما کے واسطے ضروری ہیں جن کی تفصیل دی جا چکی۔ سوم روح

روح تو خداوندی روح کا جزء ہے۔ جسم کی مٹی بجلی کی قوتوں کا مظاہرہ۔ دوسری قوتیں مختلف قسم کی انرجی۔ ان مختلف انرجی کے فعل سے جسم میں خواہشات پیدا ہوتی ہیں بعض ان میں ملاکوتی ہوتی ہیں جیسے اطاعت۔ فرمانبرداری۔ امن نیکی۔ معصومیت۔ گناہ سے بچنا وغیرہ بعض بری خواہشات ہیں۔ ان بری خواہشا کا نام ابلیس ہے یہ انسان کو ہر وقت برے کام کی طرف رغبت دیتی ہیں۔
سورۃ النساء کی آیات ۱۱۹۔۱۲۰۔ سے اور سورۃ البقرہ کی ۲۶۸ سے یہ صاف ثابت ہے۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے۔ شیطان نے کہا میں تیرے بندوں کو بہکاؤں گا۔ میں ان کو دھوکا دوں گا اور غلط خواہشات ان کے دل میں ڈالوں گا۔ شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور ان کے دلوں میں جھوٹی خواہشات پیدا کرتا ہے۔ شیطان کے وعدے سوائے دھوکہ کے کچھ نہیں۔ شیطان تم کو افلاس سے ڈراتا ہے اور فحش کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے مغفرت اور اپنی نعمتوں کا وعدہ کرتا ہے اللہ ہر جگہ موجود اور سب جاننے والا ہے۔

قرآن پاک کی ان آیات سے ثابت ہے کہ وہ بری خواہشات جو انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہیں وہی شیطان ہیں۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص جس کے دل میں شیطانیت ہوتی ہے وہ دوسرے آدمی کو ان کرورغلاتا ہے اور اس کو برے کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس آدمی کے جس کو بہکایا جائے اگر شیطانیت خود جسم میں موجود ہے تو صرف ایک اشارہ کافی ہوتا ہے اور وہ لگ کھڑا ہوتا ہے۔ دیوانہ را ہوئے بس است۔ لیکن اگر اس کی روح میں طاقت ہو تو وہ اس کو روکتی ہے اور برے کام سے باز رکھنے

کی کوشش کرتی ہے۔ اس وقت یہ شخص خیالات میں مستغرق ہو جاتا ہے اور اس کو اونچ نیچ نظر آنے لگتی ہے۔ اگر روح کافی طاقتور ہے تو یہ انکو جھڑک دیتا ہے اور اگر روح کمزور ہے اور جسم کے اندر خواہشات کا غلبہ تو یہ ان خواہشات کے آگے سر جھکا دیتا ہے اور برے کام کرنے پر دوسرے کے بہکاوے سے تیار ہو جاتا ہے۔ دوسرے لوگ جس میں شیطانیت ہے وہ صرف برے کاموں کی ترغیب ہی نہیں دیتے بلکہ یہ بھی شیطانیت ہے کہ کسی کو اچھے کام سے روکا جائے۔ یہ فعل بھی بری خواہشات کا نتیجہ ہے۔ بہت لوگ ایسے دھوکہ باز آن کر اچھے لوگوں کو اچھے کام سے روکتے ہیں۔ رسول اللہ کے پاس بھی قریش جمع ہو کر ابوطالب کی معرفت آئے اور اشاعت اسلام سے روکا اور ہر قسم کا لالچ دیا لیکن رسول اللہ کو ان تمام خواہشات پر جو ان کا جسم سکھاتا قابو تھا آپ نے فرمایا کہ تم ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند بھی دو تو بھی میں اپنے فرض سے نہ پھروں گا۔ اس لئے آنحضرت نے فرمایا ہے کہ ہر ایک کے جسم کے ساتھ شیطان ہے میرے بھی ہے لیکن میں نے اس پر قابو پا لیا ہے۔ بلیک مارکیٹ کرنے والا، رشوت دینے والا اور اس سے رشوت لینے والے کو خراب اور ذلیل اور حقیر کرنے والا۔ کسی کو دولت وجاہ کی جھوٹی ترغیب دینے والا۔ بے ایمانی سکھانے والا اور بے ایمانی کرنے والا۔ جھوٹ بولنے والا اور اپنے جھوٹ سے دوسرے کو دغا دینے والا ناجائز کمائی کرنیکی ترغیب دینے والا۔ اچھے کام سے روکنے والا۔ یہ سب لوگ شیطان کے زیر اثر ہیں جو بدترین مخلوق ہے لہذا یہ سب ذلیل ہوتے ہیں اور

ان کا انجام بہت خراب ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اپنے دل میں خود اپنی مذمت کرتے ہیں سورۃ الناس میں جو الفاظ ہیں ان سے کافی تشریح ہوتی ہے مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ - ان وسوسوں کی برائی سے جو خناس ڈالے یعنی وہی جو انسان کے دل میں وسوسے جن یا انسان ڈالے۔ لہذا انسان کے دل میں برے خیال یا تو خود پیدا ہوتے ہیں جو اس کی فطرت میں بری قوتوں کا نتیجہ ہیں اور یہ بری قوتیں جن ہیں اور یا کوئی دوسرا آدمی جو اپنی بری قوتوں کی وجہ سے بہکانا چاہے۔ ان تمام آیات سے صاف ہو گیا کہ شیطان ان بری خواہشات کا نام ہے جو انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہیں اور اس سے غلط کام کرانا چاہتی ہیں یا یہ دوسروں کو بھی بری ترغیب دے۔ جب تک اس کا کام بہکانا ہے تو یہ صرف شیطان کہلاتا ہے لیکن جب اس کی خواہشات میں جبر و تشدد غضب۔ غصہ۔ حسد۔ بغض۔ نافرمانی۔ دھینگا دھاندلی۔ قتل۔ غارت۔ لڑائی دنگا۔ فساد وغیرہ بھی شامل ہو جاتے ہیں تو ان خواہشات کا نام بجائے محض شیطان کے جن ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ جملہ جذبات مختلف قسم کی قوتیں یعنی Energies ہیں اور یہ سب قسم کی انرجی اللہ ہی کے پاس سے آئی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جنوں کو اور انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا لیکن بہت سے انسان اور جن عبادت نہیں کرتے اللہ تعالےٰ بھی شدید العقاب ہے اس لئے ان جملہ قسم کی انرجی کا صحیح اور جائز استعمال بھی عبادت ہے لیکن درحقیقت ان برے جذب کا اظہار بری وجہ سے ہوتا ہے

اگرچہ مسلمان اپنے ایمان کے اعلان میں وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰے کہتے ہیں اور اللہ بھی کہتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۔ اس لئے ہر جذبہ کا جائز استعمال خداوندیت ہے اور ناجائز استعمال شیطانیت اور جنانیت۔ مرد اور عورت کے جائز تعلقات اکل حلال محنت سے اپنی روزی ایمانداری سے کمانے کا جذبہ خداوندیت ہے اور یہی تعلقات ناجائز طریقہ سے اور روزی دھوکا یا فریب سے کمانا شیطانی کام۔

جنوں کو باد سموم سے پیدا ہونا بلکہ باد سموم کو خود جن سمجھنا عراق کی قدیم قوموں میں عام تھا۔ چونکہ لفظ شیطان مذہبی معاملات میں مذہبی زبان میں استعمال ہوتا ہے اس لئے جاہل لوگ شیطان کو ایک شخصیت مثل آدمی کے دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ باہر سے انسان پر اثر ڈالتا ہے۔ یہ سب قرآنِ پاک کی آیات کے خلاف تخیل ہے۔ شیطان انسان کے اندر موجود ہے۔ یعنی اس کی بری جسمانی خواہشات۔

ابلیس۔ شیطان اور جن ایک ہی ہیں صرف ان کی نوعیت میں تھوڑا فرق ہے شیطان صرف بھڑکانے والی قوت ہے۔ جن میں شیطانی وہ قوتیں بھی شامل ہیں جو نافرمان ہیں اور جبر استعمال کریں۔ ابلیس نافرمانی اور دھوکا دینے والی قوت ہے۔ ان تینوں لفظوں میں وہ تمام خواہشات شامل ہیں جو خدا کی صفات کے مخالف ہیں اور بجائے امن کے بدامنی کی ترغیب دیتی ہیں سب قوتوں نے انسان کے سامنے سجدہ کیا یعنی اس کی اطاعت

قبول کی مگر انسان کی جسمانی خواہشات نے اس سے انکار کیا اور انسان اپنی خواہشات سے مجبور رہے ان کی وجہ سے تمام مظالم اور گناہ ہوتے ہیں۔ انسان اپنی خواہشات کے سامنے مجبور ہو جاتا ہے۔ تمام قسم کی قوتوں پر حاوی ہے اور ہر ایک کو مغلوب کرتا ہے مگر اس شیطان سے خود دبا ہوا ہے اور خود مغلوب ہے اپنی جسمانی خواہشات پر قابو پانا ہی شیطان پر قابو پانا ہے شیطان نے بھی اللہ تعالےٰ سے یہی کہا تھا کہ میں سب کو بہکاؤں گا لیکن تیرے سچے بندے میرے قابو میں نہ آئیں گے۔ آخری آلہ نیک بندوں کے خلاف عورت کی خوب صورتی کا استعمال کرتا ہے۔ یعنی کچھ آدمی ایسے ہیں جو ہر بات پر قانع ہیں ان پر جسمانی خواہشات کا اثر نہیں پڑتا لیکن ان میں سے بھی بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر عورت کی خوبصورتی کا جادو چل جاتا ہے۔ نہایت عمدہ آدمی جو کہ سن رسیدہ ہوتا ہے وہ عورت کے پھندے میں پھنس کر نہایت بیوقوفی کے کام کرتا ہے۔ جو لوگ دنیا سے علیحدہ اس لئے رہتے ہیں کہ ان میں برائی نہ آجائے ان کے کیرکیٹر کمزور ہوتے ہیں اور وہ ایسے موقع پر نفسانی خواہشات کا شکار ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن پاک میں رہبانیت کو منع کیا گیا۔ دنیاداروں میں رہ کر ان کے کھوٹے سے کھوا رگڑ کر رہنا اور ان کے برے کاموں سے بچا رہنا کیرکٹر کو مضبوط کرتا ہے اور یہی لوگ ہوتے ہیں جو نفسانی خواہشات کا آسانی سے شکار نہیں ہوتے۔ یہ انسان کا کیرکیٹر ہے کہ وہ بہت سے شراب خوروں کے درمیان بیٹھا ہو اور ان کو شراب پیتے دیکھ کر اور ان کے لالچ دینے پر بھی شراب نہ پیئے بلکہ ان کو بے وقوف

سمجھتا رہے۔ اس قسم کے کیریکٹر کے آدمی سے شیطان بھاگتا ہے اور اللہ
سے کہا تھا کہ تیرے سچے بندوں کو نہ بہکا سکوں گا۔ یعنی یہ لوگ اس قانون
قدرت کو جو تو نے بنایا ہے اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے نہ توڑیں گے۔
اللہ کی عبادت یعنی تابعداری ان قوانین فطرت پر عمل کرنا ہے جو امن عامہ
کے واسطے اللہ تعالےٰ نے بتائے ہیں جن میں ہر ایک کا حق اور اسکا تحفظ قائم
کیا ہے۔ نفسانی خواہشات دوسروں کی حق تلفی اور قوانین قدرت کی شکنی
سکھاتی ہیں لہذا یہ اللہ کی نافرمان اور باغی ہیں۔ ان قوتوں پر قابو پانا اللہ کی
عبادت اور تابعداری ہے۔ شیطان یعنی نفسانی خواہشات جو قانون قدرت
کو توڑنا چاہتی ہیں وہ اللہ کے اصول سے بغاوت کرتی ہیں اسلئے راندہ درگاہ
باری تعالےٰ ہیں اور بدترین مخلوق۔ ساری مخلوق قوانین قدرت کی محکوم ہے
لیکن نفسانی خواہشات ان انصاف سے بھرے اصولوں کو کچل کر اپنی دلی
تمنا کو جو خود غرضی پر مبنی ہیں پورا کرنا چاہتی ہیں اور اس کا مطلق خیال نہیں کہ
اس فعل سے وہ تمام دنیا کے امن میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ جب کسی شخص
کی حق تلفی ہو گی تو وہ بھی مجبور ہو کر دوسروں کی حق تلفی کرے گا اور اگر سلسلہ بہ سلسلہ
یہ جاری ہوا تو اللہ تعالےٰ کی حکومت ختم اور شیطان کی حکومت قائم۔ اللہ
کی حکومت سے مطلب ان اصولوں کی حکومت ہے جو اللہ نے انصاف کی
بنیاد پر تمام کائنات کے لئے بنائے ہیں۔ ان اصولوں کے خلاف عمل کرنا
اللہ سے بغاوت اور شیطان کی حکومت قائم کرنا ہے۔ شیطان کی حکومت سے
بدامنی۔ گلوتراشی۔ جنگ و جدال قائم ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے

آدم سے جب وہ شیطان کے بہکائے میں آ گئے یہ کہا کہ جاؤ دنیا میں جنگ و جدال اور دشمنی کی زندگی بسر کرو جہاں تمہاری زندگی عارضی ہوتی ہے۔ یعنی بنی آدم اس نافرمانی کی وجہ سے جو انہوں نے شیطان سے سیکھی جس کو اللہ تعالےٰ ھٰذہ الشجرۃ کہتا ہے یعنی نافرمانی کا سبق جو شیطان نے یعنی خود غرضی نے سکھایا اس کی وجہ سے دنیا میں بدامنی قائم ہے۔ اصول خداوندی کے خلاف انسان کی نفسانی خواہشات اس کو مجبور کرتی ہیں اور وہ خود بھی دھوکا میں آجاتا ہے اور دوسروں کو بھی دھوکا دیتا ہے اس کی وجہ سے دنیا میں بدامنی قائم ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو آگاہ کر دیا تھا کہ شیطان تیرا اور عورت کا دشمن ہے یہ تجھ کو بہکا کر عیش کی زندگی سے مصیبت اور پریشانی کی زندگی میں ڈالے گا۔ جنت سے یعنی عیش اور بے فکری سے نکلوا کر دنیوی یعنی پریشانی کی زندگی میں ڈالے گا اور انسان یہ بھول جائے گا کہ دنیا میں چند روزہ زندگی ہے تو میں نا انصافی کیوں کروں۔ بجائے اس کے یہ اپنی خواہشات میں بہ سبب بھول جائے گا اور نا انصافی اور ظلم کرے گا قوانین قدرت کو جو محبت اور انصاف پر بنے ہیں پامال کریگا اور ہر وقت اپنے لالچ کی وجہ سے دوسروں کو نقصان پہنچانے پر تیار رہے گا اگر اپنا مقصد حل کرنے میں۔ چوری۔ ڈاکہ۔ قتل۔ غارت کا تک بھی ہونا پڑے تب بھی نہ چوکیگا۔ اس کی ان خواہشات کی وجہ سے دنیا میں بدامنی ہوگی کروڑہا آدمی بلا وجہ مارے جائیں گے۔ مکانات۔ شہر۔ درخت۔ جانور تباہ کئے جائیں گے۔ عالی شان عمارتیں جو لوگوں نے نہایت محنت سے تعمیر کی ہوں ان کو تہ خاک کیا جائے گا۔ ڈنڈے اور پتھر

سے تباہی کی جائے گی اس کے بعد انسان تباہی کے ہتھیار ایجاد کرے گا کہ ان سے دوسروں کو تباہ کرے۔ تلوار۔ بلم۔ تیر کے بعد بندوق اور توپ سے تباہی کی جائے گی اس کے بعد بم سے۔ بڑی توپوں سے۔ خطرناک گیس سے۔ ایروپلین سے راکٹ سے جنگی جہازوں سے جس میں ہر قسم کے ہوں گے۔ ڈائنامائٹ سے۔ ایٹم بم سے۔ ہائیڈروجن بم سے۔ طاعون اور دوسری بیماریوں کے کیڑوں سے۔ شعاعوں سے جو نہایت خطرناک ہوں گی وغیرہ وغیرہ سے۔ غرض کہ اللہ تعالےٰ نے اس جرم کی کہ شیطان کا کہنا مانا یعنی قانون قدرت کے خلاف بغاوت کی یہ سزا دنیا میں بنی آدم کو دی اور وعدہ کیا کہ جو کوئی اس سے بچا رہے گا اس کے واسطے دائیمی عیش ہے اور جو اس پھندے میں پھنس گیا یعنی اپنی نفسانی خواہشات کا شکار ہو گیا وہ صرف اپنی ہی زندگی خراب نہ کرے گا بلکہ دنیا میں بدامنی کا بیج بوئے گا جس کا پھل بدامنی۔ بدنظمی دشمنی اور ان کے برے اثرات ہوں گے۔ رسول ہمیشہ اس لئے آتے رہے کہ وہ انسان کو تلقین کریں اور ان اصولوں سے بچائیں جن سے بدامنی پیدا ہوتی ہے اور اللہ کی حکومت کی بجائے شیطان کی حکومت چلتی ہے۔ عوام الناس چونکہ اتنے سمجھ دار نہیں ہوتے کہ ان کو فلسفیانہ طریقہ سے سکھایا جائے لہٰذا ان تمام بری خواہشات کا جو اللہ کے اصولوں کے خلاف ہیں نام شیطان رکھ دیا ہے تاکہ ایک لفظ میں سب مفہوم آ جائے۔ رسول اللہ صلعم نے ان خواہشات پر پورا قابو پا لیا تھا اور اس وجہ سے ان کی روح میں قدسی صفات یعنی پاکی آگئی تھی اور بغیر اس کے کوئی شخص اللہ کا پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ اسلئے اللہ تعالےٰ

قرآن میں فرماتا ہے کہ رسول اللہ صلعم سب مسلمانوں کے واسطے مثال ہیں اور تم
یعنی مسلمان دنیا بھر کے آدمیوں کے واسطے ۔ وہ مسلمان دنیا کے واسطے مثال
ہوتے ہیں جو اپنی نفسانی خواہشات پر رسول اللہ صلعم کی طرح قابو پا لیتے ہیں وہ
مسلمان دنیا کے واسطے مثال نہیں ہیں جو نفسانی خواہشات کے تابعدار ہیں
یعنی شیطان کے اشاروں پر چلتے ہیں ۔ خواہ پالیٹکس میں ۔ خواہ مذہبی آدمی
ظاہرا بن کر ۔ خواہ تجارت میں یا کسی اور شعبہ زندگی میں وہ بد امنی قائم کرتے
ہیں اور دوسرے لوگوں کو بجائے اپنی زندگی سے ایمانداری سکھانے کے
بے ایمانی ۔ جھوٹ ۔ لڑائی کی ترغیب دیتے ہیں وہ دنیا کے واسطے مثال
نہیں ہیں ۔ جو پولیٹیشین اپنی ذاتی وجاہت کی وجہ سے دوسروں کو بیوقوف
بنائے ۔ جو عالم علم بتانے کے پیسے لے یا فرقہ بندی میں پڑے ۔ جو تاجر
بلیک مارکیٹ کرے یا اصل چیز میں دوسری چیز ملائے جیسے گیہوں کے آٹا
میں کوئی اور شے ملائے ۔ گھی میں آمیزش کرے ۔ کپڑا کم ناپے ۔ ایک چیز
کو دوسری بتا کر فروخت کرے یہ سب شیطان کے تابعدار ہوتے ہیں اور خدا
کے نافرمان ۔ ان پر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے اور خداوندی صفات
اور وہ قوانین جو محبت اور انصاف پر مبنی ہوتے ہیں ان میں سے غائب ۔
یہ اپنی بری مثال سے دنیا کو گندہ کرتے ہیں بجائے جنت یعنی عیش و امن
کے دوزخ یعنی بدامنی دشمنی پراگندگی کی طرف دنیا کو مائل کرتے ہیں ۔

وہ سب شیطانی کام ہیں جو انسان کو امن اور انصاف سے ہٹائیں چونکہ
اسلام امن اور انصاف کا نام ہے جو اللہ کے اصول ہیں ۔ وہ سب لوگ

شیطان کے تابعدار ہیں جو انصاف اور امن سے لوگوں کو ہٹائیں یا خلل انداز ہوں۔

ان اصولوں میں سے محبت۔ انکسار۔ دوسروں کی امداد۔ دوسروں کی خاطر اپنے اوپر جبر برداشت کرنا ہوتے ہیں اور ان میں سے اور خوبیاں نکلتی ہیں۔ اور یہ سب وہ صفات ہیں جو اللہ سکھاتا ہے۔ ان کے خلاف شیطانی کام مسلمان کو چاہیئے خداوندی صفات پیدا کرے اور شیطانی خاصیتوں پر قابو پائے۔

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا۔

حضرت عیسے علیہ السلام زندہ معہ جسم کے اٹھائے گئے یا مرنے کے بعد ان کی روح

مسلمانوں میں قرآن پاک کی سورۃ النساء کی آیات ۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸ کے معنے سمجھنے میں بہت اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو اللہ نے زندہ معہ جسم کے اپنے پاس آسمان پر اٹھالیا۔ دوسرا کہتا ہے کہ عیسے ؑ مر گئے اور دنیا سے اللہ کے پاس اسی طرح گئے جیسا کہ سب جاتے ہیں۔ اس اختلاف کی وجوہات سب سے زیادہ یہ ہیں کہ جب بہت سے عیسائی مسلمان ہوئے تو وہ رسول اللہ ؐ پر تو ایمان لائے لیکن اپنے ان اعتقادات کو جو حضرت عیسے ؑ کی بابت تھے ان کو بھی قائم رکھا اور جب یہ فرقہ دوسرے

مسلمانوں سے مل گیا تو ان کے خیالات عام مسلمانوں میں پھیل گئے اور ان خیالات کو صحیح مان کر ان کے تحت آیات قرآن کے معنی پہنائے جانے لگے

یہ ظاہرا ایک فروعی مسئلہ ہے کہ آیا حضرت عیسےٰ زندہ آسمان پر گئے یا مرنے کے بعد اس کا ہم پر اب دو ہزار سال کے بعد کیا اثر پڑتا ہے لیکن یہ فروعی مسئلہ نہیں چونکہ اس کا تعلق اللہ تعالےٰ کے تخیل سے ہے۔ اسلام میں خدا کیا ہے اور کون ہے اور کہاں ہے اس سوال سے متعلق ہیں کہ حضرت عیسےٰ کا کیا ہوا۔ اس لئے اس مسئلہ کو اہمیت ہے ورنہ تو اس کو نظر انداز کیا جاتا۔ چونکہ قران پاک میں جو آیات ہیں وہ ان خیالات کا جواب ہیں جو یہود اور نصارا میں عام طور پر رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں تھے۔ ان غلط خیالات کی ان آیات سے تردید کی گئی ہے جیسا آگے چل کر ظاہر کیا جائے گا۔ اس لئے ان خیالات کو پہلے سمجھنا ضروری ہے بغیر ان خیالات کے سمجھے آیات قرآن کا ٹھیک ٹھیک سمجھنا مشکل ہے۔

حضرت الیاس ایک پیغمبر بنی اسرائیل میں سے تھے جن کا نام بائبل میں علیجاہ ہے۔ ان کی بابت ان کے مریدین نے یہ مشہور کیا تھا کہ وہ آسمان پر اڑ گئے۔ جب بادشاہ ان کا مخالف ہوا تو یہ دریائے اردن (اجارڈن) کو پار کر کے دوسری طرف معہ اپنے مریدیں کے جانے لگے تو دریا کا پانی بہنا بند ہو گیا اور بیچ میں زمین خشک ہو گئی ادھر کا پانی ادھر اور اُودھر کا اُودھر رہ گیا جب انہوں نے دریا پار کر لیا پھر پانی مل گیا اور دریا بدستور بہنے لگا۔ جب یہ پار ہو گئے آسمان سے ایک آگ کی گاڑی ان کو لینے کے واسطے آئی۔ انہوں نے اپنی

پگڑی اپنے مرید علیشا کو دے دی اور کہا کہ لو میں تو یہ جاتا ہوں اور یہ آسمان پر اڑ گئے۔ ان کے مرید اور دوسرے پیغمبر جو وہاں پچاس کی تعداد میں جمع ہو گئے تھے ان کو میلوں ڈھونڈ پھرے کہ کہیں گرے ہوں تو اٹھالائیں مگر کہیں نہیں ملے لہذا آسمان پر گئے۔

اگرچہ اس قصہ کے اندر ہی کمزوری ہے کہ مرید ان کو میلوں ڈھونڈتے پھرے مگر وہ نہ ملے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو شروع میں یقین نہیں تھا کہ وہ آسمان پر گئے۔ اور وہ گاڑی کس قسم کی تھی جس میں گئے۔ ظاہراً وہ ہوا کے بگولہ میں اڑ گئے جس نے خدا معلوم ان کو کہاں پھینکا مگر مریدیں نے یہ قصہ کرامات اور معجزہ کا بنا دیا۔ اس کے بعد سے یہودی اس کے منتظر تھے کہ حضرت الیاس آسمان سے پھر واپس آجائیں گے۔ (باب ۲۔ کتاب ۲ شاہان۔ بائیبل)

حضرت عیسےٰ نے اپنے حواریوں سے تنہائی میں دریافت کیا کہ لوگ باگ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بعض لوگ آپ کو حضرت یحیےٰ سمجھتے ہیں بعض حضرت الیاس اور بعض کا خیال ہے کہ پرانے پیغمبروں میں سے کوئی دوبارہ آگیا ہے۔ حضرت عیسےٰ نے دریافت کیا کہ تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔ پیٹر نے جواب دیا۔ 'مسیح' اس پر حضرت عیسےٰ نے فوراً کہا کہ خبردار یہ بات منہ سے آئندہ نہ نکالنا۔ (انجیل لیوکس۔ باب ۹۔ فقرہ جات ۱۸ الغایت ۲۱)۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہود میں یہ اعتقاد تھا کہ حضرت الیاس جو آسمان پر اڑ گئے وہ پھر واپس آئیں گے۔ اس اعتقاد سے حواریں نے کیا کام لیا وہ آئندہ ظاہر ہوگا۔ جس کو انجیل کہا جاتا ہے وہ قرآن پاک کی طرح احکامات الٰہی کا مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ حضرت عیسےٰ

کے بعد جو ان کی بابت بہت سی کہانیاں مشہور ہو گئی تھیں ان کو معتقدین نے لکھ دیا ہے۔ یہ لکھائی حضرت عیسےٰ کے پچاس سال بعد سے شروع ہوئی اس وقت تک تو زبانی کہانیاں تھیں جس طرح ہندوستان اور پاکستان میں سب ولی اللہ کی بابت ان کے معتقدین میں روایتیں مشہور ہوتی ہیں اور ان بزرگوں کی کشف و کرامات کو مریدین اور معتقدین اپنی اعتقادات کے رنگ میں رنگ کر بیان کرتے ہیں۔ یہ کتابیں مختلف لوگوں نے لکھی ہیں اس لئے ان میں بہت اختلاف ہے۔ یہ ایک قسم کی تیس سالہ سوانح عمری ہیں اور ان میں یہ درج ہے کہ اس قلیل عرصہ میں حضرت عیسےٰ نے کیا کیا۔ ان میں سے جمہور عیسائی نے صرف چار کتابوں کو مستند مانا ہے بقیہ کو غیر مستند۔ غیر مستند کتابیں بائبل میں شامل نہیں صرف چار مستند انجیلیں بائبل میں شامل ہیں۔ یہ میتھو۔ مارکس۔ لیوکس اور جان کی لکھی ہوئی ہیں۔

ان چاروں میں یہ اعتقاد ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو سولی ہوئی اور وہ سولی پر مرے تاکہ اپنے خون سے لوگوں کے گناہوں کا کفارہ دیں اور وہ قبر میں دفن ہوئے اور اگلے دن قبر میں سے زندہ نکل آئے اور ان کے جسم پر صلیب پر لٹکانے کے نشانات موجود تھے اور اپنے حواریوں کے پاس آکر کھانا کھاتے رہے اور چلتے پھرتے رہے۔ تین دن بعد اللہ کے پاس اڑ گئے۔

غیر مستند انجیلوں میں سے ہر ایک کا اعتقاد جدا ہے۔

بسیلیڈین کا خیال ہے کہ عیسےٰ کو پھانسی پر نہیں چڑھایا بلکہ ان کی بجائے کسی اور کو پھانسی مل گئی۔

ڈوسیٹی۔ کا خیال ہے کہ حضرت عیسٰے کے انسانی جسم ہی نہ تھا بلکہ ایک روح ظاہرا چلتی پھرتی نظر آتی تھی اور اس روحانی جسم کو سولی ملی جو محض خیالی تھی۔ اصل نہ تھی۔

مارشنائٹ انجیل کے مطابق عیسٰے علیہ السلام پیدا ہی نہیں ہوئے ان کا محض ظہور ہوا۔

برنابس کے مطابق بھی کسی اور کو پھانسی مل گئی۔

یہ سب خیالات عیسائیوں میں رسول اللہؐ کے زمانہ میں موجود تھے۔ بلکہ ان کے علاوہ بھی حاشیہ بندیاں تھیں۔

عیسائی حضرت عیسٰے کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور یہود حضرت عزیرؑ کو جیسا قرآن پاک میں آیا ہے اور دونوں کو اللہ نے غلط اور جھوٹا کہا ہے۔

اب مستند چار انجیلوں میں جو حضرت عیسٰے کی سولی کے قائل ہیں دیکھا جائے کہ کیا ہے۔ چونکہ چاروں میں بہت جگہ اختلاف ہے ہم صرف ان باتوں کو لیتے ہیں جہاں چاروں متفق ہیں۔ ان چاروں میں حسب ذیل امور پر اتفاق ہے

(۱) پائیلٹ گورنر کو جو رومی گورنر بیت المقدس کا تھا حضرت عیسٰے سے سوالات کرنے کے بعد یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ بے قصور ہیں اور وہ اپنے آپ کو مسیح یا یہودیوں کا بادشاہ نہیں کہتے نہ قیصر روم کے باغی ہیں اس لئے وہ ان کو سولی دینا نہیں چاہتا تھا لیکن یہودی علماء نے اصرار کیا اس لئے اس نے اپنے ہاتھ تاشلے میں دھوئے اور کہا کہ میرے ہاتھوں پر بے قصور کا خون نہیں ہے۔ یہود کے سر رہے۔

(۲) جس دن یہودی علماء نے گرفتار کرا کے حضرت عیسےٰ کو پیش کیا اور سولی ملی وہ سنیچر کا دن تھا اس لیئے کہ اس دن یہود اپنے مذہبی اعتقاد کی وجہ سے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ حتٰے کہ حضرت عیسےٰ جو اس دن بیماروں کی جھاڑ پھونک کرتے تھے اس پر بھی وہ معترض تھے اور یہ بھی ایک الزام تھا کہ وہ یہودی مذہب کو خراب کرتے رہیں۔

(۳) اس دن یہود کی یہاں وہ تاریخ تھی جس دن ان کو فرعون سے آزادی ملی تھی اور موت کا فرشتہ مصر میں ہر گھر گیا اور سب آدمیوں اور جانوروں کے پہلوٹن کے بچہ کو مار دیا لیکن موسےٰ کے کہنے سے سب بنی اسرائیل نے اپنے گھر میں بند ہو کر بکرے کی قربانی کی اور اس کا خون چوکھٹ پر لگا دیا جس کو دیکھ کر موت کے فرشتے نے سمجھ لیا کہ یہ بنی اسرائیل کا گھر ہے اور وہاں سے گزر گیا۔ اس لیے حضرت موسےٰؑ کی سخت ہدایت تھی کہ اس دن کوئی یہودی گھر سے باہر مغرب کے وقت کے بعد سے نہ نکلے اور ہر ایک بکرا ذبح کرے (دیکھو موسیٰ کی کتاب جلد ۲ باب ۱۲ اور ۱۳)

(۴) یہ کہ اس دن سورج گرہن بیت المقدس میں پورا تھا جو بارہ بجے دوپہر سے تین بجے شام تک رہا۔

(۵) یہ کہ حضرت عیسےٰ کے ساتھ دو اور آدمیوں کو بھی سولی پر چڑھایا گیا تھا اور ان کی ہڈیاں رومیوں نے توڑ دیں لیکن حضرت عیسےٰ کی ہڈیاں باوجود یہودیوں کے کہنے کے نہیں توڑیں۔

(۶) یہ کہ حضرت عیسےٰ شام کے تین بجے تک زندہ تھے جب انہوں نے چیخ

کر کہا کہ اے میرے اللہ۔ اے میرے اللہ تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا۔
اور انہوں نے پانی مانگا مگر ان کو سرکہ دیا گیا۔

(۷) یہ کہ یوسف ساکن آرمیتھا نے جو کہ حضرت عیسےٰ کا معتقد تھا رومی گورنر سے کہا کہ عیسےٰ کی لاش مجھے دے دو۔ اس نے کہا کہ اگر سولی پر مر گئے ہیں تو لے جاؤ۔ رومی سپاہیوں نے کہا کہ مر گئے۔ لہٰذا ان کے جسم کو یوسف لے گیا۔ اور اس کھو میں جو بطور خاندانی قبر کے اس نے اپنے لئے کھودی تھی اس میں دفن کر دیا۔

(۸) یہودی سب اپنے گھروں میں گھس گئے تھے اور کسی نے حفاظت نہ کی

(۹) صبح کو میری ماڈلین نے جا کر دیکھا تو قبر کے کنارہ پر جو پتھر لگا تھا وہ الٹا پڑا ہے اور اس میں وہ لباس جو حضرت عیسےٰ دفن کے وقت پہن رہے تھے اور تولیہ جو سر کو بندھا تھا وہ وہاں تہ ہوئے رکھے ہیں اور عیسیٰ کی لاش ندارد۔

(۱۰) میری نے اور ایک اور عورت نے جا کر حوارین سے کہا انہوں نے آن کر دیکھا تو قبر خالی ہے اور ایک شخص جو سفید کپڑے پہن رہا تھا اس نے کہا جاؤ تم لوگ جہاں شام کو جمع ہو گے وہ وہاں آ جائیں گے وہ قبر میں سے نکل گئے ہیں۔

(۱۱) یہودیوں نے شور مچایا اور کہا کہ رومی سپاہیوں کو رشوت دیکر حواری لاش نکال کرلے گئے اور رمیوں نے کہا کہ جب ہم سو گئے تھے اس وقت نکال لے گئے۔ لیکن بقول میتھو کے۔ یہودیوں نے پہلے ہی گورنر

سے کہا تھا کہ قبر پر پہرہ رہے ورنہ حواری رات کو لاش نکال کر لے جائیں گے اور یہ مشہور کر دیں گے کہ وہ اٹھ گئے۔

(۱۲) رات کو جب حواری شہر سے دور ایک جگہ جمع تھے تو حضرت عیسیٰ وہاں آگئے اور انہوں نے السلام علیکم کہا۔

(۱۳) حواری ڈر کے روح آگئی لیکن حضرت عیسےٰ نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں ہو میں مرا نہیں ہوں اور میں روح نہیں ہوں۔ روح کے بدن نہیں ہوتا میرا بدن چھو کر دیکھو۔ اور میرے زخم جو ہاتھ اور پاؤں میں صلیب پر لٹکانے سے ہوئے وہ موجود ہیں۔ سب نے دیکھا وہ حیران تھے کہ اتنے میں حضرت عیسےٰ نے کہا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔

(۱۴) حواریوں نے ابلی مچھلی اور شہد دیا جس کو حضرت عیسےٰ نے کھایا۔

(۱۵) اسی طرح دو تین دن آتے رہے پھر اللہ کے پاس چلے گئے

ان مختلف غلط اعتقادات کی تصیح اللہ کو قرآن کی آیات سے کرنی تھی چونکہ ان کے علاوہ یہودی یہ کہتے تھے کہ ہم نے عیسےٰ کو مار دیا۔ ان میں بھی دو خیالات ہو گئے تھے۔ ایک کہتے تھے کہ عیسےٰ کو قتل کر دیا اور دوسرے کہتے تھے کہ صلیب پر چڑھا کر مار دیا۔ بہر حال مار دینے پر متفق تھے خواہ وہ بذریعہ قتل یا بذریعہ صلیب پر لٹکا کر مارے گئے۔

ان جملہ خیالات کا جواب سورۃ النساء کی آیات ۱۵۶ - ۱۵۷ - اور ۱۵۸ میں ہے بغیر ان واقعات کے معلوم ہوئے ان آیات کو سمجھنا مشکل ہے۔

اس کے علاوہ قرآن پاک کی چند آیات کو بھی سمجھ لینا ضروری ہے تب مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کیا فرماتا ہے۔

آیات قرآن

سورۃ الرحمٰن ۔ ۲۶ ۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

ہر چیز فنا ہوگی

سورۃ العنکبوت ۔ ۵۷ ۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۔

ہر جاندار چیز موت کا مزا چکھتی ہے اور اس کے بعد ہمارے پاس واپس آتی ہے

سورۃ الانعام ۔ ۶۰ ۔ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ

وہ ہے جو تمہاری روح رات کو لے لیتا ہے۔

سورۃ الانعام ۔ ۶۱ ۔ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ۝

اور جس وقت تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور اس میں وہ چوکتے ہیں۔

" ۔ ۶۲ ۔ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ

اس کے بعد آدمی اللہ کے پاس آتا ہے جو اس کا اصل مالک ہے

سورۃ النحل ۔ ۲۸ ۔ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ ۔

وہ جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں جب وہ اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں

سورۃ الزمر ۔ ۴۲ ۔ اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا

[illegible]

اللہ تعالے روح لے لیتا ہے انسان کی موت کے وقت اور جو نہ مریں ان کی روح سوتے میں۔

سورۃ المؤمن - ۶۷ - وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ -
اور بعض ان میں سے قبل مر جاتے ہیں -

البقرہ ۳۶ - ۲۴۰ - وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا - تم میں وہ جو مریں

* ان تمام آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ توفی کے معنی ہیں روح کو لے لینا نہ کہ جسم کو لے لینا - اللہ تعالے موت کے بعد روح کو لے لیتا ہے اور جو نہ مرے اس کی روح صرف سوتے میں لیتا ہے - قریب قریب یہ سب ہی آیتیں قرآن پاک کی ہیں جس میں توفی یعنی وفات کا ذکر آیا ہے ان کے علاوہ دو اور ہیں - عربی زبان کے صیغے ان آیات میں آئے ہیں لیکن سب کے اردو معنی وفات کے ہیں اور وفات کے وقت روح اللہ کے پاس جاتی ہے نہ کہ جسم - اب ان آیتوں کو دیکھا جائے جو حضرت عیسےٰ کی بابت ہیں

سورۃ آل عمران - ۵۵ - اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا - دیکھو اللہ نے کہا - اے عیسےٰ میں تجھ کو وفات دوں گا اور پھر (روح) کو اپنے پاس اٹھاؤنگا اور تجھ کو ان عیبوں سے جو کافر لگاتے ہیں پاک کروں گا -

سورۃ المائدہ آیت ۱۱۶ میں ہے کہ اللہ تعالے کہے گا کہ اے عیسےٰ ابن مریم کیا تو نے عیسائیوں سے کہا کہ اللہ کو چھوڑ کر میری اور میری ماں کی پرستش کرو عیسےٰ جواب دیں گے - پاکی ہو تجھ کو - میں ایسی بات کیونکر کہہ سکتا تھا جس کا مجھ کو حق نہیں - اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تجھ کو ضرور معلوم ہوتا تجھ کو میرے

[illegible]

[illegible]

دلکا بھید سب معلوم ہے اگرچہ مجھ کو تیرے دل کا حال معلوم نہیں چونکہ تو ہر بات کو جو پوشیدہ ہے یعنی (غیب ہے) جانتا ہے۔

سورۃ المائدہ آیت۔ ۱۲۰۔ میں نے سوائے اس بات کے جس کا تو نے حکم دیا تھا اور کچھ نہیں سکھایا۔ یعنی یہ کہ میرے رب اور اپنے رب اللہ کی پرستش کرو

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۔ جب تک میں ان کے (عیسائیوں کے درمیان موجود تھا میں ان پر گواہ تھا یعنی ان کے حالات سے واقف تھا) لیکن جس وقت تو نے مجھے وفات دے دی اس وقت سے تو انکے حالات کو دیکھتا ہے چونکہ تو ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

سورۃ آل عمران آیت ۵۵ میں جو اوپر دی گئی صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالے کہتا ہے کہ میں تجھ کو وفات دے کر اپنے پاس اٹھالوں گا جیسا کہ ہر ایک کو کرتا ہوں جو اچھے ہیں۔ اور تجھ کو ان الزاموں سے جو یہودی تجھ پر لگاتے ہیں پاک کردوں گا اور اس طرح تیرا مرتبہ بلند کروں گا۔

سورۃ المائدہ کی آیت ۱۱۹ میں وہ سوالات درج ہیں جو اللہ تعالے حضرت عیسےٰ سے کرے گا اور ان کا جواب جو حضرت عیسےٰ اپنی بریت کے لئے دینگے وہ ہے۔ آیت ۱۲۰ کے شروع میں بھی وہ غیر مختتم جواب ہے جو آیت ۱۱۹ میں ہے لیکن آیت ۱۲۰ کے آخر حصہ میں اور بھی زیادہ اپنی بریت پیش کرتے ہیں کہ جس وقت تک میں زندہ ان لوگوں میں تھا جن کی بابت تو دریافت کرتا ہے کہ آیا میں نے ان کو اپنی اور اپنی ماں کی پرستش سکھائی تو میں یقین

دلاتا ہوں کہ میں نے سوائے تیری پرستش کے اور کسی کی نہیں سکھائی لیکن جب تو نے مجھ کو وفات دے دی اس کے بعد سے عیسائی کیا کر رہے ہیں میں نہیں جانتا چونکہ مجھ کو علم غیب نہیں ہے مگر تجھ کو علم غیب بھی ہے اور سب کچھ معلوم ہے

یہ سوال وجواب اس درمیانی وقفہ کی بابت ہیں جس وقت سے حضرت عیسےٰ عیسائیوں سے علیحدہ ہوئے اور قیامت تک کے درمیان کا ہے۔

بعض کم سمجھ آدمی یہ خیال کرتے ہیں کہ چونکہ یہ سوال قیامت کے دن حضرت عیسےٰ سے ہوگا تو وہ ایک دفعہ دنیا میں قیامت کے قریب اگر مر جائیں گے اور اس سے مطلب ہے۔ یہ خیال خارج از عقل ہے۔ چونکہ یہ سوال وجواب رسول اللہؐ کی معرفت قرآن میں آئے تاکہ ان عیسائیوں کو جو رسول اللہؐ کے زمانہ میں اور اسکے بعد عیسےٰ کی پرستش کریں ان کو متنبہ کیا جائے گا کہ دیکھو تمہارے اس فعل کو جو تم ان کے جدا ہونے کے بعد سے کرتے ہو وہ غلط بتاتے ہیں اور اس کی ذمہ داری نہیں لیتے۔ گناہ تو عیسائی اب کر رہے ہیں قیامت کے بعد تھوڑی کریں گے جس کا سوال ہوتا یا جواب۔

اس کے علاوہ قرآن کی آیت میں حضرت عیسےٰ اور حضرت یحیٰ جو لوگوں سے کہیں گے قریب قریب ایک ہی بیان ہے

جب حضرت مریم حضرت عیسےٰؑ کو گود میں لے کر آئیں اور لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت عیسےٰ نے کہا۔

سورۃ مریم آیت ۔۳۳۔ وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ

اَمُوۡتُ وَيَوۡمَ اُبۡعَثُ حَيًّاہ

اور سلامتی ہو یعنی مبارک ہو مجھ پر وہ دن جس روز میں پیدا ہوا اور مبارک ہو وہ دن جس روز میں مرونگا اور وہ دن جس روز میں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا

حضرت یحیٰ کی بابت جو اللہ نے کہا وہ

سورت مریم - آیت ۱۵ - وَسَلٰمٌ عَلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَ وَيَوۡمَ يَمُوۡتُ وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّاہ

سلامتی ہو اس پر اس دن جس روز وہ پیدا ہوا اور اس دن جس روز وہ مرا اور اس دن جب وہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا

بعث تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے اور یہ مسلمانوں کے ایمان کا جز ہے کہ اس پر یقین کریں - لہذا حضرت عیسےٰ نے اپنی تین باتیں بتائیں جو اللہ تعالیٰ نے جو عالم الغیب ہے ان کو بتائیں - پیدائش - موت اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونا - اگر خدا کو یہ منظور ہوتا کہ زندہ کو اٹھا کر دنیا سے اوپر کسی جگہ معہ جسم کے پہنچائے تو یہ بھی وہ ان کے منہ سے کہلواتا جیسا کہ انجیل میں لوگوں نے لکھ دیا کہ آدمی کا بیٹا مرے گا اور تیسرے دن قبر سے زندہ نکلے گا -

اسلام میں اللہ نے صرف تین باتیں رکھی ہیں - پیدائش - مقررہ وقت پر موت اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونا -

اس لئے صرف یہی تین باتیں حضرت عیسےٰ کے واسطے اللہ نے مقرر کیں اور ان کے منہ سے بچپن میں کہلوائیں - اور ان ہی کی تصدیق بار بار کلام مجید میں کی -

سورۃ المائدہ آیت ۷۸ میں اللہ تعالے فرماتا ہے کہ مسیح ابن مریم صرف ایک رسول تھے اس سے زیادہ نہ تھے اور ان سے پہلے بہت رسول آئے اور چلے گئے (یعنی مر گئے)۔ ان کی ماں ایک سچی عورت تھیں۔ اور دونوں اپنی روزانہ خوراک کھاتے تھے۔ یعنی آدمی سے زیادہ نہ تھے۔ اور مثل اور پیغمبروں کے ان کو بھی مرنا ہوا کوئی خاص فرق کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر رسول اللہؐ یا ان کے اصحابہ یہ سمجھتے کہ عیسےٰ کو زندہ دنیا سے اٹھالیا تو وہ توقع کرتے کہ رسول اللہؐ کو بھی ایسا ہی کیا جائے گا لیکن رسول اللہؐ کو اور مسلمانوں کو اللہ تعالےٰ نے اطمینان دلادیا کہ تم سے پہلے جس قدر انبیاء آئے وہ سب مر گئے کسی کو قیامت تک کی زندگی نہیں دی گئی اور تو بھی مر جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا مسلمان اپنے ایمان سے پھر جائیں گے۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ

اس آیت میں اور حضرت عیسےٰ کی بابت المائدہ ۷۸ میں ایک ہی لفظ ہیں۔ یعنی حضرت عیسےٰ سے پہلے جس قدر پیغمبر ہوئے وہ مر گئے اور رسول اللہؐ سے پہلے جس قدر پیغمبر ہوئے وہ مر گئے

سورۃ انبیاء آیت ۷-۸۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا . . . . .

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝

ہم نے تم سے پہلے سوائے آدمیوں کے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا اور ہم نے کسی کا جسم ایسا نہیں بنایا کہ وہ کھانا نہ کھائے اور قیامت تک نہ مرے۔

سورۃ انبیاء ۔ آیات ۳۴ ۔ ۳۵ ۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝ ۔ ہم نے تجھ سے پہلے کسی کو قیامت تک کی زندگی نہیں دی اگر تو مر جائے تو کیا وہ قیامت تک زندہ رہیں گے ۔ ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے ہم تمہارا اچھے اور برے کاموں سے امتحان لیتے ہیں پھر تم سب کو ہمارے پاس لوٹکر آنا ہے

ان آیات میں صاف ہو گیا کہ عیسےٰ سے پہلے جس قدر پیغمبر آئے وہ سب مر گئے ۔ اور رسول اللہؐ سے پہلے جس قدر پیغمبر آئے وہ سب معہ حضرت عیسےٰ کے مر گئے ۔ نہ صرف پیغمبر بلکہ بلا تخصیص کسی شخص کو قیامت تک کی زندگی نہیں دی ۔ لہذا یہ خیال کہ حضرت عیسےٰ زندہ ہیں بالکل قرآن پاک کے خلاف ہے جن آیات کی غلط فہمی نے ان جملہ آیات کو نظر انداز کرا دیا اب ان کو دیا جاتا ہے ۔

یہ ہم پہلے لکھ چکے کہ عیسائیوں میں بہت خیالات کے لوگ تھے اور بہت قسم کی غیر مستند انجیلیں تھیں جن میں طرح طرح کے خیالات ظاہر کئے گئے تھے ۔ ایک میں تھا کہ عیسےٰ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے بلکہ انسان کی شکل میں ظاہر ہو گئے اور ان کا جسم نورانی تھا لہذا جو سولی ملی وہ ایک خیالی معمہ تھا نہ کہ در حقیقت ۔ اس کو قرآن کی آیات نے صاف کر دیا کہ عیسےٰ آدمی تھے اور رسول تھے چونکہ اللہ نے سوائے آدمی کے کسی کو رسول نہیں بنا کر بھیجا ۔ اور حضرت عیسےٰ اور ان کی ماں روزانہ اپنی خوراک کھاتے تھے ۔ لہذا یہ خیال کہ ان کا جسم نورانی تھا قرآن کے خلاف ہے ، اور قرآن نے اس کی تردید کر دی ۔

غلط فہمی جو ہے وہ سورۃ النساء کی آیات ۱۵۷ اور ۱۵۸ کی وجہ سے ہے۔ ان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ان کی تشریح ذیل میں ہے۔ رکوع ۲۲ یہودیوں کے متعلق ہے۔ سورۃ النساء۔ آیۃ ۱۵۶ ۔ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝

اور انہوں نے (یہودیوں نے) کفر کیا اور مریم پر بڑا سخت بہتان لگایا۔

سورۃ النساء۔ آیۃ ۱۵۷۔ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝

وہ یعنی یہودی شیخی سے کہتے تھے کہ مسیح عیسےٰ ابن مریم رسول اللہ کو ہم نے قتل کر دیا ہے۔ انہوں نے قتل نہیں کیا نہ صلیب چڑھا کر مارا لیکن ان کو یہ شبہ ہو گیا۔ جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ شبہ سے بھرے ہیں۔ ان کو صحیح علم نہیں ہے صرف خیالی باتیں ہیں۔ یقیناً انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا یعنی مار نہیں ڈالا۔

سورۃ النساء ۔ ۱۵۸ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ نہیں اللہ نے اسکو اپنی طرف بلند کر دیا۔ اور اللہ طاقت والا عقلمند ہے

سورۃ النساء ۔ ۱۵۹ ۔ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝

اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اپنے مرنے سے قبل عیسےٰ پر ایمان

نہ لائے اور قیامت کے دن عیسےٰ ان کے خلاف شہادت دیں گے۔ (آج کل یہودی عیسائیوں کے رحم و کرم پر ہیں اور یہی عیسےٰ پر ایمان لانا ہوا)

آیت ۱۵۶ اور آیت ۱۵۷ کے پہلے حصہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہودی تین باتیں کہتے تھے۔ (۱) حضرت مریم پر بہتان لگاتے تھے۔ (۲) یہ کہ انہوں نے حضرت عیسےٰ کو قتل کر کے مار دیا (۳) یہ کہتے تھے کہ صلیب پر لٹکا کر مار دیا۔

ان تینوں باتوں کی تردید قرآن نے کر دی۔ حضرت مریم پر جو الزام تھا اس کو بہتان کہا ہے یعنی جھوٹا الزام اور پہلی آیتوں میں ان کو نیک عورت اور تمام دنیا کی عورتوں میں منتخب کرنا کہا ہے۔

ان دو باتوں کی کہ عیسےٰ کو قتل کیا یعنی تلوار سے مارا یا سولی پر لٹکا کر مارا آیت ۱۵۷ میں تردید کر دی گئی کہ ان دونوں طرح سے نہیں مرے اور نہایت زور کے ساتھ اس کی تردید ہے کہ ان کو قتل کیا گیا ہے یعنی مار ڈالا گیا چونکہ کہا گیا ہے۔ یقیناً ان کو قتل نہیں کیا۔ ساتھ ہی یہ کہا ہے کہ جو لوگ سولی پر مارنا کہتے ہیں ان کو محض شبہ ہے یقینی علم نہیں۔ صرف خیالی پلاؤ ہیں۔ لہذا قتل اور سولی سے مرنے کی تردید ہے۔ یہ تردید نہیں ہے کہ قدرتی موت سے نہیں مرے

قدرتی موت سے مرنے کی بابت دو آیتیں پہلے دی جا چکی ہیں سورۃ آل عمران آیت ۵۵۔ جس میں ہے کہ اللہ نے کہا کہ اے عیسےٰ میں تجھ کو وفات دے کر اپنے پاس اٹھاؤں گا۔

اور سورۃ المائدہ آیت ۱۲۰ جس میں حضرت عیسےٰ اللہ کو جواب دیں گے کہ جس وقت تک میں عیسائیوں کے ساتھ دنیا میں تھا اس وقت تک کا میں

گواہ ہوں اور جب تونے مجھ کو وفات دے دی اس کے بعد سے عیسائیوں نے کیا کیا میں نہیں جانتا۔ یہ اس کے معنی نہیں ہو سکتے کہ عیسٰے جب قیامت کے دن مر جائیں گے اس کے بعد کی بابت ان کا جواب ہے۔ قیامت کو تو عیسٰے اور عیسائی سب ہی مر جائیں گے اس کے بعد کے کاموں کا سوال ہی نہیں ہوتا کہ عیسائیوں نے کیا کیا۔ یہ آیت تو رسول اللہ ؐ پر اس لئے نازل ہوئی کہ وہ اپنے زمانہ کے عیسائیوں کو سنائیں اور ان کو حضرت عیسٰے اور حضرت مریم کی پرستش سے روکیں آئندہ مسلمان ان کو سمجھاتے ہیں کہ وہ اس غلط خیال سے باز آئیں چونکہ تثلیث پر یقین کرنے والوں کو کافر کہا گیا ہے اور یہ خراب قسم کا شرک ہے۔

مسلمان اس غلط خیال میں عیسائیوں کے اس خبر کو اڑا دینے سے کہ وہ آسمان پر اڑ گئے پڑ گئے۔ یہودی تو انجیل کے مطابق یہ سمجھتے تھے کہ حضرت عیسٰی سولی پر مر گئے اور ان کے حواری ان کی لاش نکال کر لے گئے اور جھوٹ مشہور کر دیا کہ وہ قبر میں سے نکل کر آسمان پر اڑ گئے۔ یہ خیال بقول سینٹ میتھو یہودیوں نے دفن سے پہلے ہی ظاہر کر دیا تھا کہ وہ ایسا کریں گے اور اس لئے چاہا تھا کہ حضرت عیسٰے کی ہڈیاں توڑ دی جائیں اور ان کی قبر پہ پہرہ رہے لیکن رومی سپاہیوں نے ہڈیاں نہیں توڑیں اور رات کو سو گئے اس لئے یہودیوں نے ان پر رشوت کا الزام لگایا۔ عیسائیوں کی انجیل کے مطابق عیسٰے قبر سے نکل کر کہیں پوشیدہ رہے اور وہ لباس جو پہنا کر دفن کئے گئے تھے وہ قبر میں رہا لیکن رات کا اندھیرا ہونے پر اپنے حواریوں کے پاس آئے اور اپنے ہاتھ پاؤں

* [illegible] ۱۶۲

کے زخم دکھائے اور لباس پہنے تھے (یعنی دوسرا) اور حواریوں کے ساتھ مچھلی اور شہد لے کر کھایا اور کہا کہ میں ابھی اپنے باپ کے پاس نہیں گیا (یعنی مرا نہیں) یہ تو عام زبان ہے کہ کوئی مر جائے تو کہا جاتا ہے کہ اللہ میاں کے یہاں گئے اسی طرح دو تین دن حضرت عیسےٰ رات کے وقت حواریوں سے ملتے رہے۔ بعد میں اللہ کے پاس گئے۔

یہ مختلف خیالات تھے جو سب غلط تھے۔ ان سب کی اللہ تعالیٰ نے تردید کر دی کہ نہ وہ قتل ہوئے نہ صلیب پر مرے اور نہ آسمان پر زندہ اٹھے یعنی صلیب سے درحقیقت زندہ اتارے گئے اگرچہ یہودیوں کو شبہ ہوا کہ مر گئے اور بعد میں وہ فوت ہوئے اور اللہ تعالےٰ نے ان کو ذلت کی موت سے بچا لیا اور اس وجہ سے ان کا مرتبہ بلند ہوا۔ ان کے حواریوں کو عیسائی مذہب پھیلانے کا موقع ملا۔ ہر شخص کو موت کے بعد اللہ کے پاس جانا پڑتا ہے۔ اور کوئی شخص موت سے آزاد نہیں۔ قرآن پاک کی آیات کے لحاظ سے کوئی تخصیص نہیں کی گئی کہ عیسےٰ نہ مریں۔ تلک الرسول سپارہ کی پہلی* وہ دوبارہ آئیں گے۔ یہ سب باتیں عیسائیوں کی بنائی ہوئی ہیں جن کو موجودہ زمانہ کے پڑھے لکھے عیسائی بھی یقین نہیں کرتے۔ مسلمانوں میں یہ خیالات چور دروازہ سے داخل ہو گئے سامنے سے نہیں آئے۔ عیسائی اپنے اعتقاد لائے۔ اللہ کے پاس فوت ہونے سے پہلے کوئی نہیں جاتا اور فوت ہونے کے بعد بھی روح جاتی ہے۔ قرآن کی آیتوں سے ثابت ہے کہ وفات کے معنی ہیں روح کا اللہ کے پاس جانا۔ اور دو آیتوں میں جو عیسےٰ ؑ کی بابت دی گئی ہیں وفات استعمال

* [illegible]

ہوا ہے لہٰذا حضرت عیسےٰ کی روح ان کے مرنے پر اللہ کے پاس گئی۔

جو حدیثیں حضرت عیسےٰ اور امام مہدی کے آنے کی ہیں وہ مفسد اشخاص نے گھڑ کر اور لوگوں کے نام لگا کر کہ ان ان سے روایت ہے بیان کر دی ہیں اور ان حدیثوں سے فتنہ پیدا کر دیا۔ بہت سے مہدی آ چکے اور کچھ عرصہ ہوا کہ ایک صاحب نے مہدی اور مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کر دیا اور ان کے مریدین نے طرح طرح کی حاشیہ بندیاں قرآن کی آیتوں پر لگا دیں یہاں تک کہ وہ صاحب کہنے لگے یا ان کی مریدین کہنے لگے کہ قرآن میں بجائے رسول اللہ کے لفظ احمد ان کے متعلق ہے۔ قرآن کی آیت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ ؐ سے مراد ہے جن کا نام چودہ سو سال سے قبل سے احمد چلا آتا ہے اور لوگ ان کا غلام ہونا اپنا فخر سمجھتے ہیں۔

اس فتنہ کی بنا وہ جھوٹی حدیثیں ہیں جن میں مہدی اور عیسےٰ کا ذکر ہے۔ کوئی حدیث جو قرآن کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ رسول اللہ صلعم کو حکم دیتا ہے۔

سورۃ الانعام۔ آیت ۵۰۔ قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ۔ اے پیغمبر کہدو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ میں غیب کے حالات جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

سورۃ الانعام۔ ۵۹۔ وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

اور اللہ کے پاس غیب کے خزانہ کی کنجیاں ہیں۔

سورۃ النحل - ۶۵ - قُل لَّا یَعلَمُ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ الغَیبَ اِلَّا اللّٰہُ -

کہدو سوائے خدا کے کسی کو آسمانوں اور زمین پر علم غیب نہیں -

جب رسول اللہؐ کو خدا کا یہ حکم ہے کہ کہہ دو میں غیب نہیں جانتا تو پھر کس طرح یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ رسول اللہؐ حضرت عیسےٰ کی اور مہدی کی آمد کی پیشینگوئیاں کرتے جو ان احکامات کے بالکل خلاف ہوتا - رسول اللہؐ سے اسی واسطے یہ کہلوایا گیا تھا چونکہ لوگ باگ آئندہ کی بابت سوال کرتے تھے - لہذا یہ حدیثیں کہ عیسےٰ پھر آئیں گے اور مہدی ایسے ہوں گے جن کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ اور نجیب الطرفین اور حضرت امام حسن کی اولاد ہوں گے اور بقول شیعہ صاحبان حسن عسکری اور نرجیس عیسائی عورت کی اولاد مہدی اب سے تقریباً بارہ سو سال ہوتے پیدا ہوئے مگر قیامت کے قریب تک زندہ رہیں گے اور اس وقت اپنی پوشیدہ جگہ سے نکلیں گے اور پھر حضرت عیسےٰؑ خانہ کعبہ میں اتریں گے اور فرشتے چادر میں لپیٹ کر آسمان سے لائیں گے یہ روایتیں رسول اللہؐ پر بہتان ہیں اور دشمنان اسلام نے گھڑ کر بیان کی ہیں - نجیب الطرفین کا کوئی سوال رسول اللہؐ کے سامنے نہ تھا جن کو خدا نے بتایا تھا کہ کل آدمی ایک ہی شخص کی اولاد ہیں اور کسی کو کسی پر فوقیت سوائے اپنے اعمال کے نہیں اور اس حدیث میں حضرت امام حسن کی اولاد تک بتادی اور ماں اور باپ کے نام بتادئے - آیات قرآن جو اوپر دی گئیں ان کے بعد کس طرح سے رسول اللہؐ ایسی لغو بات کہہ سکتے تھے - ان حدیثوں کے

گھڑنے والوں کو قرآن بھی یاد نہ تھا۔ حضرت عیسےٰ دوبارہ کیوں آئیں گے اور کس حیثیت سے۔ اپنے زمانہ کے نبی تھے اور اگر مرے نہیں تو ان کی نبوت قائم رہی اور ان کو حیثیت نبی ہی آنا چاہیئے تھا کس جرم میں ان کی نبوت چھینی جائے گی۔ اگر نبی کی حیثیت سے آتے ہیں تو نبی آخرالزمان ہو جائیں گے اور رسول اللہؐ نبی آخر امان نہ رہیں گے حالانکہ آپ نے فرمایا ہے۔ لانبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ جو خاتم النبیین کی تشریح ہے۔ اس کے اوپر نہایت لغو تاویل یہ کر دی گئی کہ حضرت عیسےٰ اپنے آپ کو رسول اللہؐ کی امت میں تسلیم کر لیں گے یہ اس قدر کمزور اور لغو دلیل ہے کہ کوئی شخص اسکو تسلیم نہیں کر سکتا سوائے اس کے جو اوہام پرستوں میں سے ہو۔ اگر حضرت عیسیٰ آسمان سے اس طرح اتریں گے اور نبی بھی نہ رہیں گے تو ان کی حیثیت کیا ہو گی اور ان کے آنے کی ضرورت کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کو شعبدہ دکھانا ضروری ہے نہیں پھر بجائے رسول اللہؐ کی اُمت میں سے آدمی ہونے کے عیسےٰ کیوں آن کر اسلام کی تلقین کریں۔ اس کی ترمیم امام مہدی سے کر دی گئی اور عیسائیوں کے اعتقاد کو قائم رکھتے ہوئے دیکھا دیکھی اپنے یہاں بھی ایک شخص گھڑ لیا گیا کہ اگرچہ وہ آسمان پر نہیں گیا تاہم اس قدر عرصہ ہوا کہ پیدا ہو کر روپوش ہو گیا اور اس میں بھی وہی معجزہ ہے جو حضرت عیسےٰ میں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے گنتی سو حدیثیں جمع کی تھیں لیکن ان کو اس لئے تلف کر دیا کہ کہیں انہوں نے کوئی لفظ ایسا نہ لکھ دیا ہو جو رسول اللہؐ نے نہیں فرمایا اور رسول اللہؐ فرما چکے تھے کہ جو کوئی میری طرف سے گھڑ کر بات

کہے گا وہ گناہ گار ہو گا۔ لیکن بعض یہودیوں اور عیسائیوں نے فتنہ برپا کرنے کی غرض سے لاتعداد حدیثیں گھڑ دیں اور بہت سے ناعاقبت اندیش مسلمانوں نے والسنتہ و ناوالسنتہ اپنے مطلب کی وجہ سے حدیثیں گھڑ دیں۔ حدیثیں جمع کرنے والوں نے تو ہر طرف سے سن کر حدیث لکھ دی خواہ وہ سچ ہو یا جھوٹ لیکن سچ حدیث صرف وہ ہے جو قرآن کے موافق ہو اور جس قدر قرآن کے متضاد ہیں وہ سب جھوٹے ہیں۔ یہ حدیثیں قرآن کے خلاف ہیں چونکہ آئندہ کا یعنی غیب کا حال بتاتی ہیں حالانکہ اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے کہ تم کہہ دو مجھ کو غیب کا حال نہیں معلوم۔ جو کچھ غیب کا حال بتانا تھا وہ قرآن پاک میں بتا دیا اس کے علاوہ کوئی بات وحی نہیں ہے۔ اس لئے یہ حدیثیں جھوٹ ہیں جو ان عیسائیوں نے جو مسلمان ہوئے گھڑ لی تھیں اور اس کے اوپر شیعہ صاحبان نے اور حاشیہ بندی کر دی۔

عیسائیوں پر سورج پرستوں کا اثر تھا اس لئے وہ حضرت عیسےٰ کو جو تھے آسمان پر یعنی جہاں سورج ہے چلا جانا ماننے لگے تھے۔ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اللہ کیا ہے اور کہاں ہے۔ اسلام کا اللہ بذات ہر جگہ موجود ہے۔ تمام کائنات میں کوئی ذرہ بھی اس سے باہر نہیں اور کائنات کے باہر بھی جو ظاہر ا ہم کو خلا معلوم ہوتا ہے اس سب میں اللہ لامحدود موجود ہے۔ اس کا علم اور اس کی قوت بھی لامحدود ہے۔ آدمی کے مرنے کے بعد روح اللہ کے پاس چلی جاتی ہے

قرآن پاک کی آیات کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ کو وفات دینے کے بعد

اللہ نے ان کی روح کو اٹھا لیا اور وہ مثل اور آدمیوں کے تھے اور مثل اوروں
کے مر گئے کوئی تخصیص ان کی اس بارہ میں نہیں کی گئی اور رسول اللہؐ سے
اور مسلمانوں سے کہا گیا محمد مصطفےٰؐ بھی فوت ہوں گے جیسے تمام انبیاء ان
سے پہلے فوت ہوئے اور کوئی آدمی ایسا نہیں جس کو قیامت تک ابدی زندگی
دی ہو تو رسول اللہؐ کو کیوں دی جائے۔

اسکے علاوہ جو کچھ ہے وہ عیسائیوں کی مختلف انجیلوں کی بنیاد پر اور ان کی اوہام
پرستی کی وجہ سے گھڑے ہوئے قصے ہیں اور قصوں کو سچ مان کر سورۃ النساء کی
آیات ۱۵۷-۱۵۸-۵۹ اپر تاویلیں لگادی ہیں اور ان کی وجہ سے مہدی کا فتنہ
برابر ہوتا رہا ہے اور پچاس سال قبل بھی ہوا تھا اور آئندہ بھی خود غرض لوگ اس
سے فائدہ اٹھائیں گے اور جاہلوں کو بیوقوف بنائیں گے۔ النساء - اِنَّمَا
الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ

یہ ہیں عیسےٰ ابن مریم جو سوائے رسول اللہ ہونے کے اور اللہ کے حکم
سے پیدا ہونے کے کچھ نہیں۔

لہذا حضرت عیسےٰ علیہ السلام سولی سے زندہ اتر آنے کے بعد اپنی
قدرتی موت سے کہیں فوت ہو گئے اور ان کی روح مثل اور روحوں
کے اللہ کے پاس گئی۔ کوئی تاریخی ثبوت نہیں کہ وہ کہاں اور کس
دن فوت ہوئے۔ یہ سب بھی گھڑی گھڑائی باتیں ہیں۔ واللہ اعلم

ختم شد

محمد یامین خان

اسلامی تعلیم

جسے نواب سر محمد یامین خان صاحب بیرسٹرایٹ لاء نے نہایت ہی محنت اور دلچسپ پیرایہ میں اسلام کے ارکان کو مختلف حصص میں ترتیب دیا ہے۔ اسلامی معلومات میں مکمل سٹ کی ترتیب ایک جامع حیثیت رکھتی ہے۔

اسلامی تعلیم اول:۔ عقائد اسلام۔ کلمہ جات۔ نماز۔ کلام پاک کی سورتیں۔ روزہ و دیگر معلومات اُردو زبان میں۔ ۰ —۱۲— ۰

اسلامی تعلیم دوم:۔ حج واس کے احکامات و رسومات معہ اقتباسات خطبہ حجۃ الوداع و مختصر تاریخ حضرت ابراہیم خلیل اللہ و خانہ کعبہ ۰ — ۹ — ۰

اسلامی تعلیم سوم:۔ زکوٰۃ کن پر فرض ہے۔ ۰ — ۳ — ۰

اسلامی تعلیم چہارم:۔ احکاماتِ الٰہی مندرج قرآن کریم۔ ۰ — ۹ — ۰

اسلامی تعلیم پنجم:۔ نکاح۔ مہر و طلاق و عدت کی بابت جملہ آیات قرآنی کا آسان ترجمہ معہ تشریح و تمہید۔ ۰ — ۸ — ۰

اسلامی تعلیم ششم:۔ وراثت و وصیت کے متعلق آیات قرآن پاک معہ احادیث و تشریح۔ ۰ — ٦ — ۰

اسلامی تعلیم ہفتم:۔ اسلام کیا ہے۔ ۰ — ۱۰ — ۰

تجرید البخاری

مرتب: حضرت امام بخاریؒ   قامت: ۲۹ × ۸/۲۲

ضخامت: ۱۰۲۴ صفحات   ہدیہ: بارہ روپے

خدا کے بعد رسولؐ ــــــ اور ــــــ قرآن کے بعد بخاری

چھ لاکھ احادیث کا منتخب مجموعہ، جس کی تکمیل ۱۸ برس میں ہوئی اور ہر حدیث کو غسل اور دو رکعت دوگانہ کے بعد حرم شریف کے سایہ میں بیٹھ کر درج کیا گیا۔ احادیث کے علاوہ امام بخاریؒ اور ان تمام صحابہ کرامؓ کے حالات بھی درج ہیں، جن کا تعلق روایات سے ہے۔ امام بخاریؒ نے ایک موقع پر فرمایا "اگر لوگوں کے درمیان اگر میرے تمام مسودات کے تمام اوراق منتشر ہو جائیں تو وہ ہرگز نہیں ہو سکتے، کیونکہ میں نے اپنی کتاب کو تین مرتبہ مرتب کیا ہے" جس طرح قول کے ساتھ کردار کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح قرآن کے ساتھ بخاری کا ہونا بھی لازمی ہے۔

کتاب کے دو کالم ہیں۔ ایک میں اعراب کے ساتھ احادیث کا اندراج ہے اور دوسرے میں صاف و شگفتہ اردو ترجمہ۔ شروع کتاب میں ایک مبسوط مقدمہ کے علاوہ مضامین کی فہرست شامل ہے۔ جس سے ہر موضوع کی حدیث کو بآسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔

قرآن فہمی کا تقاضا ہے کہ ہر مسلم گھرانے میں یہ کتاب موجود ہو۔

ملک دین محمد اینڈ سنز۔ اشاعت منزل لاہور

عرب اور خلافتِ پاکستان

مصنف:- اشرف عطا   تقطیع ۲۰/۱۶

ضخامت:- ۱۶۰ صفحات   قیمت:- دو روپے

اسلامی ممالک کی رائے عامہ ہندو کانگرس کے غلط اور گمراہ کن پراپیگنڈے کے باعث پاکستان کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا رہی۔ اس کے تنخواہ دار ایجنٹ کانگرس کی بظاہر دشمنی، ایشیاء دوستی اور گاندھی جی کی برتری کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہے۔ یہاں تک کہ پاکستان کے قیام کے بعد جب پاکستانی سفیران ممالک میں پہنچے تو چند ہی روز میں یہ طلسم پاش پاش ہو گیا۔ ہندو کانگرس نے اب ایک اور جال پھیلایا اور اس نے دہلی میں ایشیائی ممالک کی کانفرنس کا ڈھونگ رچا کر پورے مشرق کو اپنی قیادت پر رضامند کرنا چاہا۔ مگر اس کا جو انجام ہوا۔ اس کی تلخی ہندو یونین کو خاک بن کر تڑپاتی رہے گی۔ اس کے برعکس پاکستان نے مختصر سے عرصہ میں اتنی مقبولیت پیدا کر لی کہ اسلامی ممالک نے اسے اپنا رہنما تسلیم کر لیا اور وہ دن دور نہیں جب کنارِ جمنا سے لے کر بحیرہ اوقیانوس کے ساحلوں تک ملتِ اسلامیہ ایک ٹھوس بلاک کی صورت اختیار کر لے گی۔

کانگرس کے گمراہ کن پراپیگنڈے کا طریقہ کار کیا تھا؟ یہ طلسم کس طرح پاش پاش ہوا؟ اب اسلامی ممالک کی رائے عامہ پاکستان کی ہمنوا کیوں ہے؟ ان تمام واقعات کی نقاب کشائی کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

حیاتِ خالدؓ

موّلف:- عبدالرحمٰن شوقؔ　　　　قامت:- $\frac{20 \times 26}{8}$

ضخامت:- ۲۵۶ صفحات　　　　قیمت:- دو روپے ۸ر

مجاہدِ اسلام حضرت خالدؓ بن ولید کی مکمل و مستند سوانح حیات جس میں ان کی سیرت، تربیت، شجرہ نسب، خدماتِ اسلام، تہذیب و اخلاق اور ان تاریخی مجاہدانہ کارناموں کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ جن کی ہیبت سے قیصر و کسریٰ کے طاغوتی لشکر لرزہ براندام رہتے تھے۔ کاوشِ تحقیق و صحت اور صحیح تاریخی استدلال کے باعث یہ سوانح حیات سیف اللہ حضرت خالدؓ بن ولید کی دوسری مطبوعہ سوانح عمریوں سے بدرجہا مستند اور فائق مانی گئی ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں ان تاریخی غلطیوں سے احتراز کیا ہے جو اکثر دوسری تصانیف میں ناواقفیت کی بناء پر پائی جاتی ہیں۔ اس میں کوئی واقعہ ایسا درج نہیں، جس کے متعلق مستند اسلامی تاریخ کا حوالہ نہ دیا گیا ہو۔

موجودہ دور میں جب کہ پاکستان کے استحکام اور اسلام کی شان و شوکت کی بحالی کے لئے قرونِ اولیٰ جیسی ہمت و شجاعت کو از سرِ نو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ لازم ہے کہ آئندہ نسل کے شاہین بچوں کو اس کتاب کا مطالعہ کرایا جائے۔

ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل لاہور